عُلومُ الحدیث

ڈاکٹر صُبحی صالح (لبنان)

مترجم

پروفیسر غلام احمد حریری مرحوم

صدر شعبہ علوم اسلامیہ

زرعی یونیورسٹی فیصل آباد (پاکستان)

ملک سنز پبلشرز

کارخانہ بازار، فیصل آباد فون: 041-2644374-5

علوم الحدیث

تصنیف

ڈاکٹر صبحی صالح (لبنان)

مترجم

پروفیسر غلام احمد حریری (ایم اے)

ناشران وتاجران کتب

ملک سنز

کارخانہ بازار فیصل آباد
041-2644375
041-2417077

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	علوم الحدیث
مصنف	ڈاکٹر صبحی صالح (لبنان)
مترجم	پروفیسر غلام احمد حریری (ایم اے)
صفحات	480
طابع	ملک اعجاز وحید
سن اشاعت	2009ء
تعداد	گیارہ سو
ناشر	ملک سنز فیصل آباد

ملنے کا پتہ

ملک سنز تاجران کتب

کارخانہ بازار فیصل آباد

فون: 2417077 ,041-2644375

Marfat.com

فہرست مضامین

- مقدمہ مصنف ۲۰
- علوم الحدیث کے موضوع پر تصنیف میں دشواریاں ۲۰
- کتاب ہذا کی ضرورت واہمیت ۲۱
- عہد رسالت میں کتابت حدیث ۲۲
- مباحث متعلقہ حدیث ۲۳
- اصطلاحات حدیث ۲۴
- حدیث نبوی ﷺ کی افادیت ۲۴
- ہدیہ تشکر وامتنان ۲۵

باب اول......تاریخ الحدیث

فصل اول......حدیث وسنت اور دیگر اصطلاحات ۲۸

- حدیث وسنت ۲۸
- لفظ حدیث کی لغوی تحقیق ۲۸
- حدیث ضد قدیم ۲۹
- حدیث وسنت کا فرق ۳۱
- لفظ سنت کی لغوی تحقیق ۳۲
- حفاظت سنت ۳۴
- حدیث وسنت کی یگانگت ۳۵
- خبر واثر ۳۶
- حدیث قدسی ۳۷

Marfat.com

فصل دوم.....تدوین حدیث ۴۰
○ ظہور اسلام سے پہلے عرب کتابت سے آشنا تھے ۴۰
○ عہد رسالت میں قلت کتابت کے اسباب ۴۲
○ عہد رسالت میں تحریر شدہ صحیفے ۴۹
○ صحیفہ ابی ہریرہ برائے ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ ۵۷
○ تدوین حدیث کے بارے میں مستشرقین کا موقف ۵۹
○ خلفاء راشدین کا عصر و عہد ۶۵
○ تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ ۶۶
فصل سوم.....طلب حدیث میں ترک وطن ۷۶
○ ارتقاء حدیث پر ماحول کا اثر ۷۶
○ طلب حدیث میں ترک وطن ۷۹
○ وحدت نصوص پر کثرت اسفار کے اثرات ۸۳
○ حدیث کو ذریعہ معاش بنانے کے سلسلہ میں سفر ۸۹
○ روایت حدیث میں لاپرواہی کرنے والوں کا مقابلہ ۹۴
فصل چہارم.....دار الحدیث کی تعمیر اور القاب محدثین ۱۰۲
○ محدثین کے القاب ۱۰۳
◆ ۱ مسند ۱۰۳
◆ ۲ محدث ۱۰۴
◆ ۳ حافظ ۱۰۴
○ حافظہ کی مدد سے روایت حدیث ۱۰۹
فصل پنجم.....اساتذہ سے اخذ حدیث اور اس کے طریقے ۱۱۸
◆ ۱ سماع ۱۱۸

Marfat.com

٢ قرأت ۱۲۳
٣ اجازہ ۱۲۵
٤ مناولہ ۱۲۷
٥ مکاتبہ ۱۲۸
٦ اعلام ۱۳۰
٧ وصیت ۱۳۱
٨ وجادہ ۱۳۲
روایت حدیث کے طریقے ۱۳۵
١ اداء ۱۳۵
٢ مودی ۱۳۶
٣ متحمل ۱۳۶

باب دوم......علوم الحدیث پر تصانیف

فصل اول......علم حدیث روایت و درایت کے اعتبار سے . ۱۳۸
١ روایت حدیث ۱۳۸
٢ درایت حدیث ۱۳۸
٣ راوی ۱۳۸
٤ مروی ۱۳۹
٥ احوال الراوی ۱۳۹
٦ احوال المروی ۱۳۹
١ علم جرح وتعدیل ۱۴۰
٢ علم رجال الحدیث ۱۴۲
٣ علم مختلف الحدیث ۱۴۲
٤ علل الحدیث ۱۴۳

Marfat.com

۵ غریب الحدیث ۱۴۴
۶ ناسخ ومنسوخ ۱۴۴

فصل دوم...... کتب حدیث اوران کے مراتب ۱۴۶

کتب حدیث میں فرق مراتب ۱۴۶
۱ طبقہ اول ۱۴۷
۲ طبقہ دوم ۱۴۷
۳ طبقہ سوم ۱۴۷
۴ طبقہ چہارم ۱۴۸
اہم کتب روایت ومسانید ۱۴۸
(الف) کتب صحاح ۱۴۸
(ب) الجوامع ۱۵۳
(ج) المسانید ۱۵۳
(د) معاجم ۱۵۵
(ھ) مستدرکات ۱۵۵
(و) مستخرجات ۱۵۶
(ز) الاجزاء ۱۵۷

فصل سوم......راوی کے شرائط ۱۵۸

محدثین کا مقیاس ومعیار ۱۵۸
۱ عقل ۱۵۹
۲ ضبط ۱۶۰
۳ عدالت ۱۶۲

باب سوم...... اصطلاحات حدیث

فصل اول...... اقسام حدیث ۱۷۶

Marfat.com

○ موضوع ۱۷۷

فصل دوم...... حدیث صحیح ۱۸۰

○ صحیح کی دو قسمیں ۱۸۱

○ حدیث متواتر ۱۸۲

۱ متواتر لفظی ۱۸۳

۲ متواتر معنوی ۱۸۶

○ خبر واحد سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے ۱۸۷

○ غریب ۱۸۸

○ حدیث مشہور ۱۸۸

فصل سوم...... حدیث حسن ۱۹۳

حدیث کے القاب عامہ جن میں صحیح وحسن سب شامل ہیں ۱۹۹

فصل چہارم...... حدیث ضعیف ۲۰۳

○ حدیث ضعیف کی اقسام ۲۰۳

۱ مرسل ۲۰۳

○ حدیث مرسل حجت نہیں ۲۰۴

۲ منقطع ۲۰۶

۳ معضل ۲۰۸

۴ مدلس ۲۰۹

(۱) مدلس الاسناد ۲۰۹

(۲) تدلیس الشیوخ ۲۱۱

(۳) تدلیس العطف ۲۱۲

(۴) تدلیس السکوت ۲۱۲

(۵) تدلیس تسویہ ۲۱۳

Marfat.com

◆ تدلیس اور مرسل خفی ۲۱۹
◆ معلل ۲۲۰
◆ مقلوب ۲۳۴
○ واقعہ امتحان بخاری ۲۳۷
◆ شاذ ۲۳۹
◆ منکر ۲۴۷
◆ متروک ۲۵۱
○ کیا موقوف ومقطوع روایات احادیث ضعیفہ میں شامل ہیں؟ ۲۵۲
○ موقوف ۲۵۳
○ مقطوع ۲۵۵
○ احادیث ضعیفہ کی نقل وروایت اوران پر عمل ۲۵۶
○ صحیح وحسن وضعیف میں مشترک اقسام ۲۶۱
۱۔۳ مرفوع، مسند، متصل ۲۶۲
○ مرفوع ۲۶۲
○ مرفوع قولی ۲۶۲
○ مرفوع فعلی ۲۶۳
○ مرفوع تقریری ۲۶۳
○ مسند ۲۶۳
متصل یا موصول ۲۶۶
۴۔۶ معنعن، مؤنن، معلق ۲۶۸
○ معنعن ۲۶۸
○ حدیث مؤنن ۲۷۱
○ معلق ۲۷۲
۷۔۸ فرد غریب ۲۷۳

Marfat.com

۹_۱۱ عزیز، مشہور، مستفیض ۲۷۸
حدیث مشہور صحیح ۲۸۰
حدیث مشہور حسن ۲۸۱
حدیث مشہور ضعیف ۲۸۱
حدیث مشہور باطل ۲۸۲
۱۲_۱۳ عالی، نازل ۲۸۶
سند عالی مطلق ۲۸۶
سند عالی نسبی ۲۸۷
موافقت ۲۸۸
بدل ۲۸۸
مساواۃ ۲۸۸
مصافحہ ۲۸۹
۱۴_۱۵ متابع و شاہد ۲۹۲
متابع تام ۲۹۳
متابع قاصر ۲۹۳
شاہد لفظی ۲۹۴
شاہد معنوی ۲۹۴
۱۶_ مدرج ۲۹۶
۱۷_ مسلسل ۳۰۲
۱۹_ المصحف ۳۰۶
حدیث موضوع اور وضع کے اسباب و وجوہ ۳۱۶
حدیث موضوع ۳۱۶
پہلا قاعدہ ۳۱۷
دوسرا قاعدہ ۳۱۷

Marfat.com

○ تیسرا فائدہ ۳۱۸
○ چوتھا قاعدہ ۳۱۹
○ پانچواں قاعدہ ۳۱۹
○ روایت و درایت ۳۲۰

باب چہارم...... ادب ولغت اور قانون میں حدیث نبوی ﷺ کا مقام

○ اسلامی قانون میں حدیث نبوی کا مرتبہ و مقام ۳۴۶
○ قرآن میں اطاعت رسول اور اتباع سنت کی تاکید شدید ۳۴۶
○ حدیث نبویؐ کی تشریعی وسعت و جامعیت ۳۵۰
○ حدیث مستقل ماخذ تشریع ہے ۳۵۳
○ حجیت حدیث صحیح ۳۵۸
○ حلت وحرمت کے اثبات میں کتاب وسنت کی یکسانی ۳۵۸
○ حدیث دانی میں صحابہ یکساں نہ تھے ۳۶۱
○ غیر مجتہد کے لئے جواز عمل بالحدیث ۳۶۱
○ مذاہب کا آغاز ار اصحاب مذاہب کا حدیث سے احتجاج ۳۶۴
○ احادیث آحاد سے احتجاج اور اس کے شرائط ۳۶۷
○ خبر مختف بالقرائن سے احتجاج ۳۷۱
○ ادب پر حدیث نبویؐ کے اثرات ۳۷۴
○ حدیث کے زیر سایہ علوم اسلامیہ کا نشو و ارتقا ۳۷۴
○ علم نحو پر حدیث کے اثرات ۳۷۶
○ اسناد کے ساتھ روایت کرنے میں صحابہ کی اولیت ۳۷۸
○ ادبی علوم پر اسانید محدثین کے اثرات ۳۸۰
○ لغت ونحو پر حدیث سے احتجاج ۳۸۴
○ روایت حدیث کے ائمہ کا احتراز ۳۸۴
○ لغت ونحو پر حدیث سے احتجاج ۳۸۵

Marfat.com

- حدیث سے احتجاج نہ کرنے کے وجوہ ۳۸۷
- مانعین احتجاج کی تردید ۳۸۷
- خلاصہ مباحث سابقہ ۳۹۰
- بصری علماء ۳۹۱
- کوفی علماء ۳۹۱

باب پنجم

- طبقات الرواۃ ۳۹۳
- ابن سعد اور طبقات کا طرز تصنیف ۳۹۴
- تمہید ۳۹۴
- ابن سعد اور اس کے سیر و سوانح ۳۹۵
- ابن سعد کے بنیادی مصادر و مآخذ ۳۹۶
- ابن سعد کے استاد واقدی کے بارے میں اظہار خیال ۳۹۷
- شیخ و تلمیذ کے مابین فرق و امتیاز ۳۹۹
- طبقات ابن سعد کے اہم مندرجات ۴۰۱
- طبقات ابن سعد کا اسلوب و انداز ۴۰۲
- ابن سعد کی نسب دانی ۴۰۳
- محدثین کے طریقہ پر روایت کرنے والا ۴۰۵
- طبقات رواۃ ۴۰۶
- راویوں کے طبقات اور ان کی اصطلاحی تقسیم ۴۰۶
- حافظ ابن حجر کی تقسیم کے مطابق راویوں کے طبقات ۴۰۷
- طبقہ صحابہ ۴۰۸
- صحابی کی تعریف ۴۰۸
- طبقہ تابعین ۴۱۴
- تابعی کی تعریف ۴۱۴

Marfat.com

○ اتباع تابعین کا طبقہ ۴۱۶
○ تعریف ۴۱۶
○ صحابہ کا تعارف و ترجمہ ۴۱۷
○ سات کثیر الروایت صحابہ ۴۱۷
۱ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۴۱۷
۲ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ۴۲۰
۳ انس بن مالک ۴۲۱
۴ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ۴۲۳
۵ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ۴۲۵
۶ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ۴۲۹
۷ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ۴۲۹
○ مشاہیر صحابہ ۴۳۱
۸ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۴۳۱
۹ عبداللہ بن عمرو بن العاص ۴۳۲
۱۰ ابو ذر غفاری ۴۳۳
۱۱ سعد بن ابی وقاص ۴۳۴
۱۲ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ۴۳۵
۱۳ ابو الدرداء ۴۳۶
○ بعض کبار تابعین کا تعارف ۴۳۷
○ سعید بن مسیب ۴۳۷
○ نافع مولیٰ ابن عمر ۴۳۸
○ محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ ۴۳۹
○ ابن شہاب زہری ۴۴۰
○ سعید بن جبیر ۴۴۱

Marfat.com

○ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۴۴۲
○ بعض اتباع تابعین کا تعارف ۴۴۵
(۱) امام مالک بن انس ۴۴۵
○ امام ملک کے تلامذہ ۴۴۷
(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۴۴۷
○ شافعی کے تلامذہ ۴۴۹
(۳) سفیان ثوری ۴۴۹
(۴) سفیان بن عیینہ ۴۵۱
(۵) لیث بن سعد ۴۵۲
○ تابع تابعین کے اتباع وتلامذہ کا تعارف ۴۵۴
(۱) امام احمد بن حنبل ۴۵۴
○ تلامذہ واساتذہ ۴۵۶
(۲) امام بخاری ۴۵۶
○ تصانیف بخاری ۴۵۷
(۳) امام مسلم ۴۵۸
○ تلامذہ ۴۵۹
○ تصانیف ۴۵۹
(۴) امام ترمذی ۴۶۰

Marfat.com

حرف آغاز

از مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اما بعد پاکستان کا مقصد وجود ایک اسلامی ریاست کا قیام تھا جس میں بسنے والے اسلامی نظریہ حیات کے مطابق زندگی گزار سکیں اور اسلام کو ایک دین کامل اور ایک مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت سے زندگی کے تمام شعبوں پر منطبق کر سکیں۔ دین اسلام کے بارے میں غلط فہمی کی تاریخ خاصی پرانی ہے کہ اسلام صرف ایک نظام عبادات ہے جس میں طاعت وعبادت کے طور طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل بحیثیت مجموعی مسلمانوں نے کبھی بھی اسلام کو اس ملک میں ایک کامل نظام حیات کے طور سے دیکھنے اور اپنانے کی کوشش نہیں کی۔

انگریز کے عہد اقتدار میں دین اسلام کے ناقص تخیل کو مزید شہ ملی اور یہ غلط انداز فکر عام طور سے جڑ پکڑتا چلا گیا۔ انگریز نے کشت زار ہند میں ادھورے اسلام کا جو شجرۂ خبیثہ بویا تھا' اس کے چلے جانے کے بعد بھی نہ صرف باقی رہا بلکہ خوب پھلا پھولا اور برگ و بار لایا۔ انگریز نے انگریزی زبان وادب کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب وثقافت اور غلامانہ طرز فکر ونظر کا جو تحفہ دیا تھا وہ اسلام کے ناقص تخیل کو ہوا دیتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد بھی اسلام کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے اختیار کرنے کی توقعات پوری نہ ہو سکیں۔ ضرورت اس بات کی داعی تھی کہ نئی پود کے قلب و ذہن کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لیے ان کے دل کی گہرائی میں یہ بات اتار دی جاتی کہ دین اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی کرنے ہی سے دنیوی کامرانی وشادمانی اور اخروی فلاح وصلاح وابستہ ہے' نیز یہ کہ اسلام کا ناقص تخیل دور غلامی کی یاد تازہ کرتا ہے' لہٰذا جلد از جلد غلامی کی اس یادگار کو مٹانا ضروری ہے' مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہوا'

Marfat.com

اور آئندہ بھی اس کے امکانات اس ملک میں چنداں روشن نظر نہیں آتے۔

دین اسلام کو ایک کامل ضابطہ حیات کی حیثیت سے سمجھنے اور اپنانے کے لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ازبس ناگزیر ہے۔ یہ وہ چشمہ صافی ہے جس سے اسلامی تعلیمات اور دینی احکام و مسائل کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ کتاب الٰہی مجموعہ قوانین اور اسلامی طرز زندگی کے اصول وقواعد کی جامع ہے۔ حدیث نبوی اس کے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی توضیح پیش کرتی ہے۔ خود قرآن نے اس حقیقت کو الم نشرح کیا ہے کہ آنحضور ﷺ قرآن حکیم کے شارح وترجمان ہیں۔ لہٰذا قرآن کی وہی توضیح وتفسیر قابل وثوق واعتماد ہے جو آپ سے منقول ہو۔ اگر حدیث نبوی کو قرآن سے الگ کر دیا جائے تو قرآن ضابطہ حیات پیش کرنے سے قاصر رہے گا اور کوئی شخص اس کی روشنی میں اپنے لیے ایک نظام زندگی مرتب نہیں کر سکے گا۔

توضیحات نبوی کو قرآن سے الگ رکھنے کا یہ نتیجہ بھی ہوگا کہ ہر کس وناکس کلام ربانی کو اپنی خواہشات کے سانچہ میں ڈھال سکے گا۔

مقام افسوس ہے کہ خدا کے نام پر حاصل کیے گئے اس ملک میں کچھ لوگ اس سعی وجہد میں مصروف ہیں کہ حدیث نبوی کی حجیت سے انکار کر کے صرف قرآن کریم کو مخزن احکام دین قرار دیں۔ اور اس طرح ان بہت سے دینی ارکان واحکام سے چھٹی حاصل کر لیں جن کا اثبات حدیث نبوی سے ہوتا ہے۔ ایسے لوگ دینی ذمہ داریوں سے گھبراتے اور اپنے لیے سہولتوں اور تن آسانیوں کے چور دروازوں میں سرگرم رہتے ہیں۔ ان کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ اسلام کی جدید تعبیر اس انداز سے کی جائے کہ ان کے لیے منکرات وفواحش کے دروازے چوپٹ کھل جائیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے لیے ممنوع نہ رہے۔ تاکہ وہ۔

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

کے مقولہ پر عامل ہو کر اپنے ارمان نکال لیں اور کوئی حسرت دل کے کسی کونے میں باقی نہ رہے۔

Marfat.com

اس میں شبہ نہیں کہ حدیث نبوی بہت بری طرح ان لوگوں کی راہ میں حائل ہے۔ حدیث کے روڑے کو اپنی راہ سے ہٹا کر یہ مادر پدر آزاد لوگ بلا جھجک بڑی آسانی کے ساتھ تمام اسلامی حدود و قیود کو پھلانگ سکتے ہیں۔ قرآن کریم ایک اصولی کتاب ہے۔ اس کا کام اصول وکلیات بیان کرنا اور اس کی جزئیات کو ترجمان القرآن ﷺ کے سپرد کرنا ہے۔ اگر قرآن جزئیات دین کی توضیح وتشریح کا بھی کفیل ہوتا تو رسول کریمؐ کی تشریف آوری چنداں ضروری نہ تھی۔

قرآن ''اقیموا الصلوٰۃ'' کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے اور نماز کے اوقات و کوائف' رکعات کی تعداد' قراءت وتسبیحات اور دیگر امور کی تفصیلات آنحضور ﷺ پر چھوڑ دیتا ہے۔ زکوٰۃ کے سلسلہ میں ''اتوا الزکوۃ'' سے آگے نہیں بڑھتا۔ حج کو فرض ٹھہرا کر صرف ''وَلِلّٰہِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ'' کی صدا دیتا ہے اور مناسک حج پر تفصیلی روشنی نہیں ڈالتا۔ یہ مفسر قرآن ﷺ کا کام ہے کہ ان فرائض کی عملی تفصیلات سے آگاہ فرمائیں۔

دور حاضر میں فواحش ومنکرات کی جو فراوانی ہے' اگر حدیث نبوی کو نظر انداز کر دیا جائے تو قرآن سے ان کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ حدیث کا منکر بھنگ نوشوں کی طرح نماز دل کے ساتھ بھی قائم کرسکتا ہے یا چوبیس گھنٹوں میں ایک آدھ رکعت پڑھ کر بھی یہ فریضہ ادا کرسکتا ہے۔ حدیث نبوی کو نظر انداز کر کے زکوٰۃ کو ٹیکس بھی کہا جاسکتا ہے' اور مشینی ذبیحہ کی حلت کا فتویٰ بھی صادر کیا جاسکتا ہے۔ یہ ''متجددین'' اپنی پرائیویٹ زندگی میں جس لا ابالیانہ اور مسرفانہ طرز زیست کے عادی ہیں' حدیث اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔ اس لیے وہ اپنی راہ ہموار کرنے کے لیے حدیث نبوی میں کیڑے نکال رہے ہیں اور اس کی اہمیت کو گھٹانے کے لیے ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ مگر ان کو جان لینا چاہیے کہ وہ کسی ایک سچے مسلم کے دل سے بھی حدیث کی وقعت کو کم نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ان کی اپنی عزت و وقعت اہل اسلام کے دلوں سے جاتی رہی ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

Marfat.com

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں زند

دور حاضر میں جب اس نوزائیدہ اسلامی مملکت میں چند لوگوں نے جو اپنی پرائیویٹ زندگی میں دین سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے اور دینی علم میں دوسروں کے سہارے کے محتاج ہیں' پاکستان کے سادہ لوح مگر مخلص اہل ایمان کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے انکار حدیث کا فتنہ کھڑا کیا' تو اس کا ردعمل یہ ہوا کہ دین کا درد رکھنے والے باخلوص علماء ان کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور اس طرح حدیث نبوی کی تائید اور منکرین سنت کی تردید پر بڑا بیش قیمت لٹریچر عالم وجود میں آ گیا۔ چنانچہ اس مہلک فتنہ کے استیصال کے لیے اردو زبان کا دامن بیش قیمت کتب سے مالا مال ہو گیا۔

عربی دیار و بلاد ہمیشہ دین کا مرکز و محور رہے ہیں۔ بدقسمتی سے وہاں بھی اس قسم کے کچھ مفسد عناصر معرض ظہور میں آئے اور بدترین قسم کا تخریبی لٹریچر تیار کیا۔ یاد رہے کہ ہمارے ملک کے منکرین حدیث بھی زیادہ تر مستشرقین یورپ یا عربی ممالک کے مغرب زدہ طبقہ سے متاثر اور ان کے زلہ ربا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہی ممالک میں ایسے صحیح العقیدہ اور راسخ العلم علماء پیدا کیے جنہوں نے منکرین حدیث کے بودے دلائل کا تارو پود بکھیر کر ان کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑا دیں۔

لبنان یونیورسٹی آرٹس کالج کے ڈاکٹر صبحی صالح جو وہاں علوم اسلامیہ اور فقہ اللغہ کے پروفیسر ہیں انہی خوش نصیب علماء میں سے ہیں جنہوں نے ان ملاحدۂ وقت کی تخریبی مساعی کا توڑ مہیا کیا گیا اور دلائل کے تیروں سے ان کو چھلنی کر دیا۔ ان کی کتاب "علوم الحدیث" اس بات کی زندہ گواہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایک مخلص مسلمان' راسخ العلم فاضل اور متبع سنت شخص ہیں۔ حدیث نبوی کے ساتھ انہیں والہانہ شغف بلکہ عشق ہے۔ اس کتاب کا انتساب انہوں نے اپنے والد گرامی کی طرف کیا اور بتایا ہے کہ سنت کے ساتھ یہ والہانہ محبت ان کو اپنے والد محترم سے ورثہ میں ملی ہے۔ گویا یہ گھرانہ عشاق حدیث کا خانوادہ ہے۔ اس کتاب کے ایک ایک فقرہ سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ

Marfat.com

مصنف حدیث نبوی کے ساتھ کس حد تک وابستگی و دل بستگی رکھتا ہے۔ گویا یہ ایک آئینہ ہے جس سے مصنف کی حب حدیث وسنت کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

''علوم الحدیث'' ہر لحاظ سے اسم بامسمّٰی کتاب ہے۔ اس میں ہر اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے جس کی اس کتاب میں ضرورت تھی۔ کتاب کا موضوع بڑی حد تک اصول الحدیث کا فن اور اس کے متعلقات ہیں۔ آج کل عربی مدارس میں اس فن کی جس قدر کتب پڑھائی جاتی ہیں یہ کتاب ان تمام کتب کے مقابلہ میں زیادہ جامع ہے۔ بلکہ اس میں جو مباحث موجود ہیں ان سے وہ کتب عاری ہیں۔ میرے خیال میں یہ کتاب اصول الحدیث کی جملہ مرجہ و متداولہ کتب کا نعم البدل ہے اور اس کی تدریس ان کتب سے زیادہ مفید اور بہترین نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ مزید برآں قدامت کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں جدت کی آمیزش بھی ملے گی۔ عربی مدارس کے طلبہ کو پتہ چلے گا کہ مستشرقین نے اس ضمن میں کیا گل کھلائے ہیں اور اسلام کے چہرے کو مسخ کرنے کے لیے انہوں نے کس حد تک کوششیں کی ہیں، مگر اس کے باوصف ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ ان کے علم و فضل سے متاثر ہے۔

میرا خیال ہے کہ اصول الحدیث کے فن سے متعلق اس قدر معلومات و مباحث شاید علوم الحدیث کے سوا کسی دوسری کتاب میں یکجا نہ ہوں۔ اس لیے مصنف کی یہ کتاب ان کے ذوق تحقیق و تدقیق کا شاہکار اور وقت کی ایک اہم علمی خدمت ہے۔ جامعہ پنجاب کے شعبہ علوم اسلامیہ کے ارباب بست و کشاد خصوصاً اس کے سربراہ جناب پروفیسر علامہ علاء الدین صدیقی صاحب کے ذوق تجسس کی داد دینا پڑتی ہے کہ آپ کی نگاہ انتخاب نے ایسی قابل قدر کتاب کو ڈھونڈ نکالا اور ایم اے علوم اسلامیہ کے طلبہ کے لیے اسے پسند فرمایا اور حدیث نبوی کے پرچہ کی تیاری کے لیے اس کے مطالعہ کی سفارش کی۔

جہاں تک ترجمہ کا تعلق ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس ضمن میں کچھ عرض کرنا خودستائی کا موجب ہوگا۔ البتہ یہ ضرور عرض کروں گا کہ اس میں میری کوتاہی اور سہل

Marfat.com

انگاری کو کوئی دخل نہیں۔ اپنی محدود بساط اور استطاعت کی حد تک میں نے ترجمہ کو رواں دواں اور سلیس بنانے کی انتہائی کوشش کی ہے۔

ترجمہ کے لیے ''علوم الحدیث'' کا انتخاب خدمت حدیث کے جذبہ کے تحت کیا گیا تھا۔ عمر نے وفا کی تو میری یہ کوشش ہوگی کہ تائید حدیث کے ضمن میں جو لکھ سکوں لکھ دوں اور عربی میں جو اہم کتاب مارکیٹ میں آئے اس کو اردو کے قالب میں ڈھال دوں۔ عربی، انگریزی یا کسی اور زبان میں لکھی ہوئی دینی تحقیقی اور علمی کتب کو جو تبلیغی مقاصد کے لیے مفید ہوں اردو کا جامہ پہنانا میرے نزدیک ایک عظیم پائدار دینی خدمت ہے، اور یہی جذبہ میرے اس کام کا محرک ہے۔ بتوفیق ربانی میں تازیست یہ خدمت بجالاتا رہوں گا۔ اور اگر کچھ لوگ اس سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں، تو یہ ان کی فطرت کا قصور ہے اور ان کی فطرت کو تبدیل کرنا میرے بس کا روگ نہیں۔ بارگاہِ ربانی سے امید ہے کہ یہی پاکیزہ جذبہ میرے لیے زادِ آخرت ثابت ہوگا۔ وللہ الحمد علی الاتمام۔

ڈی۔۶۱ پیپلز کالونی لائل پور	خاکسار مترجم
۱۵ مارچ ۱۹۶۸ء	غلام احمد حریری، ایم۔اے

○○○

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ مصنف

ہماری اس کتاب کا موضوع ''علوم الحدیث'' ہے۔ جس طرح اسی قسم کی دوسری تصنیف ''علوم القرآن'' پر مشتمل ہے یہ کتاب چند علمی مباحث کا مجموعہ ہے اس کا خاص پہلو یہ ہے کہ یہ ہمارے لازوال علمی ورثہ کو قدامت کی گرد و غبار سے پاک کر کے بیش قیمت اور نادر افکار و نظریات کو ایسے اسلوب و انداز میں پیش کرتی ہے جو نہایت واضح بھی ہے اور عصر جدید سے ہم آہنگ بھی۔

علوم الحدیث کے موضوع پر تصنیف میں دشواریاں

بہت سے لوگ اس زعم فاسد میں بتلا ہیں کہ ایسی تصنیفات چنداں دشوار نہیں۔ اس لئے کہ یہ ایک پامال اور پرامن راستہ ہے۔ جس میں گرنے پڑنے اور ٹھوکر کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ علمائے سلف نے اس راہ کو پوری طرح ہموار کر دیا ہے اور آنے والوں کے لئے اضافہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دی اب ہمارے لئے صرف یہی کچھ باقی ہے کہ ان کے تبحر علمی سے استفادہ کریں اور ان کی تصانیف و تو الیف اور اقوال و ارشادات کی تلخیص پر اکتفاء کریں۔

ہمارے لئے اس عام غلطی کا ازالہ بے حد ناگزیر ہے۔ ہم کامل وثوق سے کہتے ہیں کہ تصنیف و تالیف کا یہ طرز و انداز بے حد دشوار اور پر خطر ہے۔ نیز اس میں مخطوطات کی نشر و اشاعت اور تحقیق کی نسبت بہت زیادہ محنت و کاوش کی ضرورت ہے اس لئے کہ اس میں تالیف (مواد کی یکجائی) اور تحقیق کے دونوں (اہم) کام جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ قدیم و جدید کے مابین ربط تعلق کو بھی قائم رکھنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

کتاب ہذا کی ضرورت واہمیت

علوم الحدیث سے متعلق کتاب میں عبارت کی نشان دہی اور تحقیق از بس ناگزیر ہے۔ اگر فن حدیث کی امہات الکتب کو اپنا اوڑھنا بچھونا نہ بناتے تو ہماری کتاب ہرگز ان اہم مباحث پر حاوی نہ ہوتی جن کی اس فن میں تخصص کرنے والوں کو تلاش ہوتی ہے۔ ہم یہ معلومات ان کتب سے لے کر پوری امانت و دیانت کے ساتھ حوالۂ قلم کرتے ہیں بڑی عرق ریزی اور باریک بینی سے ان کا خلاصہ نکالتے ہیں اور ان متفرق معلومات کو ایک کتاب میں یکجا کر دیتے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ دمشق کا مکتبہ ظاہریہ حدیث نبوی سے متعلق علوم و مصطلحات کے اعتبار سے دنیا بھر میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ ہمیں یہ سعادت حاصل ہے کہ ہم نے اس مکتبہ کے اہم مخطوطات سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ کتاب ہذا کے حواشی اس امر کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ ہم نے ان مخطوطات پر کس حد تک بھروسہ کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں ہم نے تمام مصادر و مأخذ کی فہرست پیش کر دی ہے جس سے ہماری محنت و کاوش کا پتہ چلتا ہے۔

البتہ ہم نے نقلِ محتاط اور خلاصہ نویسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ علوم حدیث میں علمائے سلف کے آثار و اقوال کا تنقیدی و تاریخی جائزہ لیا اور ان کے افکار و آراء کا موازنہ کیا ہے اور قاری کو بے کار کی جدل و بحث میں نہیں الجھایا۔ ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ علمائے سلف کی گراں بہا اور نادر تصانیف میں جو اصطلاحاتِ کثیرہ بکھری پڑی ہیں ان کا لب لباب اور خلاصہ بیان کر دیں۔

نظر بریں یہ کتاب علمائے سلف کی تصنیفات کا اختصر و تلخیص نہیں بلکہ ایک تنقیدی جائزہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اگر یہ کتاب تلخیص محض ہوتی تو ہمیں اس کے اظہار میں کوئی باک نہ تھا۔

اس لیے کہ علوم الحدیث کے باب میں علمائے سلف ایسے عظیم ناقدین کی پیروی اور خوشہ چینی ہمارے لیے شرف و عظمت کا باعث (نہ کہ باعث تحقیر و تذلیل) ہے۔ وہ یہی علماء تھے جنہوں نے کائنات ارضی کو حدیث نبوی کے علم سے بھر دیا۔ علاوہ ازیں

Marfat.com

جہاں تک اس موضوع (علوم حدیث) کا تعلق ہے اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اور ہماری طرح جو لوگ بھی اس موضوع پر کام کرنا چاہتے ہیں نقل و تلخیص پر اعتماد کریں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے محدثین کرام نے جو صحیح معنی میں پوری کائنات کے رہبر و پیشوا تھے جو واضح اور روشن اصول و مناہج مقرر کر دیے ہیں ان میں اضافہ کا کوئی امکان نہیں۔

عہد رسالت میں

ہمارا خیال ہے کہ عرضِ جدید اور نقل دقیق کے مابین سرے سے کوئی منافات ہی نہیں۔ اسی طرح نصوص کے درمیان موازنہ و مقابلہ تحقیق و تدقیق کے خلاف نہیں۔ اسی جذبہ کے پیش نظر ڈرتے ڈرتے اور حذر و احتیاط کو کام میں لاتے ہوئے ہم نے بہت سے مشکل مباحث کو چھیڑا اور ان میں اپنی پسندیدہ رائے کی فوقیت ثابت کی۔ مثلاً ہم نے ناقابل تردید دلائل کی روشنی میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ کتابتِ حدیث کا آغاز سرورِ کائنات ﷺ کی زندگی میں ہو چکا تھا۔ ہم نے اس کے اثبات میں بہت سی تاریخی دستاویزات اور کتب و رسائل کے حوالے دیے اور آخر میں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حفاظت حدیث کے ضمن میں صرف حافظہ ہی پر اعتماد نہیں کیا بلکہ عہد رسالت میں احادیث کو اپنے سینہ میں جگہ دینے کے ساتھ ساتھ سفینہ میں بھی منتقل کر لیا تھا۔

اس کے بعد ہم نے تاریخی حقائق کے پیش نظر طلب حدیث کے سلسلہ میں سفر کا ذکر کیا۔ پھر حصول علم اور تعلیم و تدریس کے انداز و اطوار پر بحث کی اور اس کی مختلف صورتوں کے درمیان موازنہ کیا۔ بعد ازاں ہم نے مختلف علوم حدیث میں شائع شدہ اہم تصنیفات کا مختصر جائزہ لیا ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے رواتِ حدیث کے بارے میں محدثین کی شرائط کو جانچا پرکھا اور دیکھا ہے کہ یہ شرائط ہر زمانہ میں ..... قدیم ہو یا جدید ..... انسانی عقل و قیاس سے کس قدر ہم آہنگ ہیں۔ پھر ہم نے قابل اعتماد کتب سے اخذ کر کے اقسام حدیث اور اصطلاحات پر روشنی ڈالی۔ اس ضمن میں ہم نے محدث

Marfat.com

رامہر مزی کی مشہور کتاب ''المحدث الفاصل بین الراوی والواعی'' سے آغاز کیا یہ اصطلاحات حدیث کے باب میں اولین تصنیف ہے۔ اصطلاحات حدیث کے ذکر و بیان کو ہم نے علامۃ الشام سید جمال الدین قاسمی مرحوم کی شہرہ آفاق کتاب ''قواعد التحدیث'' پر ختم کیا۔

مباحث متعلقہ حدیث

جو باب ہم نے حدیث نبوی کے لغت و ادب اور قانون اسلامی میں مرتبہ و مقام سے متعلق باندھا ہے اس میں اس بات پر کھل کر گفتگو کی ہے کہ حدیث نبوی قانون اسلامی کو مکمل طور پر شامل ہے اور حلال و حرام کے بیان میں اپنی ایک جداگانہ مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ ہم نے خبر واحد سے اخذ و احتجاج اور اس کی شرائط پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔ ہم نے بتایا ہے کہ مسلمان اولین قوم تھے جنہوں نے باسناد روایات کو شرف قبول سے نوازا۔ ہم نے اس موضوع کو بھی چھیڑا ہے کہ محدثین کی اسانید سے علوم ادبیہ کس حد تک متاثر ہوئے۔ نیز ان لوگوں کی تردید پر بھی قلم اٹھایا ہے جو لغت و نحو میں حدیث نبوی سے احتجاج نہیں کرتے۔ ہم نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ کلام صحیح و فصیح کو نقل کرنے کے لئے محدثین کا مقرر کردہ معیار اہل لغت کے مقیاس و معیار سے بہتر ہے۔

آخری باب میں ہم نے طبقات رواۃ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ چنانچہ ہم نے ابن سعد اور طبقات کے انداز تصنیف پر خاص طور پر سے بحث کی اور صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی اصطلاحی تقسیمات پر روشنی ڈالی ہے ہم نے مشاہیر صحابہ و تابعین کے تراجم اس انداز میں رقم کر دیئے ہیں کہ جس سے اہم مصادر کی جانب رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

تدوین حدیث کے ضمن میں ہم نے خاصی طوالت سے کام لیا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عرب نوجوانوں کا مہذب طبقہ ان مستشرقین کے دام فریب میں مبتلا ہو گیا ہے جو تدوین حدیث کا انکار کرتے ہیں اور اس میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں ہم نے موضوع احادیث اور اسباب وضع کے بارے میں بھی کھل کر گفتگو کی اور ایسے قواعد کا

Marfat.com

استخراج کیا ہے جن پر ہمارے علمائے سلف صحیح وموضوع احادیث کے مابین فرق و امتیاز کے ضمن میں اعتماد کیا کرتے تھے۔

اصطلاحات حدیث

ان تمام مباحث کے دوران ہم اس بات کو ذہن نشین کرنے کے انتہائی آرزومند رہے کہ فن حدیث کی اصطلاحات ایک ایسے دقیق فلسفہ پر مبنی ہیں جس میں جوہر عرض سے، معنی لفظ سے، متن سند سے اور عقل وحس نقل وتقلید سے مقدم ہے۔ ظاہر ہے کہ علمی مباحث کے ضمن میں اس پیچیدہ مسئلہ کی توضیح ہمارے لئے چنداں آسان نہ تھی۔ اس لئے کہ قاری جب تک اس کے شواہد و امثلہ بذات خود مشاہدہ نہ کرے وہ اس سے کلیۃً آگاہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ خاتمہ کتاب میں ہم نے اس حقیقت کو بہت اچھی طرح واضح کر کے اس کی تکمیل کر دی۔ اس کے ساتھ ساتھ خاتمۃ الکتاب میں ہم نے کتاب ہذا میں وارد شدہ مواد سے محدثین کے نقد حدیث سے متعلق مقیاس و معیار کا خلاصہ پیش کیا۔ ہم نے دیگر کتب سے معیار نقد و جرح اخذ کرنے سے احتراز کیا ہے اس ساری کاوش کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاری کے سامنے اصل حقیقت واشگاف ہوگئی اور وہ طبعی نتیجہ کا انتظار کرنے لگا جو بے حد ناگزیر ہے اور جس کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں وہ حقیقت یہ ہے کہ اصطلاحات کے فلسفہ میں... خواہ وہ کسی زمانہ میں بھی ہوں...... اصطلاحات حدیث کا مرتبہ ومقام بے حد اعلیٰ وارفع ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کی افادیت

ہمارے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے جس میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ...... عربی قاری جو امت مسلمہ کے درمیان اجنبی بن کر نہیں رہنا چاہتا، اور جو مستعار تہذیب و ثقافت کا دل دادہ نہیں۔ اور جو دوسروں کے طرز فکر پر سوچنے کا بھی خوگر نہیں...... اصطلاحات حدیث سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد بخوشی خاطر علم حدیث کو بطریق روایت پڑھنا شروع کرے گا۔ چنانچہ وہ کتب صحاح کا مطالعہ کرے گا، اور ان سے اپنی

Marfat.com

لغوی وادبی ثقافت کے ذخیرہ میں اضافہ کرے گا۔ اس پر یہ حقیقت الم نشرح ہو جائے گی کہ کتب حدیث ایک آئینہ ہے جس میں عصر نبوت کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے، نیز یہ آئینہ نبی کریم ﷺ کی حیات مقدسہ اور اخلاق جلیلہ کی عکس نمائی کرتا اور واضح کرتا ہے کہ کس طرح آپ نے صحابہ کرام کو ایک ایسے مثالی معاشرہ کی تشکیل و تاسیس کی تلقین کی تھی جو حق و صداقت، بھلائی اور خوبصورتی پر مبنی ہو۔

اس میں شبہ نہیں کہ حدیث نبوی کے کچھ اور پہلو بھی ہیں جن کو اجاگر کرنے کی ضرورت تھی مگر ہم نے قصداً ان کو نظر انداز کر دیا اس لئے کہ وہ ہمارے موضوع بحث سے خارج تھے۔ بعض عنوانات پر ہم نے تنگی داماں کی وجہ سے تفصیلی گفتگو نہ کی۔ بعض جگہ مرکزی مباحث کی طرف اشارہ کر کے صرف مصادر و ماخذ کا پتہ بتا دیا تا کہ طالب اس راہ پر گامزن ہو سکے۔

جن مباحث سے ہم نے صرف نظر کیا ہے ان میں سے ''بلاغت نبویہ'' کا موضوع ہے۔ اس عنوان پر طویل بحثوں کی گنجائش ہے۔ اگر ہم اس کتاب میں بلاغت نبوی کے موضوع کو چھیڑ دیتے تو علوم الحدیث (سے متعلق مباحث) اس کی اہمیت کو برقرار نہ رہنے دیتے اور اس سے ہماری کتاب کی غرض و غایت بھی پوری نہ ہوتی۔

ہدیہ تشکر و امتنان

آخر میں میں ان تمام اصحاب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں میرا ہاتھ بٹایا۔ خصوصاً میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی کا بے حد ممنون ہوں۔ میری نگاہ میں تدوین حدیث کے باب میں ان کی ذات گرامی اولین رہنما ہے میں نے ان کی تالیف ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ محب مکرم ڈاکٹر یوسف العش کا شکریہ ادا کرنا بھی مجھ پر واجب ہے۔ ان کی کتاب ''تقیید العلم للخطیب'' سے مجھ پر تدوین حدیث کے باب میں نئی نئی راہیں کھلیں۔ علاوہ ازیں ان کے ذریعہ مجھے بہت سی کتب نادرہ اور مخطوطات سے استفادہ کی توفیق حاصل ہوئی۔ انہوں نے بعض کتابیں...... مثلاً الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع للخطیب...... ازراہ عنایت مجھے

Marfat.com

عاریۃً عطا کیں۔

اسی طرح میں مکرم دوست اور مشہور عالم و ادیب پروفیسر احمد عبید کا بھی ممنون احسان ہوں۔ جن کی بدولت مجھے بہت سی اہم کتب خصوصاً تراجم رجال پر مشتمل تصانیف تک رسائی حاصل ہوئی۔

میں بارگاہ ربانی میں دست بدعاء ہوں کہ وہ اس کتاب کو میرے لئے وجہ تقریب بنائے اور اسے حسن قبول سے نوازے۔ اور میری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرمائے۔ وَهُوَ وَلِيُّ التَّوْفِيْق۔

ڈاکٹر صبحی صالح
پروفیسر آف علوم اسلامیہ و فقہ اللغۃ
آرٹس کالج لبنان یونیورسٹی

Marfat.com

باب: ۱

تاریخ الحدیث

Marfat.com

فصل : ۱

حدیث وسنت

اور دیگر اصطلاحات

حدیث وسنت

اگر ہم محدثین بالعموم اور متاخر محدثین بالخصوص کی غالب رائے پر عمل کریں تو ہم حدیث وسنت کے الفاظ کو مترادف و مساوی پائیں گے۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور ان دونوں کا مفہوم کسی قول فعل تقریر یا صفت کو سرور کائنات ﷺ کی جانب منسوب کرنا ہے۔ البتہ اگر حدیث وسنت کے الفاظ کو ان کے اصول تاریخی کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ ان دونوں کے استعمال میں لغت واصطلاح کے پیش نظر کچھ دقیق سا فرق بھی پایا جاتا ہے۔

لفظ حدیث کی لغوی تحقیق

ابو البقاء[1] کے بیان کے مطابق حدیث کا لفظ تحدیث سے اسم ہے۔ تحدیث کے معنی ہیں خبر دینا۔ پھر اس قول فعل یا تقریر (وہ کام جو آنحضور ﷺ کی موجودگی میں کیا گیا ہو اور آپ نے اس سے منع نہ فرمایا ہو) کو حدیث کہنے لگے جو نبی اکرم ﷺ کی جانب منسوب ہو[2] ظہور اسلام سے پہلے بھی عرب حدیث کے لفظ کو اخبار (خبر دینا) کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔ مثلاً وہ اپنے مشہور ایام کو ''احادیث''[3] سے تعبیر کرتے تھے۔ غالباً

---

1. ابو البقاء کا نام ایوب بن موسیٰ الحسینی الکفوی ہے۔ آپ قاضی تھے اور حنفی مسلک سے وابستہ تھے۔ آپ نے ۱۰۹۳ھ میں وفات پائی آپ اس وقت بیت المقدس کے قاضی تھے۔ [ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۲۲۹ نیز ایضاح المکنون ج ۱ ص ۲۵۱]

2. کلیات ابی البقاء ص ۱۵۲۔ 3. فتوح البلدان للبلاذری ص ۳۹۔

Marfat.com

مشہور نحوی الفراء[۱] اس حقیقت سے آگاہ تھا۔ اسی لئے اس کے نزدیک حدیث کی جمع احدوثہ اور احدوثہ کی جمع احادیث ہے[۲] عربی محاورہ میں کہتے ہیں "صارا حدوثۃ"[۳] یا "صار حدیثا"[۴] یعنی فلاں چیز ضرب المثل بن گئی۔

مشہور شاعر ابو کلدہ نے ایک ہی شعر میں مثل اور احدوثہ کے الفاظ استعمال کر کے ان کے مترادف ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔

و لا تصبحوا احدوثة مثل قائل

به بضرب الامثال من يتمثل[۵]

"اس قائل کی طرح تم ضرب المثل نہ بن جاؤ کہ جو شخص مثال دینا چاہتا ہے تو اس کا نام پیش کر دیتا ہے۔"

لفظ "حدیث" کے مادہ کو جیسے بھی تبدیل کرتے چلے جائیں اس میں خبر دینے کا مفہوم ضرور موجود ہوگا۔[۶]

قرآن کریم میں فرمایا "فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ" [سورۃ الطور۔۳۴]

دوسری جگہ فرمایا "اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا" [سورۃ الزمر۔۲۳]

حدیث ضد قدیم

بعض علماء کے نزدیک لفظ حدیث میں جدت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس طرح

۱۔ الفراء کا نام یحییٰ بن زیاد دیلمی ہے۔ یہ کوفہ کے مشہور نحویوں اور ادیبوں میں سے تھے۔ الفراء نے معانی القرآن کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے۔

۲۔ ۲۰۷ھ میں وفات پائی [طبقات الزبیدی ص ۱۴۶]

۳۔ قواعد التحدیث ص ۳۵

۴۔ الاغانی ج ۲۱ ص ۱۵۰

۵۔ الاغانی ج ۱۴ ص ۴۷

۶۔ الاغانی ج ۱۰ ص ۱۲۰

Marfat.com

حدیث قدیم کی ضد ہے۔ وہ قدیم سے کتاب اللہ اور جدید سے حدیث رسول ﷺ مراد لیتے ہیں، شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں ''شرعی اصطلاح میں حدیث سے وہ (اقوال و اعمال) مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ کی جانب منسوب ہوں، گویا حدیث کا لفظ قرآن کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن قدیم ہے[1] (اور حدیث اس کے مقابلہ میں جدید ہے)''

مذکورہ بالا بیان اس حقیقت کی آئینہ داری کرتا ہے کہ بہت سے علماء کتاب اللہ کو حدیث اور کلام اللہ کے بجائے ''حدیث اللہ'' کہنے سے احتراز کرتے تھے، سنن ابن ماجہ میں ایک روایت موجود ہے جس سے اس انداز تعبیر کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا صرف دو ہی چیزیں (اہمیت کی حامل) ہیں ایک کلام اور دوسرا طریقہ۔ پس بہترین کلام تو کلام اللہ ہے اور بہترین راستہ وہ ہے جس پر محمد (ﷺ) گامزن رہے۔[2] چونکہ اکثر کتب حدیث میں ''ان احسن الحدیث کتاب اللہ'' کے الفاظ ہیں اور ابن ماجہ ''احسن الکلام'' کے الفاظ نقل کرنے میں متفرد ہیں اس لئے کچھ بعید نہیں کہ ورع و احتیاط کے پیش نظر انہوں نے یہ انداز تعبیر اختیار کیا ہو۔ تاہم اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے، کہ بعض علماء کتاب ربانی کو جو کہ قدیم ہے حدیث کہنے سے احتراز کرتے تھے۔

سالار انبیاء ﷺ نے بذات خود اپنے قول کو حدیث کا نام دیا۔ گویا آپ نے یہ نام رکھ کر اس کو ان دیگر امور سے ممتاز و ممیز کر دیا جن کی نسبت آپ کی طرف کی جاتی ہے۔ اس طرح آپ نے لفظ حدیث کی وہ اصطلاح پہلے ہی مقرر فرما دی جس پر محدثین نے آگے چل کر اتفاق کیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ روز قیامت آپ کی شفاعت کی سعادت کس کے حصہ میں آئے گی؟ آپ نے جواباً فرمایا ''مجھے معلوم تھا کہ ابوہریرہ سے پہلے کوئی شخص

1. التدریب ص ۴

2. سنن ابن ماجہ، حاشیہ محمد فواد عبد الباقی ج ۱ ص ۱۸ حدیث نمبر ۴۶

Marfat.com

مجھ سے اس حدیث کے بارے میں سوال نہیں کرے گا' کیونکہ وہ طلب حدیث کے بہت حریص ہیں"[1] (مذکورہ بالا روایت میں آنحضرت ﷺ نے اپنے قول کو حدیث سے تعبیر فرمایا)

حدیث وسنت کا فرق

لفظ سنت اپنی اصل کے پیش نظر لفظ حدیث کے مترادف و مساوی نہیں۔ اپنے اصل لغوی معنی کے اعتبار سے سنت کا اطلاق اس دینی طریقہ پر کیا جاتا تھا' جس پر نبی کریم ﷺ اپنی سیرت مطہرہ میں گامزن رہے۔ اس لئے کہ سنت کے لغوی معنی راستہ کے ہیں۔ لفظ حدیث عام ہے اور اس میں آنحضور ﷺ کے اقوال و اعمال سب داخل ہیں۔ بخلاف ازیں سنت کا لفظ آپ کے اعمال کے ساتھ مختص ہے' دونوں لفظوں کے مفہوم کے مابین اسی فرق و امتیاز کے پیش نظر محدثین کبھی یوں کہہ دیتے ہیں کہ:

هذا الحديث مخالف للقياس و السنة والاجماع

"یہ حدیث قیاس سنت اور اجماع کے خلاف ہے۔"

یا یوں کہتے ہیں:

امام في الحديث و امام في السنة و امام فيهما معا[2]

"فلاں شخص حدیث کا امام ہے فلاں سنت کا امام اور فلاں دونوں کا"۔

عجب تر بات یہ ہے کہ دونوں کا مفہوم بالکل جداگانہ نوعیت کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی حد یہ ہے کہ ابن الندیم نے ایک کتاب کا نام "کتاب السنن بشواہد الحدیث"[3] بتایا ہے۔ (اس نام سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث وسنت کا مفہوم باہم مختلف ہے)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق حدیث نمبر ۵۱

[2] مثلاً عبدالرحمٰن بن مہدی متوفی ۱۹۸ھ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری حدیث کے امام ہیں امام اوزاعی سنت کے امام اور مالک بن انس دونوں کے' حوالہ کے لئے دیکھئے زرقانی شرح موطا ج اص ۴

[3] الفہرست لابن الندیم ص ۲۳۰

Marfat.com

لفظ سنت کی لغوی تحقیق

سنت سے طریقہ اور راستہ کا مفہوم مراد لینا عربوں کے یہاں کوئی نئی بات نہیں بلکہ عرب ظہور اسلام سے پہلے بھی سنت کے اس مفہوم اور اسکی ضد بدعت[1] سے آگاہ و آشنا تھے۔

جب سنت کے لفظ کو اللہ کی طرف مضاف کر کے ''سنت اللہ'' کہا جاتا ہے تو وہ اس سے بھی سنت کا مفہوم سمجھ لیتے تھے۔ مثلاً قرآن میں فرمایا:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ | سورۃ الاحزاب۔۶۲ |

''یہ اللہ کا طریقہ ہے ان لوگوں کے بارے میں جو گزر چکے''۔

جب عربوں نے آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے **علیکم بسنتی** کے الفاظ سنے تو انہوں نے فوراً سمجھ لیا کہ اس سے نبی کریم ﷺ کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے اطوار و آداب مراد ہیں۔[2]

مدینہ منورہ ...... جیسا کہ آگے چل کر ہم بیان کریں گے...... دیگر بلاد عالم کی نسبت سنت نبوی کا سب سے زیادہ حریص تھا یہی وجہ ہے کہ اسے ''دارالسنۃ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اطراف مدینہ میں سنت کے مفہوم نے سیاسی و اجتماعی شکل و صورت کے بجائے دینی و اساسی رنگ و روپ اختیار کر لیا[3] چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:۔

''جس نے مدینہ میں کسی بدعت کو جنم دیا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو''[4]

اس حدیث میں اس بات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ جو شخص جماعت کے شیرازہ کو منتشر کر دے۔ امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے اور بدعت کو سنت کے مقابلہ

۱۔ کتاب الاغانی ج ۷ ص ۱۱۹ نیز ص ۱۱۴

۲۔ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۶ حدیث نمبر ۴۲

۳۔ دیکھیے اس کتاب کی ''فصل الرحلۃ فی طلب الحدیث''

۴۔ صحیح بخاری باب الاعتصام حدیث نمبر ۶

Marfat.com

میں ترجیح دے تو اللہ و رسول اس سے بیزار ہیں۔ یہاں حدث کے الفاظ کو بدعت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بایں طور حدیث و بدعت کے الفاظ باہم مترادف اور سنت کی نقیض ہیں۔

نظر بریں باپ بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے:

یا بنی ایاك والحدث

''اے بیٹے بدعت سے بچو''

اس کے جواب میں بیٹا اتباع سنت کا ثبوت ان الفاظ میں پیش کر سکتا ہے:

''میں نے اصحاب رسول میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ کوئی چیز انہیں بدعت سے زیادہ ناپسند ہو''[1]

اسی طرح جس شخص کو بے دین تصور کیا جاتا ہو وہ اس تہمت کی تردید میں کہہ سکتا ہے کہ ''میں نے کوئی بدعت نہیں نکالی اور نہ اطاعت سے انحراف کیا''[2]

بہت جلد مسلمانوں نے (حدیث و بدعت کی) محدود دنیا سے نکل کر اس سے ایک جامع اور وسیع مفہوم مراد لینا شروع کیا۔ مسلمان صرف مدینہ کے دار السنۃ ہی میں بدعات کی ترویج سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ یہ خطرہ انہیں ہر اس جگہ لاحق تھا جہاں بھی دعوت اسلام پہنچی۔ بہر کیف حدیث و بدعت میں چنداں فرق نہیں' جیسا کہ آنحضور ﷺ کے ارشاد سے واضح ہے' آپ نے فرمایا

((شر الامور محدثاتها))[3]

''بدترین امور بدعات ہیں۔''

''جس نے ہمارے اس امر (دین اسلام) میں کوئی نئی بات ایجاد کی تو وہ مردود ہے۔''[4]

---

[1] سنن الترمذی ج ۱ ص ۵۱

[2] الاغانی ج ۱۲ ص ۱۴۴

[3] سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۷ ا حدیث نمبر ۴۵

[4] سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۸۰ حدیث نمبر ۴۶۰۶

Marfat.com

حفاظت سنت

نبی کریم ﷺ کے مذکور صدر ارشادات کا یہ حتمی نتیجہ برآمد ہوا کہ بدعات کی ترویج واشاعت کا جو خطرہ پیدا ہوا تھا اسی حد تک حفاظت حدیث وسنت کی تحریص وتشویق پیدا ہوئی۔ اس میں ذرا بھر شبہ نہیں کہ جس مسلمان کا دل و دماغ آنحضور ﷺ کی ذات گرامی سے وابستہ ہو مگر وہ اپنے آپ کو اسوہ رسول کے سانچہ میں نہ ڈھالے[1] تو یاد رکھئے کہ نہ وہ صادق الایمان ہوسکتا ہے اور نہ مقرب بارگاہ ایزدی بن سکتا ہے۔[2]

جو شخص حدیث رسول سے وابستہ رہتا ہو وہ لازمی طور سے اتباع سنت کے جذبہ سے سرشار ہوگا۔ وہ کبھی اس بات کی جسارت نہیں کرے گا جو آپ نے نہ کی ہو۔ بلکہ کوئی کام انجام دینے سے قبل اس بات پر غور کرے گا کہ سنت نبوی سے کون سا فعل قریب تر ہے مثال کے طور پر کپڑوں کو سمیٹ کر رکھنا[3] (ٹخنوں سے نیچے نہ گرنے دینا) اور محدث کے یہاں حاضری دیتے وقت دروازہ کھٹکھٹانا[4] کثرت سے سلام کہنا مگر دھیمی آواز کے ساتھ[5] جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جانا[6] مجلس کے وسط میں بیٹھنے سے احتراز کرنا۔[7] دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھنا۔[8] اور اس قسم کی دیگر عادات جن کا ذکر کتب حدیث کے کتاب الادب میں کیا گیا ہے۔

عہد رسالت اور زمانہ وحی گزر جانے کے بعد علمائے سلف کے ساتھ مشابہت و

---

1. صحیح بخاری باب الاعتصام حدیث نمبر ۴
2. سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۶۸ حدیث نمبر ۲۲۵۰
3. الجامع لاخلاق الراوی ج ۲ ص ۲۲
4. الجامع ج ۲ ص ۲۴
5. الجامع ج ۲ ص ۲۶
6. الجامع ج ۲ ص ۲۸
7. الجامع ج ۲ ص ۱۸
8. الجامع ج ۲ ص ۲۹

Marfat.com

مماثلت بھی یک گونہ اتباع سنت ہی ہے۔ اسلاف صالحین کے ساتھ مشابہت و مماثلت رکھنے والوں کو سلفی کہا جاتا تھا[1] یہ لوگ احیاء سنت اور بدعات کے مٹانے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیا کرتے تھے۔[2]

مختلف میں سچے دین دار لوگ ان کو عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ البتہ وہ اہل بدعت اور غالی صوفیاء و ادباء کا ہدف ظلم و ستم رہا کرتے تھے مگر سلفی عوام کے یہ مظالم بخوشی خاطر برداشت کرتے رہتے تھے انکے لئے یہی اعزاز کافی تھا کہ انہوں نے احادیث نبویہ کو ضائع ہونے سے بچالیا۔

حدیث و سنت کی یگانگت

اگرچہ اکثر جگہ حدیث و سنت کے الفاظ کا اطلاق جداگانہ معنی و مفہوم پر کیا جاتا ہے مگر نقاد حدیث ہمیشہ ان کو مساوی و مترادف یا کم از کم قریب المعنی سمجھتے رہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے۔ اس لئے کہ عملی سنت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ آنحضور ﷺ کے طور طریقہ کا نام ہے جس کو آپ ایسے حکیمانہ اقوال اور احادیث سے موید فرمایا کرتے تھے پھر یہ کہ حدیث و سنت دونوں کا موضوع ایک ہے۔ دونوں کا مرکز و محور یکساں طور پر آنحضور ﷺ کے اقوال و اعمال ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کے اقوال آپ

---

[1] دیکھئے المشتبہ فی اسماء الرجال للذہبی شائع کردہ JONG ص ۲۶۹ راقم آثم (مترجم) عرض پرداز ہے کہ مصنف نے سلفی حضرات کے جو اوصاف بیان کئے ہیں ایسے لوگ خال خال عصر حاضر میں بھی موجود ہیں۔ گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل سلفی جن کا انتقال پر ملال آج ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء بوقت عصر اس وقت ہوا جب کہ احقر یہ سطور تحریر کر رہا ہے صحیح معنی میں نمونہ سلف تھے اور جن اوصاف کا مصنف نے ذکر کیا ہے بطریق اتم و اکمل ان کے حامل تھے غفرلہ وعفی عنہ [غلام احمد حریری مترجم]

[2] جس طرح مستشرقین کا عام انداز ہے کہ وہ جزئیات اور تفصیلات کو پوری طرح بیان کر دیتے ہیں مشہور مستشرق گولڈزیہر (GOLDZIHER) نے اس ضمن میں تفصیلی معلومات جمع کئے ہیں کہ کس طرح مسلمانوں نے مختلف تاریخی ادوار میں سنت نبوی کو زندہ رکھا۔ مستشرق مذکور نے اس سے جو نتیجہ نکالا ہے ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ احیاء سنت سے اس زمانہ میں مراد یہ ہوا کرتا تھا کہ سنت کی نشر و اشاعت کی کوشش کی جائے اور اسے افراد و اقوام کے ذہن میں اتارا جائے۔

Marfat.com

کے اعمال کی تائید کرتے تھے۔ اور آپ کے اعمال سے اقوال کو تائید و تقویت حاصل ہوتی تھی۔

جب مذکورہ صدر حقائق نقاد حدیث کے ذہن میں گردش کرنے لگے تو انہیں اس ناقابل تردید حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کرنا پڑا کہ اگر ہم حدیث و سنت دونوں کے اصلی مورد کو نظر انداز کر دیں تو (استعمال کے لحاظ سے) دونوں ایک ہیں۔ اور ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ ان حقائق کے پیش نظر اکثر محدثین نے ان کے مترادف ہونے کا فیصلہ صادر کیا ہے۔

خبر و اثر

حدیث کا مترادف ہونے کے اعتبار سے خبر کا لفظ سنت سے موزوں تر ہے تحدیث و اخبار بس ایک ہی چیز ہیں۔ حدیث نبوی وہ خبر ہی تو ہے جو نبی اکرم ﷺ تک پہنچی ہوئی ہو۔ صرف بات یہ ہوئی کہ مورخ کو اخباری کہنے سے بعض علماء نے یہ سمجھ لیا کہ عالم حدیث کو محدث اور تاریخ دان کو اخباری کہتے ہیں' اس لئے حدیث وہ ہے جو آنحضور ﷺ سے منقول ہو اور خبر وہ ہے جو کسی اور سے اخذ کی گئی ہو۔ اس طرح انہوں نے حدیث و خبر کے مابین عموم و خصوص کی منطقی نسبت قرار دی اور اس کے زیر اثر یہ فیصلہ صادر کیا کہ ہر حدیث خبر ہوتی ہے مگر ہر خبر حدیث نہیں ہوتی۔[1]

جو محدثین حدیث و خبر کو مترادف قرار دیتے ہیں انہوں نے دیکھا کہ دونوں لفظوں میں لغوی مفہوم مشترک ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ رواۃ حدیث نے صرف وہی حدیثیں روایت نہیں کیں جو مرفوع ہونے کی بناء پر آنحضور ﷺ تک پہنچتی ہیں بلکہ صحابہ کی موقوف روایات اور تابعینؒ کی مقطوعات بھی نقل کی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ راویان حدیث نے آنحضور ﷺ سے نقل کردہ روایات بھی نقل کیں اور دوسروں سے ماخوذ اقوال و آثار بھی ذکر کئے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ خبر کا اطلاق ان سب (مرفوعات موقوفات اور مقطوعات) پر یکساں طور سے کیا جاتا ہے۔ بنابریں حدیث کو

---

[1] تدریب الراوی ج ۱ ص ۴

Marfat.com

خبر اور خبر کو حدیث کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

محدثین نے اسی زاویہ نگاہ سے "اثر" کے لفظ کو بھی دیکھا ہے۔ بلا شبہ اثر کا لفظ خبر وسنت اور حدیث کا مترادف ہے۔ عربی محاورہ میں کہتے ہیں (میں نے حدیث کو روایت کیا) اثر کی جانب منسوب کر کے محدث کو اثری بھی کہتے ہیں [1]

اس لئے اثر کو اقوال صحابہ وتابعین کے ساتھ مخصوص کرنے کا سرے سے کوئی جواز ہی نہیں' اس لئے کہ موقوف اور مقطوع روایات اسی طرح نقل و روایت کی جاتی ہیں جیسے مرفوعات۔ فرق یہ ہے کہ موقوف روایت کو صحابی' مقطوع کو تابعی اور مرفوع کو نبی اکرم ﷺ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ خبر و اثر کے مابین فرق و امتیاز کے سلسلہ میں کچھ اور بھی اصطلاحات ہیں جن کو ہم قلم انداز کرتے ہیں۔ اور ان کے اصحاب سے جدل و نزاع کی راہ نہیں کھولنا چاہیے۔[2] ہم نے جمہور کی رائے پر عمل کرتے ہوئے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ یہ سب اصطلاحات مساوی ہیں اور ان سب کا مفہوم حدیث کی نقل و روایت ہے' اصول حدیث کے فن میں بھی بحث کا معیار و مدار ان دونوں (تحدیث و اخبار) ہی پر ہے۔

حدیث قدسی

سرور کائنات ﷺ بعض اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی نصیحت آموز باتیں سنایا کرتے تھے جو نہ تو وحی ہوتیں کہ انہیں قرآن کا نام دیا جا سکے اور نہ حضور ﷺ کے ذاتی اقوال جن کو صراحۃً آپ کی جانب منسوب کیا جا سکے اور ان کو حدیث نبوی کے نام سے یاد کر سکیں۔ آنحضور ﷺ ایسی باتیں ذکر کرتے ہوئے صراحۃً ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب فرماتے۔ اس سے آپ کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ

---

[1] تدریب الراوی ج ۱ ص ۴۲

[2] ان اصطلاحات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ محدثین مرفوع و موقوف روایات کو آثار (اثر کی جمع) کہتے ہیں نیز بخلاف ازیں خراسان کے فقہاء موقوف روایت کو اثر اور مرفوع کو خبر کہتے ہیں۔

[تدریب الراوی ج ۔۴۲]

Marfat.com

آپ ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے نقل کر رہے ہیں اور آپ کا انداز بیان قرآنی اسلوب سے جداگانہ نوعیت کا ہے۔

مگر بایں ہمہ اس کلام پر تقدس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور عالم الغیب کے نور کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ ایسے کلام کو ''احادیث قدسیہ'' یا ''احادیث الٰہیہ و ربانیہ'' کہا جاتا ہے۔

اس کی مثال صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ اس نے فرمایا:

''میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام ٹھہرایا اور تمہارے لئے بھی ظلم کو ممنوع قرار دیا اس لئے ظلم نہ کرو۔ میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر وہ شخص جسے میں ہدایت دوں۔ اس لئے مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دُوں گا۔ میرے بندو! تم سب بھوکے ہو اس شخص کے سوا۔ جس کو میں کھانا کھلا دوں۔ لہٰذا مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا عطا کروں گا۔ میرے بندو! تم سب برہنہ ہو سوا اس شخص کے جسے میں لباس پہناؤں لہٰذا مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔ میرے بندو! تم شب و روز گناہ کرتے ہو اور میں سب گناہ معاف کرتا ہوں' پس مجھ سے معافی مانگو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ میرے بندو! تم مجھے نقصان پہنچا سکتے اور نہ ہی نفع دے سکتے ہو۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے انسان اور جن تم میں سے متقی ترین شخص کی طرح بن جائیں تو میری سلطنت میں کچھ بھی اضافہ نہ کرسکیں گے۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے انسان اور جن تم میں سے بدترین آدمی کی طرح بن جائیں تو میری سلطنت میں سے کچھ بھی کم نہ کرسکیں گے۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے انسان اور جن ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کی مراد پوری کر دوں تو میرے خزانہ

Marfat.com

میں اتنی قسم کی کمی آئے گی جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے۔ میرے بندو! میں تمہارے اعمال کا حساب رکھتا ہوں اور پھر ان کی پوری پوری جزا دوں گا۔ جو (اپنے اعمال نامہ میں) بھلائی دیکھے تو خدا کا شکر ادا کرے۔ اگر کچھ اور پائے تو اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔" [ریاض الصالحین للنووی ص ۷۳]

اس حدیث کا آغاز نبی کریم ﷺ نے "فیما یرویه عن ربه" کے الفاظ سے کیا۔ حدیث قدسی کی روایت میں علمائے سلف نے مذکورہ صدر عبارت ہی کو ترجیح دی ہے، جہاں تک متاخرین کا تعلق ہے وہ احادیث قدسیہ کو "قال الله تعالىٰ فيما رواه عنه رسول الله ﷺ" کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ معنوی اعتبار سے دونوں عبارتوں کا حاصل ایک ہے فرق جو کچھ بھی ہے صرف اصطلاح مقرر کرنے کا ہے۔

احادیث قدسیہ کے یہ الفاظ کہ "یرویه عن ربه" ان علماء کی دلیل ہیں جو کہتے ہیں کہ حدیث قدسی کے الفاظ بھی خداوند تعالیٰ کے ہوتے ہیں۔ مگر بہت سے علماء یہ کہتے ہیں کہ حدیث قدسی کا معنی و مفہوم من جانب اللہ ہوتا ہے۔ نبی ﷺ اس کو اپنے الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں۔ ابوالبقاء کی یہی رائے ہے چنانچہ وہ صراحۃً فرماتے ہیں:

"قرآن وہ ہے جس کے الفاظ و معانی وحی جلی کی صورت میں خدا کی طرف سے نازل شدہ ہوں۔ باقی رہی حدیث قدسی تو اس کے الفاظ نبی کریم ﷺ کے ہوتے ہیں اور اس کا معنی و مفہوم خواب یا الہام کے ذریعہ نبی پر من جانب اللہ القاء کیا جاتا ہے۔" [کلیات ابی البقاء ص ۲۸۸]۔

Marfat.com

فصل: ۲

تدوین حدیث

ظہورِ اسلام سے پہلے عرب کتابت سے آشنا تھے

قبل از اسلام عربوں کے بارے میں ہم یہ مبالغہ آرائی نہیں کر سکتے کہ وہ سامان کتابت کے فقدان کی وجہ سے اپنے آثار و آداب کی حفاظت کے سلسلہ میں صرف اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے تھے اور فن کتابت سے بالکل بیگانہ تھے' اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ شمالی عرب کے لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ مکہ مکرمہ آنحضور ﷺ کی بعثت سے پہلے ایک مشہور تجارتی مرکز تھا اور اس میں لکھنے پڑھنے والے لوگ مدینہ کی نسبت زیادہ تھے۔ نظر بریں بعض روایات میں واردشدہ یہ قول بعید از قیاس ہے کہ مکہ میں اس وقت لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد دس سے کچھ ہی زیادہ تھی[1]

ایسی روایات اگر درست تسلیم بھی کر لی جائیں تو صحیح اعداد و شمار پر مبنی معلوم نہیں ہوتیں بلکہ ان میں صرف ظن و تخمین کی کارفرمائی نظر آتی ہے ظاہر ہے کہ محض قیاس آرائی کی اساس پر ایسے اہم مسئلہ کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

البتہ یہ درست ہے کہ ہمارے پاس ایسے عقلی و نقلی دلائل موجود نہیں جن کی بناء پر ہم یہ ثابت کر سکیں کہ اس دور میں لکھنے پڑھنے والے بہت بڑی تعداد میں موجود تھے ہمیں اس مبالغہ آمیزی کی ہرگز ضرورت نہیں کہ جزیرہ نمائے عرب اس وقت لکھنے پڑھنے والوں سے بھرپور تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم بنا بر جہالت ان مستشرقین کی اندھی تقلید

[1] مثال کے طور پر دیکھئے صحیفہ ہمام بن منبہ ص ۳۔ ڈاکٹر حمید اللہ بار بار اس روایت کو دہراتے ہیں۔ مورخین بھی بکثرت اس فقرہ کا اعادہ کرتے رہتے ہیں کہ ''عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔'' نیز دیکھئے طبقات ابن سعد ۲/۳ ص ۱۴۸

Marfat.com

میں یہ راگ الاپنے لگیں جو کہتے ہیں کہ قرآن میں عربوں کو جو ''امی'' [1] کہا گیا ہے وہ لکھنے پڑھنے کے منافی نہیں۔

مستشرقین کے نزدیک امی وہ ہے جو خداوندی شریعت سے بیگانہ ہو۔ بقول مستشرقین محمد ﷺ کو اس لئے امی [2] کہا جاتا ہے کہ آپ ان صنم پرست امی عربوں کے نبی تھے جو نہ کسی رسول کو تسلیم کرتے تھے اور نہ خدا کی نازل کردہ کسی کتاب کو بلکہ انہوں نے ازخود ایسی کتاب مرتب کر لی تھی۔ [3]

حقیقت یہ ہے آنحضرت ﷺ اور عربوں کو مستشرقین کے بتائے ہوئے مفہوم کے مطابق امی کہنے میں کوئی منطقی ربط نظر نہیں آتا' اصل لغت کے اعتبار سے اس کا کوئی جواز نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآنی سیاق بھی اس تفسیر کا متحمل نہیں آخر ایک لفظ سے دو متبائن و مختلف مفہوم کیونکر مراد لئے جا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ لفظ ''امی'' سے مراد یا تو وہ شخص ہوگا جو کتاب و قرأت نہ جانتا ہو۔ یا وہ جو خداوندی شریعت سے نابلد ہو۔ دونوں متضاد مفہوم اس سے مراد نہیں لئے جا سکتے۔

ان مفسرین نے کتنی بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے جو امی عربوں سے ''بے دین'' مراد لیتے ہیں۔ اور جب امی کا لفظ آنحضور ﷺ کی شان میں وارد ہوتا ہے تو اس سے ان پڑھ کا معنی و مفہوم سمجھتے ہیں۔ مگر مستشرقین اس سے کہیں زیادہ اور ڈبل غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو انہوں نے ایک ضعیف رائے پر اعتماد

---

[1] سورۃ الجمعہ آیت نمبر ۲۔

[2] سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۵۷

[3] تفسیر ابن جریر طبری میں ''امیین'' کی ایسی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ تفسیر انہوں نے سورہ بقرہ کی آیت و منهم اميون لا يعلمون الكتاب میں بیان کی ہے۔ مستشرقین نے اس تاویل سے یہ مفہوم سمجھا کہ نبی اکرم ﷺ لکھنا پڑھنا جانتے تھے نیز یہ کہ عربوں کو اور آپ کو امی کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کتابت وقرأت سے بے گانہ تھے مگر یہ امر موجب حیرت ہے کہ تفسیر طبری کے جس صفحہ پر ابن عباس کی یہ تفسیر منقول ہے۔ اسی جگہ مفسر ابن جریر طبری کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ یہ رائے بہت کمزور اور بودی ہے۔

Marfat.com

کرنے کی غلطی کی۔ پھر اسے دو حصوں میں بانٹ کر ایک کو مانا اور دوسرے کو نظر انداز کر دیا۔ جس رائے کا اظہار انہوں نے کیا وہ نہایت طفلانہ ہے۔

یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ عرب تو اس لئے امی کہلائے کہ وہ شریعت ربانی سے جاہل تھے۔ دوسری طرف آنحضور ﷺ کو اس لئے امی کہا گیا کہ وہ ان جہلاء کے نبی تھے۔ اور ان کو علم دین سکھلاتے تھے۔ اس سے بڑا تناقض اور کیا ہو سکتا ہے۔؟

مستشرقین کے ان دور از کار نظریات سے چھٹکارے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ نص قرآنی پر غور و فکر کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ آیت قرآنی میں سرے سے کسی تاویل کی گنجائش ہی نہیں۔ قرآن میں امی کا لفظ جہاں کہیں بھی وارد ہوا ہے اس سے ان پڑھ مراد ہے۔ خواہ یہ لفظ آنحضور ﷺ کی شان میں وارد ہوا ہو یا عربوں کے بارے میں۔ مفسرین قرآن نے اس لفظ سے یہی مفہوم مراد لیا۔ اور جمہور علماء آج تک اس سے یہ مطلب سمجھتے آئے ہیں۔[1]

اس لحاظ سے عربوں کو امی کہنے میں غلو و مبالغہ کا کوئی عنصر شامل نہیں۔ کیونکہ عربوں کی اکثریت اس وقت لکھنے پڑھنے سے نا آشنا تھی۔ البتہ یہ کہنا مبالغہ سے خالی نہیں کہ اکثر عرب لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ خداوندی شریعت سے بیگانہ ہونے کی بنا پر ان کو امی کہا گیا۔ ان پڑھ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اس لئے کہ کوئی شخص اس بے بنیاد اور بے کار رائے پر آج تک کوئی دلیل نہیں پیش کر سکا۔

عہد رسالت میں قلت کتابت کے اسباب

ظہور اسلام سے قبل عرب لکھنے پڑھنے سے کس حد تک بھی آگاہ ہوں اس میں شبہ نہیں کہ لکھنے والوں کی تعداد مدینہ کی نسبت مکہ میں زیادہ تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ غزوہ بدر میں مکہ کے جو قیدی گرفتار ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لکھنا پڑھنا

[1] تفسیر طبری ج ۱ ص ۲۸۶، ۲۹۷

Marfat.com

جانتا ہو وہ مدینہ کے دس بچوں کو کتابت و قراءت سکھا دے اس کے عوض اس کو رہا کر دیا جائے گا[1] ہمارے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ کاتبین وحی کی تعداد بارگاہ رسالت میں چالیس تک پہنچ گئی تھی[2] جن میں اکثر مکہ کے باشندے تھے انہی لوگوں نے قرآن کریم کا وہ حصہ تحریر کیا جو ہجرت سے قبل نازل ہوا تھا جب تک اسلام کو قوت و شوکت نصیب نہ ہوئی مسلمانوں کے قدم مدینہ میں جم نہ سکے۔

جب نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی کے سامنے صفہ کی بنیاد رکھی اور عبداللہ بن سعید بن عاص لوگوں کو کتابت سکھانے لگے تو مدینہ میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھ گئی۔[3] ظن غالب یہ ہے کہ عہد رسالت میں مدینہ کی نو مساجد کو اشاعت علم کے سلسلہ میں مدرسہ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔[4] ہمارے یقین میں اس بات سے اور بھی اضافہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ بچوں کو ایسے محلہ کی مسجد میں پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔[5]

نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال حکم دیا تھا کہ مردم شماری کی جائے۔ اور مدینہ کے مسلمان مردوں' عورتوں اور بچوں کو شمار کیا جائے۔ صحیح بخاری کی روایت "باب کتابۃ الامام للناس" اس ضمن میں واضح ہے کہ مردم شماری کا ریکارڈ رکھا گیا تھا۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"لوگوں میں سے اپنی زبان سے جو شخص اسلام کا اقرار کرتا ہے اس کا نام لکھ لو۔" تعمیل ارشاد میں ہم نے پندرہ سو آدمیوں کے نام لکھے۔[6]

جب ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ حفاظت حدیث کے سلسلہ میں سفینہ کے بجائے سینہ پر

---

1. الروض الانف للسہیلی شرح سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۹۲ نیز طبقات ابن سعد ۲/۱ ص ۱۴
2. دیکھئے ہماری کتاب مباحث فی علوم القرآن ص ۶۶
3. الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبدالبر ج ۲ ص ۳۶۶ بر حاشیہ اصابہ لابن حجر۔
4. انساب الاشراف مخطوطہ القاہرہ ج ۱ ص ۲۷۰ یہ حوالہ ڈاکٹر حمید اللہ نے دیا ہے۔ دیکھئے صحیفہ ہمام بن منبہ ص ۶ حاشیہ ۵۔
5. التراتیب الاداریہ للکتانی ج ۱ ص ۴۱
6. صحیفہ ہمام بن منبہ ص ۹ صحیح مسلم کتاب الایمان باب جواز الاستسرار بالایمان للخائف ج ۲ ص ۱۸۷ مع شرح نووی

Marfat.com

اعتماد کرتے تھے تو ہم پر واجب ہوا کہ ہم ان رسمی اسباب کے علاوہ کچھ اور علل واسباب تلاش کریں اور ان وجوہات پر قناعت نہ کریں جو اس موضوع پر بحث کرنے والے عام لوگ بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ عہد رسالت میں تدوین حدیث کی قلت کا سبب وسائل کتابت کا فقدان تھا۔ اس لئے کہ یہ وسائل اس حد تک نادر الوجود نہ تھے۔ ندرت اسباب ایک طرح کی اضافی قلت تھی جو قلت تدوین کے من جملہ اسباب میں سے ایک سبب تو قرار پا سکتی ہے مگر اس کو عدم تدوین کا سبب وحید نہیں کہا جا سکتا۔ آخر صحابہ کو کتابت قرآن کے سلسلہ میں بھی تو لاتعداد مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر حوادث و آلام کا یہ ہجوم ان کو اس بات سے روک نہ سکا کہ وہ قرآن کو درخت کے پتوں شاخوں شانہ کی ہڈیوں' پالانوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر رقم کریں۔[1]

اگر تدوین حدیث کے ضمن میں صحابہ کے جذبات میں وہی قوت و شدت ہوتی' جو قرآن کی جمع و تدوین کے سلسلہ میں تھی تو وہ لامحالہ ایسے وسائل پیدا کر لیتے اور ہر ممکن طریقہ سے اس کام کو انجام دیتے۔ مگر بات یہ ہے کہ انہوں نے از خود اور بنا بر ارشاد رسول تدوین حدیث کے سلسلہ میں جو طرز و انداز اختیار کیا۔ وہ قرآن کی جمع و تالیف سے یکسر جداگانہ نوعیت کا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم ذاتی طور پر قرآن سے اخذ و استفادہ میں لگے ہوئے تھے۔ اور اس کو سینوں اور سفینوں میں جمع کرتے جاتے تھے۔ ان کا سارا وقت قرآن کی خدمت و تلاوت میں بسر ہوتا تھا۔ قرآن ان کی رگ و پے پر چھایا رہتا تھا۔ حدیث نبوی کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ اس کا حصہ وعدہ ممکن نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ ہر حادثہ کے بارے میں کوئی رائے ضرور دیتے ہر سوال کا جواب دیتے۔ قرآنی آیات کی توضیح و تفسیر فرماتے ظاہر ہے کہ لکھنے والوں کے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوال و افعال اور تقریری احادیث کو قلم بند کر سکتے۔ اور اگر لکھنے والوں میں سے کوئی اس بات کے درپے ہوتا کہ آپ کے تمام ارشادات و اعمال کو محفوظ کرے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا

---

[1] دیکھئے ہماری کتاب مباحث فی علوم القرآن ص ۶۷

Marfat.com

سب کاتب اس امر کا التزام کر سکتے تھے کہ کوئی چیز ان سے رہ نہ جائے؟

عقل و قیاس سے جس بات کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض صحابہ ذاتی طور پر آنحضور ﷺ کے اکثر بلکہ تمام ملفوظات کو جمع کرنے کے حریص تھے جب قرآن کریم اور حدیث نبویؐ میں التباس کا خطرہ باقی نہ رہا تو آنحضور ﷺ نے بھی ان کے اس فعل کو سراہا اور اس سے منع نہ کیا۔ بعض صحابہ نے صرف چند احادیث لکھیں۔ دیگر صحابہ میں سے بعض اگرچہ لکھے پڑھے تھے مگر وہ قرآن حکیم میں اس حد تک منہمک رہتے تھے کہ کتابت حدیث کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ ایسے صحابہ براہ راست آنحضور ﷺ کے اقوال سنتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے اور لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ بعض صحابہ ان پڑھ تھے جو اپنی استطاعت کی حد تک قرآن و حدیث کو سینہ میں جگہ دیتے تھے۔ آغاز اسلام میں اکثر صحابہ اسی قسم سے تعلق رکھتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن حکیم کو صدور و سطور میں جمع کرنے کی جانب جو توجہ مبذول کی اور جس طرح وہ تمام چیزوں کو بھول کر صرف قرآن کے ہو رہے' یہ نبی کریم ﷺ کی حکیمانہ تربیت ہی کے زیر اثر تھا۔ صحابہ کرام امی ہوں یا زیور تعلیم سے آراستہ سب آپ کے تلامذہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ تربیت تدریجی اور اسلامی معاشرہ کے حوادث و احوال سے بالکل ہم آہنگ تھی۔ یہ تربیت جامد نہ تھی کہ ایک ہی شکل و صورت پر قانع رہتی۔ بلکہ اس میں اشخاص و ازمنہ کے احوال و مقامات کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔

اس کی واضح مثال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آغاز وحی میں حدیثیں قلم بند کرنے سے منع فرمایا' مبادا آپ کے اقوال تشریحات اور سیرت قرآن سے مل جل جائے اور فرق و امتیاز کا امکان باقی نہ رہے۔ خصوصاً جب کہ قرآنی آیات اور احادیث کو ایک ہی رسالہ یا ورقہ میں لکھا جائے۔ آپ فرماتے ہیں: [1]

"مجھ سے سن کر مت لکھو۔ جس نے قرآن کے سوا کوئی اور چیز لکھی ہو وہ مٹا

---

[1] مشہور محدث امام خطابی معالم السنن ج ۴ ص ۱۸۴ میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"آپ نے قرآن و حدیث کو یکجا لکھنے سے منع فرمایا تاکہ ان میں آمیزش ہو کر قاری پر ملتبس نہ ہو جائیں۔ البتہ نفس کتابت اور علم کو لکھ کر محفوظ کر لینا ہرگز ممنوع نہیں۔"

Marfat.com

دے۔ میری حدیثیں بے شک لوگوں تک پہنچاؤ۔ جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔"[۱]

جب قرآن کا اکثر حصہ نازل ہو گیا اور بہت سے صحابہ نے اسے حفظ کر لیا اور التباس کا خطرہ باقی نہ رہا تو آپ نے حدیث نویسی کی کھلم کھلا اجازت دے دی۔[۲]

---

۱ ملاحظہ ہو صحیح مسلم ج ۷ ص ۲۲۹ بروایت ابی سعید خدری۔ علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۷۰ اور تقیید العلم خطیب بغدادی ص ۲۹ تا ۳۲ میں متعدد احادیث بروایت ابی سعید الخدری نقل کی گئی ہیں اور وہ سب اس سے ملتی جلتی ہیں بعض محدثین نے اس روایت کو معلول اور حضرت ابو سعید الخدری کا قول قرار دیا ہے۔ مگر علامہ احمد شاکر کے نزدیک یہ بات درست نہیں وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں' الباعث الحثیث ص ۱۴۹ ہمارے خیال میں مذکورہ صدر حدیث کی تائید ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے سرور کائنات ﷺ سے حدیثیں لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔" [دیکھئے تقیید العلم للخطیب ص ۳۲ نیز الالماع قاضی عیاض مخطوطہ الظاہریہ ص ۲۷]

یہی وجہ ہے کہ ابو سعید خدری کتابت حدیث میں سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ قرآن و حدیث کہیں مخلوط نہ ہو جائیں۔ ابو نضرہ رضی اللہ عنہ نے جب ان سے کتابت حدیث کی اجازت مانگی تو آپ نے صراحتہً فرمایا:

"ہم احادیث کو لکھیں گے نہیں اور نہ ان کو قرآن بنائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ ہمیں احادیث سناتے اور ہم ان کو ازبر کر لیا کرتے تھے۔ تم بھی ہم سے سن کر اسی طرح یاد کر لیا کرو جس طرح ہم آنحضور ﷺ سے سن کر یاد کیا کرتے تھے۔" [ذم الکلام للہروی مخطوطہ الظاہریہ ص ۱۶۲]

مشہور یہی ہے کہ منع کتابت کی حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔ البتہ اسی قسم کی روایات دیگر صحابہ سے بھی منقول ہیں۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت (تقیید العلم ص ۳۳۔۳۴) نیز حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ روایت منقول ہے۔ دیکھئے مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۰ علاوہ ازیں حضرت زید بن ثابت نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

[جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۳]

۲ محدث رامہرمزی ابو سعید خدری کی مذکورہ صدر روایت کی شرح کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں: "حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کہ ہم کتابت حدیث کی اجازت کے متمنی تھے مگر آپ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا"

میرا خیال ہے کہ آپ نے آغاز ہجرت میں یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب قرآن و حدیث کے مل جل جانے کا خطرہ لاحق تھا۔ [المحدث الفاصل ج ۴ ص ۶]

Marfat.com

سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا "قلم بند کرکے علم کو محفوظ کرلو۔" ۱؎

آپ نے احادیث کی کتابت سے بطریق عموم منع فرمایا تھا۔ اس لئے کہ آپ کا روئے سخن عام صحابہ کی جانب تھا۔ صحابہ میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ ان میں ثقہ اور اوثق (زیادہ قابل اعتماد) صالح اور اصلح' ضابط اور اضبط' حافظ اور احفظ ہر طرح کے لوگ پائے جاتے تھے۔ آپ نے بیک وقت صحابہ کو حدیثیں لکھنے سے منع کیا اور بعض کو خصوصی طور

۱؎ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو جامع بیان العلم لابن عبدالبر ج ۱ ص ۷۲ وتقیید العلم ص ۶۹ نیز المحدث الفاصل للرامہرمزی مخطوطہ ظاہریہ ج ۴ ص ۲۔ البتہ سید رشید رضا نے مذکورہ صدر حدیث پر جرح کی ہے۔ [مجلہ المنار ج ۱ ص ۶۳ - ۷۶۶] ان کی رائے میں یہ حدیث بروایت عبدالحمید بن سلیمان خزاعی ضعیف ہے۔ امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو بروایت عبداللہ بن المومل ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی راوی کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ منکر روایتیں بیان کرتا ہے۔

[مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۲]

یہ امر پیش نظر رہے کہ سید رشید رضا کا نقد وجرح مذکورہ حدیث کی مندرجہ بالا دونوں سندوں سے متعلق ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حدیث جمیع طرق کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ مثلاً وہ متفرد سند جس میں اسماعیل بن یحییٰ از ابن ابی ذئب از عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا "علم کو قلم بند کرکے محفوظ کرلو۔" [تقیید العلم ص ۶۹]

ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ یہ حدیث صحابہ میں حد درجہ رائج و متداول تھی۔ اس کی حد یہ ہے کہ بعض محدثین نے اس کو متعدد صحابہ کے قول کی حیثیت سے بھی نقل کیا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ "یہ حدیث حقیقتہً مرفوع ہے مگر صحابہ کے درمیان زیادہ مشہور ہونے کی بنا پر بعض محدثین نے اس کو موقوف روایت خیال کیا۔ مثلاً امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تدریب الراوی ص ۱۵۰ میں لکھتے ہیں:

"محدث حاکم نے اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ٹھہرایا ہے۔"

بعض احادیث و آثار سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضور ﷺ نے عام طور سے کتابت حدیث کی اجازت دے دی تھی۔ مثلاً وہ حدیث جو محدث رامہرمزی نے المحدث الفاصل ج ۴ ص ۳' امام سیوطی نے تدریب الراوی ص ۱۵۰ میں حضرت رافع بن خدیج سے نقل کی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم آپ سے کئی باتیں سنتے ہیں کیا انہیں لکھ لیا کریں؟ آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ سید رشید رضا کی رائے میں یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ [المنار ج ۱ ص ۷۶۳]

Marfat.com

سے اس امر کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اس لئے کہ اگر لکھنے والے میں حفظ کے ساتھ ضبط و اہتمام کا وصف بھی موجود ہو تو لکھنے سے حفظ کو مزید تائید و تقویت حاصل ہوتی ہے۔[1]

اور اگر حافظہ کمزور ہو اور بھول جانے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں بھی تحریر سے ضبط کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔[2] خلاصہ یہ کہ بعض صحابہ کو کتابت حدیث کی خصوصی اجازت ایک طرح کی استثنائی صورت ہے جو آپ نے اہم اسباب اور مخصوص احوال و اشخاص کے پیش نظر اختیار فرمائی۔

---

[1] مثلاً سرور کائنات ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو کتابت حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کے نتیجہ میں انہوں نے ''الصحیفۃ الصادقۃ'' مرتب کیا چنانچہ ہم مناسب جگہ پر صحیفہ ہذا اور اس کے مرتب پر گفتگو کریں گے۔ محدث ابن قتیبہ اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث طبع مصر ۱۳۲۶ھ ص ۲۶۶ پر رقم طراز ہیں:

''ممکن ہے آنحضور ﷺ نے عبداللہ بن عمرو کو خصوصی طور پر اس لئے اجازت دی ہو کہ وہ کتب سابقہ پڑھ سکتے اور سریانی و عربی زبان میں لکھنا جانتے تھے بخلاف ازیں دیگر صحابہ میں سے صرف ایک دو لکھ پڑھ سکتے تھے اور اس میں بھی انہیں پوری مہارت حاصل نہ تھی۔ حروف تہجی بھی صحیح لکھنے پر قادر نہ تھے۔ چونکہ ان کی تحریروں میں غلطی کا احتمال تھا اس لئے ان کو منع کر دیا۔ اور حضرت عبداللہ کو اس لئے اجازت دے دی کہ یہاں اس قسم کا کوئی خدشہ لاحق نہ تھا۔''

[2] اس ضمن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ ایک انصاری دربار رسالت میں حاضر ہو کر ارشادات نبوی سنا کرتے مگر بھول جایا کرتے تھے بارگاہ رسالت میں یہ شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا ''اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لیا کرو'' (لکھ لیا کرو) ملاحظہ ہو۔ تقیید العلم ص ۶۷ نیز سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۱۱ طبع مصر ۱۲۹۲ھ و معالم السنن للخطابی ج ۴ ص ۱۸۴۔ مگر اس حدیث کی سند میں ایک راوی خلیل بن مرہ ہے جس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ''منکر الحدیث'' کہا ہے' خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تقیید العلم ص ۶۶ پر یہ حدیث ایسی سند سے روایت کی ہے جس میں خلیل بن مرہ نہیں ہے اسی طرح سیوطی نے تدریب ص ۱۵۰ میں یہ روایت بلا سند ذکر کی ہے اس لئے اس حدیث سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔

نظر بریں سابقہ نصوص اور تاریخی حقائق کے پیش نظر یہ نتیجہ نکالنا کچھ بعید نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات مقدسہ کے آخری سالوں میں کتابت حدیث کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ جیسا کہ ابو شاہ یمنی کی روایت میں مذکور ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو آنحضور ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ ←

Marfat.com

باقی رہی یہ بات کہ بعض محدثین نے کتاب حدیث کی اجازت پر مشتمل احادیث کو منع کتابت والی روایات کا ناسخ قرار دیا[1] اس کا مطلب بھی حکیمانہ تدریج کو ملحوظ رکھنا ہے جیسا کہ قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں۔ عوام الناس کو کتابت حدیث سے منع کر کے بعض صحابہ کو ان کے لکھنے کی خصوصی اجازت دینا قولِ بالنسخ کے خلاف نہیں اس لئے کہ عوام الناس کو کتابت سے روک کر بعض افراد کو ناسخ کے وارد ہونے سے قبل ہی حدیثیں لکھنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس لئے ناسخ کا اس تخصیص و استثناء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ہم مختلف آراء و افکار کے مابین اسی بنیاد پر تطابق و توافق پیدا کرتے ہیں۔ ان آراء میں جو تعارض نظر آتا ہے وہ سطحی الفکر ہونے کی دلیل ہے۔

ان ظاہر التخالف نصوص میں جو تضاد نظر آتا ہے اس میں جمع و تطبیق کچھ بھی مشکل نہیں مگر قابلِ غور بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا آخری فیصلہ کیا تھا؟ نیز یہ کہ امت مسلمہ آخر کس بات پر آ کر متفق ہو گئی؟ اور اس میں اختلاف کی گنجائش ہی باقی نہ رہی وہ فیصلہ یہ ہے کہ قرن اول کے بعد پوری امت کتابت احادیث کے جواز پر جمع ہو گئی تھی محدث ابن الصلاح فرماتے ہیں:

> ''پھر یہ اختلاف جاتا رہا اور پوری امت کتابت حدیث کے جواز پر یک زبان ہو گئی۔ اگر احادیث نبویہ کو کتب میں مدون نہ کیا جاتا تو پچھلے ادوار میں ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا۔'' [علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۷۱]

عہد رسالت میں تحریر شدہ صحیفے

بہرکیف یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ بعض صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حدیثیں لکھی تھیں بعض نے عام نہی کے باوجود آنحضرت ﷺ کی خصوصی اجازت سے

← جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو ابو شاہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ خطبہ لکھوا دیجئے آپ نے صحابہ کو حکم دیا ''ابو شاہ کو یہ خطبہ لکھ دو۔'' اس کی تفصیلات کے لئے درج ذیل کتب ملاحظہ فرمائیے۔ تقیید العلم للخطیب ص ۸۹ و فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۴ و سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۱۰ و علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۷۰ و جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۰ نیز المحدث الفاصل ج ۴ ص ۱۔

[1] تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۳۶۵ نیز الباعث الحثیث ص ۱۴۹۔

Marfat.com

احادیث رقم کیں۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔ البتہ یہ درست ہے کہ کتابت حدیث کا زیادہ کام آنحضور ﷺ کی زندگی کے آخری سالوں میں اس وقت ہوا جب آپ نے اس کی کھلی اجازت مرحمت فرمائی [۱]

عہد رسالت میں احادیث نبویہ پر مشتمل جو صحیفے لکھے گئے ہمارے پاس ان کا تاریخی ثبوت موجود ہے۔ البتہ ان کی اسانید صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ اور بعض کی اسانید تو بہت ہی قوی ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ آج وہ صحیفے ہمارے ہاتھوں میں موجود نہیں۔ تاہم ہمیں پورا یقین ہے کہ ایسے صحیفے عہد رسالت میں لکھے گئے تھے اور آپ کی وفات کے بعد کافی عرصہ تک لوگوں میں مقبول و متداول رہے۔

امام ترمذی [۲] سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک صحیفہ میں احادیث نبویہ جمع کی ہوئی تھیں۔ [۳] سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا فرزند اس صحیفہ سے حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔ [۴] امام بخاری [۵] روایت کرتے ہیں کہ یہ صحیفہ عبداللہ بن ابی

---

[۱] زندگی کے آخری سالوں میں کتابت حدیث کی جو اجازت آپ نے مرحمت فرمائی تھی اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے وفات سے قبل ایک ایسی تحریر لکھنا چاہی جس کی موجودگی میں مسلمان گمراہ نہ ہوسکیں۔ آپ ایسی تحریر لکھنے میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۸۰۶ و ۱۸۰۷ نیز فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۵۔ ۱۸۷

[۲] امام ترمذی کا نام و نسب محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی ہے۔ ان کی کتاب کو الجامع الکبیر بھی کہتے ہیں آپ نے علیٰ اختلاف الروایات ۲۷۵ھ یا ۲۷۹ھ میں وفات پائی ہم آگے چل کر ان کی کتاب پر بحث کریں گے۔

[۳] سنن ترمذی کتاب الاحکام باب الیمین مع الشاہد (صحیفہ ہمام بن منبہ ص ۱۶) پروفیسر عبدالصمد صارم اپنی کتاب تاریخ القرآن طبع دہلی ۱۳۵۹ھ ص ۱۷۳ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے مسند احمد میں سعد بن عبادہ کے صحیفے کا ذکر دیکھا ہے۔ [صحیفہ ہمام ص ۱۷] حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۵۷ نمبر ۸۸۳ پر لکھتے ہیں کہ سعد بن عبادہ دور جاہلیت کے کاتبوں میں سے تھے۔ آپ نے بمقام حوران ۱۵ھ میں وفات پائی۔

[۴] صحیفہ ہمام بن منبہ بحوالہ تدوین حدیث مولانا مناظر احسن گیلانی۔

[۵] ہم آگے چل کر امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمہ ذکر کریں گے۔

Marfat.com

اوفی کی کتاب سے منقول تھا۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی[1] اپنے ہاتھ سے حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ لوگ ان کی جمع کردہ احادیث ان سے پڑھا کرتے تھے[2] حضرت سمرہ بن جندب متوفی ۶۰ھ نے بھی ایک صحیفہ میں حدیثیں جمع کی تھیں۔ ان کے بعد یہ صحیفہ ان کے بیٹے سلیمان کو ملا اور اس سے وہ روایتیں بیان کرتے تھے[3] غالباً یہ وہی صحیفہ ہے جو سمرہ نے بصورت مکتوب اپنے بیٹوں کو روانہ کیا۔ اسی کے بارے میں ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ[4] فرماتے ہیں۔

"سمرہ نے جو مکتوب اپنے بیٹوں کے نام روانہ کیا اس میں بہت سا علم موجود ہے۔"[5]

حضرت جابر بن عبداللہ متوفی ۷۸ھ نے بھی ایک صحیفہ رقم کیا تھا۔

[طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۴ نیز تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۰]

---

1. دیکھئے صحیح بخاری کتاب الجہاد باب الصبر علی القتال [السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث ص۔ ۹ از محمد زبیر صدیقی]
2. جیسا کہ صحیح بخاری میں متعدد جگہ وارد ہوا ہے۔ اگلی روایت سے بھی اس کی توضیح ہوتی ہے وہ روایت یہ ہے کہ موسیٰ بن عقبہ صاحب المغازی ابوالنضر سالم مولیٰ عمر بن عبید اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ سالم عمر بن عبید اللہ کے کاتب تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی اوفی نے ایک خط لکھا جو میں نے عمر بن عبید اللہ کو پڑھ کر سنایا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ عمر بن عبید اللہ جب خوارج کی جانب گئے تو عبداللہ بن ابی اوفی نے انہیں لکھا اور میں نے پڑھ کر سنایا کہ نبی کریم ﷺ ایک لڑائی میں منتظر رہے یہاں تک کہ آفتاب ڈھل گیا پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اس میں فرمایا "اے لوگو! دشمن سے لڑنے کی آرزو مت کیا کرو اور خدا سے امن و عافیت مانگو۔ جب دشمن سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو صبر سے کام لو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔ پھر فرمایا اے قرآن کریم کے نازل کرنے والے خدا۔ اے بادلوں کے چلانے والے اور لشکر اعداء کو بھگا دینے والے دشمن کو شکست دے اور ہمیں فتح یاب کر" [صحیح بخاری باب لاتمنو القاء العدو باب الصبر علی القتال]
3. تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۹۸
4. محمد بن سیرین بصری کی کنیت ابوبکر ہے۔ یہ بصرہ کے یگانہ روزگار عالم تھے۔ ۱۱۰ھ میں وفات پائی [تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۱۴]
5. ملاحظہ فرمایئے تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۳۶ نمبر ۴۰۲۔ محمد بن سیرین کے بارے میں مشہور ←

Marfat.com

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیفہ مناسک حج سے متعلق تھا۔ [صحیفہ ہمام ص ۱۴]
ممکن ہے کہ حضرت جابر کے صحیفہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کا بھی ذکر ہو جس میں آپ نے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس احتمال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ مشہور تابعی قتادہ ابن دعامہ متوفی ۱۱۸ھ اس صحیفہ کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے:

''جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ تو مجھے سورہ بقرہ سے بھی زیادہ ازبر ہے۔''

[التاریخ الکبیر امام بخاری ج ۴ ص ۱۸۲ طبع ہند]

کچھ بعید نہیں کہ حضرت جابر کے شاگرد سلیمان بن قیس الیشکری[۱] نے جو حدیثیں روایت کی ہیں وہ اسی صحیفہ سے ماخوذ ہوں[۲] مناسب ہے کہ ہم وہب بن منبہ متوفی ۱۱۴ھ کی اس روایت کو بھی قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھیں کہ حضرت جابر جب حلقہ باندھ کر مسجد نبوی میں اپنے تلامذہ کو حدیثیں لکھوایا کرتے تھے تو وہب وہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔[۳]

← ہے کہ وہ کتابت علم کو ناپسند فرماتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل ان کتابوں کی وجہ سے گمراہ ہوئے جو ان کو ورثہ میں ملیں۔ (تقیید العلم ص ۶۱) ابن سیرین نے ایک دن عبیدہ سے کہا ''میں جو بات آپ سے سنتا ہوں کیا لکھ لیا کروں؟'' عبید نے کہا ''نہیں'' ابن سیرین نے پھر کہا ''کیا کتاب سے دیکھ لیا کروں؟'' انہوں نے کہا ''نہیں'' [تقیید العلم ص ۴۵ نیز سنن دارمی ج ۱ ص ۱۲۱] نیز کراہت کتابت کے ضمن میں دیکھئے [علل الحدیث لابن حنبل ص ۶۔ مخطوطہ ظاہریہ مجموعہ نمبر ۴۰ نیز المحدث الفاصل ج ۴ ص ۵ وطبقات ابن سعد ص ۱۴۱]
ابن سیرین کی رائے تھی کہ جب کوئی شخص حدیث سنے تو بے شک اسے لکھ لے۔ مگر حفظ کرنے کے بعد اسے مٹا دے۔ جیسا کہ یحییٰ بن عتیق نے تقیید العلم ص ۶۰ پر ان سے روایت کیا ہے۔ نیز حماد بن زید نے محدث الفاصل ج ۴ ص ۵ میں بھی ان سے یہی روایت نقل کی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ پہلے کتابوں سے لکھا اور پڑھا کرتے ہوں۔ اسی لئے انہوں نے حضرت سمرہ کے خط کے بارے میں کہا کہ اس میں بہت علم موجود ہے۔

۱۔ اس میں شبہ نہیں کہ سلیمان الیشکری حدیثیں لکھا کرتے تھے جب ابو البشر نے سفیان سے کہا کہ آپ سلیمان الیشکری کی طرح حدیثیں کیوں نہیں بیان کرتے؟ تو سفیان نے کہا کہ سلیمان حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھا کرتا تھا۔ [تقیید العلم ص ۱۰۸]

۲۔ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۱۵ نمبر ۳۶۹

۳۔ تہذیب التہذیب ترجمہ وہب بن منبہ نیز صحیفہ ہمام بن منبہ ص ۱۴

Marfat.com

عین ممکن ہے کہ یہ حدیثیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے صحیفے سے منقول ہوں اس سے کم از کم یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ صحیفہ لوگوں میں عام طور سے مشہور تھا۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بعض تلامذہ نے یہ صحیفہ نقل کر لیا ہو۔[1] اگرچہ ہمارے سامنے اس کا واضح ثبوت موجود نہیں۔

جو صحیفے عصر نبوت میں لکھے گئے "صحیفہ صادقہ" ان میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص متوفی ۶۵ھ نے مرتب کیا تھا۔ بقول ابن الاثیر اس میں ایک ہزار احادیث تھیں۔[2] اگرچہ یہ صحیفہ اصالۃً ہم تک نہیں پہنچا مگر مسند احمد میں یہ جوں کا توں محفوظ کر لیا گیا ہے۔[3]

---

[1] محمد بن حنفیہ متوفی ۸۰ھ جو کہ کبار تابعین میں سے ہیں حضرت جابر کے شاگرد تھے۔ اسی طرح محمد بن علی ابو جعفر الباقر متوفی ۱۱۴ھ اور عبداللہ بن محمد بن عقیل بھی آپ کے شاگرد تھے۔ یہ تینوں اکابر حضرت جابر کی خدمت میں حاضر ہو کر احادیث نبویہ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں دریافت کیا کرتے اور لکھا کرتے تھے۔ [تقیید العلم ص ۱۰۴ و طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۴ نیز المحدث الفاصل ج ۴ ص ۳] اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بزرگ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا کرتے تھے تو کیا انہوں نے ان کے صحیفہ یا دیگر احادیث کے لکھنے کی جانب توجہ مبذول نہ کی ہوگی؟

[2] حضرت عبداللہ بن عمرو نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے بذات خود یہ صحیفہ رقم کیا تھا فرماتے ہیں "صادقہ ایک صحیفہ ہے جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سن کر لکھا۔" [تقیید العلم ص ۸۴] عبداللہ بن عمرو اس صحیفہ کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے "دو چیزوں کی وجہ سے مجھے زندگی عزیز ہے ایک تو صحیفہ صادقہ کی وجہ سے اور دوسرے "الواہطہ" نامی اراضی کی بناء پر جو مجھے میرے والد نے عطا کی۔" [جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۳ و تقیید العلم ص ۸۴۔۸۵ نیز المحدث الفاصل ج ۴ ص ۲ و سنن دارمی ج ۱ ص ۱۲۷۔]

* اگرچہ سید رشید رضا نے مجلہ المنار ج ۱ ص ۷۶۶ میں اس حدیث کو اس لئے ضعیف قرار دیا ہے کہ اس میں لیث نامی راوی ضعیف ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تمام روایات ضعیف ہیں جن سے اس صحیفہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ بات متعدد معتبر روایات سے ثابت ہو چکی ہے۔

[3] دیکھئے اسد الغابہ لابن الاثیر ترجمہ عبداللہ بن عمرو بن العاص ج ۳ ص ۲۳۳

Marfat.com

اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ہمارے پاس یہ معتبر ترین تاریخی دستاویز ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں حدیثیں رقم کی جاتی تھیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس صحیفہ میں وہ فتاویٰ موجود ہیں جو حضرت عبداللہ کے سوالات کے جواب میں آنحضور ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ تو اس صحیفہ پر ہمارا اعتماد و اطمینان اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کیا میں جو کچھ آپ سے سنوں وہ لکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا "ہاں" انہوں نے عرض کی "آپ راضی ہوں یا غصہ میں" آپ نے فرمایا "ہاں! اس لئے کہ میں ہر حال میں حق بات کہتا ہوں۔"[۱] ہمارا خیال ہے[۲] کہ نبی کریم ﷺ کے اس واضح ارشاد کے بعد حضرت عبداللہ نے حدیثیں لکھنا شروع کیا ہوگا۔

اور صحیفہ صادقہ آنحضور ﷺ کے فتویٰ ہی کا ثمرہ تھا۔ حضرت عبداللہ کے صحیفہ صادقہ اور دیگر صحف لکھنے کی سب سے بڑی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کا یہ قول ہے:

"صحابہ میں مجھ سے زیادہ کثیر الروایات اور کوئی نہ تھا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا معاملہ جداگانہ نوعیت کا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا"[۳]

۱۔ ملاحظہ فرمایئے جامع بیان العلم لابن عبدالبر ج ۱ ص ۷۱ نیز مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۷ و تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۳۶۵ و مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۰۵ و السماع ص ۲۶ و المحدث الفاصل ج ۴ ص ۲

۲۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو آنحضور ﷺ سے جو کچھ سنتے لکھ لیا کرتے تھے قریش نے منع کیا کہ حضور ﷺ انسان ہیں کبھی خوش ہوتے ہیں کبھی ناخوش۔ اس لئے ہر بات لکھنا مناسب نہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے لکھنا بند کر دیا اور آپ کی خدمت میں یہ ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو مجھے اس ذات کی قسم جس کے تصرف میں میری جان ہے اس منہ سے ہمیشہ حق ہی نکلتا ہے۔"

۳۔ دیکھئے تقیید العلم ص ۸۲ و جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۰ و مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۸ والاصابہ ج ۴ ص ۱۱۲ و فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۴ حافظ ابن حجر اس صفحہ میں اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ اہل کتاب کی ←

Marfat.com

ظن غالب یہ ہے کہ عمرو بن شعیب متوفی ۱۲۰ھ جو عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے اس صحیفہ سے دیکھ کر یا زبانی یاد کر کے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔[1] جلیل القدر تابعی مجاہد متوفی ۱۰۳ھ نے یہ صحیفہ عبداللہ بن عمرو کے پاس دیکھا تھا۔[2]

← مخصوص کتب سے آشنا تھے۔ یہ درست ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق ضعف و علت سے خالی نہیں ہیں۔ چنانچہ علل الحدیث ابن حنبل ص ۶ کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیل بن علیہ بصری متوفی ۲۰۰ھ کو جب یہ حدیث بروایت محمد بن شعیب سنائی گئی تو انہوں نے کہا ''میں جھوٹ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں'' البتہ سیاق عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن علیہ عمرو بن شعیب کو جھوٹ سے متہم نہیں کرتے تھے بلکہ کتابت حدیث کو ناپسند کرنے کی وجہ سے انہوں نے یہ الفاظ فرمائے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''اسماعیل بن علیہ عمرو بن شعیب سے روایت کرنے میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔ بات صرف یہ تھی کہ محمد بن سیرین' ایوب اور ابن عون حدیثیں لکھنے کو ناپسند کرتے تھے۔'' ہمارے لئے یہی بات کافی ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری باب العلم میں مذکور ہے۔

1. دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۔ ۴۸' ۵۵ نمبر ۸۰ نیز صحیفہ ہمام بن منبہ ص ۲۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب صحیفہ عمرو بن شعیب کہا جاتا ہے تو اس سے حضرت عبداللہ بن عمرو ہی کا صحیفہ مراد ہوتا ہے جس کو ان سے ان کے پوتے عمرو ابن شعیب روایت کرتے ہیں۔

2. ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۵۴ نیز الحدث الفاصل ج ۴ ص ۲ و طبقات ابن سعد ۲/۲ ص ۱۲۵ حضرت عبداللہ کو یہ صحیفہ اس قدر عزیز تھا کہ کسی کو نہیں دیتے تھے مجاہد کے اس صحیفہ کو دیکھنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضرت عبداللہ نے ان کو اس صحیفہ سے حدیثیں سنائیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ میں عبداللہ کے یہاں گیا اور ان کے بستر کے نیچے سے ایک صحیفہ نکالا۔ انہوں نے مجھے روک دیا میں نے کہا آپ مجھ کو کسی چیز سے روکا نہیں کرتے تھے۔ یہ کیا بات ہے؟ عبداللہ نے کہا یہ ''صحیفہ صادقہ'' ہے اس میں وہ احادیث مندرج ہیں جو میں نے بلاواسطہ آپ سے سنیں [تقیید العلم ص ۸۴]
جو صحیفہ حضرت عبداللہ نے ابوراشد حبرانی کو دیا تھا اور جس میں صبح و شام پڑھنے کی دعائیں مذکور تھیں ظن غالب یہ ہے کہ وہ ان صحیفوں میں سے ایک تھا' جو حضرت عبداللہ عام لوگوں کو دے دیا کرتے تھے۔ وہ صحیفہ صادقہ یا اس کا حصہ ہرگز نہ تھا۔ [تقیید العلم ص ۸۵]
ہم یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو حدیثیں کس طرح لکھواتے تھے؟ آیا اپنے حافظہ سے لکھواتے تھے یا صحیفہ صادقہ یا کسی اور صحیفہ میں سے دیکھ کر املاء کراتے تھے؟ قطعی طور پر اس ضمن میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اس میں شبہ نہیں کہ آپ حدیثیں ضرور لکھواتے تھے

[خطط المقریزی ج ۲۔ ص ۳۳۲ مطبع بولاق ۱۲۷۰ھ]

Marfat.com

عصر صحابہ میں ایک نہایت ہی اہم صحیفہ لوگوں میں شائع ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس ہجرت کے پہلے سال اس کے لکھنے کا حکم دیا تھا۔ یہ صحیفہ اسلام کی نوزائیدہ مملکت کے لئے ایک دستور کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ صحیفہ آنحضور ﷺ کی ماس تحریر پر مشتمل تھا جس میں مہاجرین و انصار یہودیوں اور عربوں کے حقوق و فرائض مرقوم تھے۔ اس کے شروع میں کتابت کا لفظ صراحۃً موجود ہے۔ تحریر کا مضمون اس طرح شروع ہوتا ہے۔

''یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے جو قریش کے مومنوں مسلمانوں اہل مدینہ اور ان کے تابعین و لواحقین اور مجاہدین کے درمیان لکھی گئی ہے۔ یہ باقی لوگوں سے الگ ایک امت ہیں۔''[1]

مذکورہ صحیفہ میں ''اهل هذه الصحيفة'' کے الفاظ پانچ مرتبہ دہرائے گئے ہیں۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ ایک تحریر تھی یہ صحیفہ صحابہ میں اس قدر شہرت پذیر ہو چکا تھا کہ اس کے تواتر اور اس میں بیان کردہ احکام و کلیات کی کثرت کی بناء پر اس کو قرآن کریم کا ہم پلہ خیال کیا جاتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کے پاس کوئی مخصوص کتاب موجود ہے؟ انہوں نے فرمایا ''نہیں البتہ ہمارے پاس صرف قرآن کریم ہے یا فہم و بصیرت جو اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو عطا کر دے اور یا یہ صحیفہ ہے۔'' جب آپ سے پوچھا گیا کہ اس صحیفہ میں کیا لکھا ہے؟ فرمایا اس میں دیت ادا کرنے اور قیدیوں کو رہا کرنے کے احکام مذکور ہیں' اور یہ بھی تحریر ہے کہ مسلم کو کافر کے عوض قتل نہیں کیا جا سکتا۔[2] مذکورہ بالا مسائل و احکام صحیفہ میں مندرجہ امور کا ایک اہم جزو تھے۔[3] صحیفہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مراد وہی صحیفہ تھا جس کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ متوفی ۶۹ھ نے بڑے اہتمام سے آنحضور ﷺ کی حدیث و سیرت سے متعلق بہت سا مواد تختیوں پر تحریر کیا تھا جب آپ کسی علمی مجلس

---

[1] یہ ابو عبید اور ابن ہشام کی روایت ہے' دیکھئے الوثائق السیاسیہ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ نمبر ا۔

[2] فتح الباری ج ا۔ ص ۱۸۲ باب کتابۃ العلم و باب فکاک الاسیر۔

[3] کیونکہ اس صحیفہ میں مندرجہ اکثر احکام دیت و پاداش سے متعلق تھے۔ [الوثائق السیاسیہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نمبر ا]

Marfat.com

میں جاتے تو یہ تختیاں بھی ہمراہ لے جاتے۔[۱] نقل متواتر سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وفات کے وقت آپ نے اونٹ کے ایک بار کے بقدر کتابیں چھوڑی تھیں۔[۲]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۵ھ ان سے حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ املاء کراتے جاتے اور وہ لکھتے جاتے تھے۔ جب کاغذ ختم ہو جاتا تو اپنے کپڑوں جوتوں اور بعض اوقات اپنی ہتھیلی پر لکھ لیتے۔ جب گھر پہنچتے تو اپنے صحیفہ میں درج کر لیتے۔[۳] اس میں شبہ نہیں کہ صحف ابن عباس رضی اللہ عنہ عرصہ دراز تک لوگوں میں مشہور رہے۔

ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے علی کے ورثہ میں آئے۔[۴] لوگوں نے ان صحیفوں سے اس حد تک استفادہ کیا کہ کتب حدیث و تفسیر حضرت ابن عباس کی مرویات سے بھر گئیں۔ مگر بایں ہمہ ہم یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ صحیفے کب اور کیونکر تلف ہوئے۔[۵]

صحیفہ ابی ہریرہ برائے ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ

اسی طرح وہ بہت سے صحیفے بھی تلف ہو گئے جنہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۸ھ[۶]

۱۔ طبقات ابن سعد ۲/۲۔ ص ۱۲۳ نیز السیر الحثیث زبیر احمد صدیقی ص ۹ بحوالہ کتاب العلل للترمذی۔

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۶ و تقیید العلم ص ۱۳۶ و شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۱۴

۳۔ سنن دارمی ج ۱ ص ۱۲۸ نیز ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۹

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۵۔ ص ۲۱۶ علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جب شرعی احکام پر مشتمل کوئی تحریر لکھنا چاہتے تو کریب کو پیغام بھجواتے کہ فلاں صحیفہ مجھے بھیج دو۔ چنانچہ جب وہ صحیفہ پہنچتا تو آپ اس میں سے مطلوبہ احکام نقل کر کے صحیفہ واپس بھیج دیتے۔ [تقیید العلم ص ۱۳۶]

۵۔ یہ امر باعث افسوس ہے کہ بعض صحابہ ورع و تقویٰ کے پیش نظر مکتوبہ احادیث کو اس نقطہ نظر کی بنا پر تلف کر دیتے تھے کہ مبادا ان سے غلطی سرزد ہوئی ہو۔ اور وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح الفاظ قلم بند نہ کر سکے ہوں۔ چنانچہ طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۵ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تقریباً پانچ صد احادیث ایک کتاب میں جمع کی تھیں۔ پھر اس خدشہ کی بنا پر ان کو تلف کر دیا کہ مبادا انہوں نے کوئی ایسی چیز لکھ دی ہو جو انہیں اچھی طرح یاد نہ ہو۔

۶۔ دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۲۶۵ نمبر ۱۲۱۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بہت سے صحیفے مرتب ←

Marfat.com

جیسے جلیل القدر صحابہ نے مرتب کیا تھا۔ البتہ ایک صحیفہ بچ گیا جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے عزیز شاگرد ہمام بن مُنَبِّہ رحمۃ اللہ علیہ[1] متوفی ۱۰۱ھ نے روایت کیا۔ پھر اس کو ہمام کی جانب منسوب کر، صحیفہ ہمام کہنے لگے۔ حالانکہ یہ صحیفہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمام کے لئے ترتیب دیا تھا۔ ہم اس صحیفہ کو احادیث کے ان مجموعوں میں شمار نہیں کر سکتے جو عہد رسالت میں لکھے گئے تھے۔ اس لئے کہ ہمام ۴۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی۔ نظر بریں یہ صحیفہ انہوں نے پہلی صدی ہجری کے وسط میں مرتب کیا ہوگا۔ اندریں اثناء ہمام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیثیں سنا کرتے ہوں گے۔ یہ بحث و تمحیص سے بالا ایک علمی نتیجہ ہے جس سے یہ بات نکھر جاتی ہے کہ تدوین حدیث کا آغاز بہت ابتدائی زمانہ میں ہو گیا تھا۔ نیز اس سے اس غلطی کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے کہ تدوین حدیث کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ہوا۔

یہ صحیفہ تدوین حدیث کے سلسلہ میں اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ یہ بتمام و کمال اسی طرح ہم تک پہنچ گیا ہے جس طرح ہمام نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور پھر اس کو مرتب و مدون کیا تھا۔ نظر بریں یہ صحیفہ اس قابل ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے ''صحیفہ صادقہ'' کی طرح اسے ''صحیفہ صحیحہ''[2] کے نام سے یاد کیا جائے۔ اس صحیفہ کا کھوج محقق شہیر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے نکالا۔ ان کو دو مخطوطے دستیاب ہوئے جن

← تھے ابن وہب نے وہ صحیفے بچشم خود ملاحظہ کئے تھے [فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۴] عمرو بن امیہ الضمری کا نام بھی ان صحیفوں کے دیکھنے والوں میں شامل ہے۔ [جامع بیان العلم ج ۱۔ ص ۴۷]

1. جرمنی مستشرق بروکلمان کا خیال ہے کہ یہ صحیفہ ہمام بن مندہ متوفی ۱۵۱ھ نے ترتیب دیا تھا۔ وہ اگلی اشاعت اور کتاب کے ضمیمہ میں بھی اس کی تصحیح نہ کر سکے اور یہ غلطی جوں کی توں رہی۔

2. ہم نے یہ سال وفات طبقات ابن سعد ج ۵۔ ص ۳۹۶ کی روایت کے مطابق تحریر کیا ہے۔ ان لئے کہ طبقات ابن سعد ایک قدیم ترین مآخذ ہے۔ حافظ ابن حجر اور نووی رحمہم اللہ کے قول کے مطابق ہمام ۱۳۱ھ میں فوت ہوئے۔

Marfat.com

میں سر مو بھی فرق نہ تھا۔ ایک مخطوطہ برلن میں اور دوسرا دمشق میں ملا۔[۱]

اس صحیفہ پر ہمارے یقین واعتماد میں مزید اضافہ ہوا جب ہم نے دیکھا کہ یہ صحیفہ مسند احمد میں بجنسہا محفوظ ہے۔[۲] نیز اس کی بیشتر احادیث صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں موجود ہیں۔[۳]

اس صحیفہ میں کل ۱۳۸ حدیثیں ہیں۔[۴] ہمارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ہمام کتابوں کے دلدادہ تھے انہیں کتابیں جمع کرنے اور لکھنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ اپنے بھائی وہب[۵] کے لئے بھی کتابیں خریدا کرتے تھے۔ وہ لوگوں کو اپنی کتابوں اور رجسٹروں سے حدیثیں لکھوایا کرتے تھے۔[۶]

تدوین حدیث کے بارے میں مستشرقین کا موقف

مذکورہ صدر دلائل و براہین کے پیش نظر اس بات میں صداقت کا کوئی عنصر نظر نہیں آتا کہ جس چیز کو تدوین حدیث کہتے ہیں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد خلافت میں پہلی مرتبہ اس کا نام سننے میں آیا اسی طرح اسلام کے ابتدائی عہد میں تدوین حدیث کو ثابت کرنے کے لئے ہم بعض مستشرقین مثلاً گولڈزیہر (GOLDZIHER) اور اسپرنگر (SPRENGER) کے بھی مرہون منت نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ہماری کتب واخبار اور تاریخی دستاویزات نے اس حقیقت کو بہت اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ تدوین حدیث

۱۔ دیکھئے کشف الظنون۔

۲۔ مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۲۔۳۱۹

۳۔ دیکھئے صحیح بخاری طبع مصر ۱۳۱۳ھ ج ۱ ص ۳۴، ۳۹، ۵۶، ۶۴، ۹۱ نیز ج ۴ ص ۵۶، ۶۳، ۸۶

۴۔ اس تعداد سے بھی اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے کہ صحیفہ کی نسبت ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب درست ہے۔ اس لئے کہ معتبر کتب میں یہی تعداد محفوظ ہے۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۶۷ نمبر ۱۰۶ پر لکھا ہے "ہمام ابوہریرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے استفادہ کرتے رہے۔ انہوں نے تقریباً ایک سو چالیس احادیث بسند واحد ابوہریرہ سے سنیں"

۵۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۶۷ نمبر ۱۰۶

۶۔ الجامع الاخلاق الراوی والسامع للخطیب مخطوطہ ج ۸ ص ۱۱۲

Marfat.com

کا آغاز عہد رسالت ہی میں ہو گیا تھا نہ کہ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں جیسا کہ مذکورہ صدر دونوں مستشرقین نے گوہر افشانی فرمائی ہے دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ صحیح اور حسن احادیث میں جو اقوال و احوال مندرج ہیں یا نبی اکرم ﷺ کے جو سیر و سوانح بیان کیے گئے ہیں وہ من وعن صحیح ہیں اور ان میں شک و ریب کی کوئی مجال نہیں بخلاف ازیں مشہور مستشرق ڈوزی (DOZY) کا کہنا یہ ہے کہ بعض واقعات صحیح ہیں اور بعض غلط۔

مستشرقین نے تدوین حدیث کے سلسلہ میں دلائل و براہین فراہم کرنے کی جو زحمت اٹھائی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے ہماری یا ہمارے ادب و شریعت کی خدمت کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے بلکہ انہوں نے خاص اغراض و مقاصد کے پیش نظر یہ کام انجام دیا ہے۔

گولڈزیہر نے اپنے علمی مضامین کی دوسری جلد کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا اور اس میں ایک خاص فصل از صفحہ ۲۴۱ تا ۲۵۰ کتابت حدیث کے موضوع سے متعلق منعقد کی ہے۔ اس فصل میں اس نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں تدوین حدیث کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ کتاب مذکور کی فصل اول کے صفحہ ۱۰۔۱۲ پر مصنف نے متعدد ایسی روایات بیان کی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ چند صحیفے عہد رسالت میں بھی مرتب کیے گئے تھے۔ مگر اس نے ان روایات کو مشکوک اور بعید از صحت ٹھہرایا ہے۔ گولڈزیہر نے دو مقاصد کے پیش نظر ایسا کیا ہے۔

◆ ۱ اس کا ایک مقصد تو یہ ثابت کرنا ہے کہ حافظہ پر اعتماد درست نہیں کیونکہ دوسری صدی ہجری کے لوگوں نے حفظ و ضبط کے بجائے کتابت پر بھروسہ کیا تھا۔ دوسرے جن لوگوں نے تدوین حدیث کا بیڑا اٹھایا وہ حدیثیں گھڑتے اور اپنے افکار و نظریات کی تائید میں وضع احادیث کا ارتکاب کیا کرتے تھے۔

نظر بریں عہد رسالت میں تحریر کردہ صحیفوں کے بارے میں ہم نے طوالت سے کام لیا ہے اس سے ہمارا مقصد معتبر تاریخی دستاویزات کی روشنی میں یہ ثابت کرنا ہے کہ کتابت حدیث کا کام عہد رسالت میں شروع ہو چکا تھا۔ نیز یہ کہ اس عہد میں روایات

Marfat.com

کا تسلسل حفظ و ضبط کے اعتبار سے قائم رہا۔

اسپرنگر اپنی کتاب ''الحدیث عند العرب'' میں ان لوگوں کی تردید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ حدیثیں بالمشافہ ہی روایت کی گئی تھیں۔ وہ کثیر دلائل کی روشنی میں ثابت کرتا ہے کہ تدوین حدیث کا کام دوسری صدی ہجری کے آغاز میں شروع ہوا تھا عہد رسالت میں نہیں۔ اس کا مقصد بھی گولڈزیہر سے مختلف نہیں۔

مشہور مستشرق ڈوزی کا معاملہ ان سے مختلف ہے۔ وہ اپنی رائے سے جو بظاہر مبنی براعتدال نظر آتی ہے اوسط درجہ کے طلباء کو نہیں بلکہ علماء کو بھی مبتلائے فریب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بہت سی احادیث کو جو حافظہ میں محفوظ یا کتابوں میں مندرج و مذکور تھیں بے نظیر اہتمام کے ساتھ صحیح تصور کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کتب حدیث میں جو موضوع اور جھوٹی روایات پائی جاتی ہیں وہ صرف انہی پر حیرت و استعجاب کا اظہار نہیں کرتا...... اس لئے کہ احادیث کثیرہ میں سے چند جھوٹی روایات کا پایا جانا ایک فطری امر ہے...... بلکہ وہ ان قابل اعتماد احادیث صحیحہ کو بھی شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے جن میں شک وریب کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اس کے نزدیک کم از کم بخاری کی نصف احادیث مشکوک ہیں متشدد نقاد حدیث کا بھی یہی خیال ہے۔ ڈوزی کہتا ہے کہ بخاری میں ایسی احادیث موجود ہیں جن کے بارے میں ایک مؤمن صادق کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اے کاش! وہ حدیثیں بخاری میں موجود نہ ہوتیں۔

مستشرق مذکور جب کثیر احادیث نبویہ کو صحیح تسلیم کرتا ہے تو وہ علم کی کوئی خدمت انجام نہیں دیتا۔ اس کی نظر کی جولان گاہ اول و آخر احادیث میں بیان کردہ وہ افکار و نظریات ہیں جو انسان' اس کی زندگی اور تخلیق سے متعلق بیان کئے گئے ہیں' یہ نظریات اس کے نزدیک نقد و جرح سے پاک نہیں ہیں۔ اس لئے کہ یہ نظریات مغربی عقل کی پیداوار نہیں اور یہ اس مغربی زندگی کی بھی عکاسی نہیں کرتے جو ہر قید و بند سے آزاد ہے۔

ہم اپنی تہذیب و ثقافت کے اثبات میں مستشرقین کے مرہون منت نہیں ہیں۔ ہماری تہذیب کی جو منظر کشی مستشرقین نے کی ہے ہم اس سے دور اور نفور رہنا چاہتے

Marfat.com

ہیں ہم اس بات کے منتظر نہیں تھے کہ مستشرقین کا زمانہ کب آئے اور کب تدوین حدیث کی تقویت پر قلم اٹھائیں۔ مستشرقین نے حدیث کی تائید میں جو کچھ لکھا ہے ہم اس کی غرض و غایت سے نابلد نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک ان کا اقرار و انکار مساوی ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کہ گھر کا مالک جانتا ہے کہ گھر میں کیا رکھا ہے ہماری معتبر کتابوں سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ عہد رسالت میں حدیث نبوی پر مشتمل صحیفے مرتب کئے گئے تھے کچھ بعید نہیں کہ یہ صحیفے ان کتب مسانید میں محفوظ ہو چکے ہوں جن کے مخطوطے دنیا کی لائبریریوں میں بکھرے پڑے ہیں جس طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا صحیفہ صادقہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا صحیفہ برائے ہمام مسند احمد بن حنبل میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔

مستشرقین نے جو بے سروپا باتیں کہی ہیں اور جن کی تائید نہ نقل صحیح سے ہوتی ہے اور نہ عقل سلیم سے...... ایک بات یہ ہے کہ...... جن احادیث میں علم کی تدوین و تالیف کی ترغیب دلائی یا اس سے روکا گیا ہے وہ اہل حدیث اور اہل الرائے کی باہمی آویزش کا نتیجہ ہے اسی باہمی چپقلش کا نتیجہ تھا کہ ہر فریق نے اپنے نقطہ نظر کی تائید میں اقوال وضع کر لئے۔ اہل الحدیث کا زاویہ نگاہ یہ تھا کہ اخذ و احتجاج کے لئے احادیث کو قلم بند کر لینا چاہئے۔ بخلاف ازیں اہل الرائے لکھنے کے حق میں نہ تھے اس لئے کہ وہ ایسی روایات کی صحت کے منکر تھے اور ان کو ناقابل استناد خیال کرتے تھے۔ اس علمی ضلالت کا سہرا گولڈزیہر (GOLDZIHER) کے سر ہے۔ گولڈزیہر نے جب اپنے پیشرو اسپرنگر کا ایک مقالہ بعنوان ''کتابت کی ابتداء و ارتقاء'' دیکھا تو اس بے بنیاد نظریہ کا اظہار کیا۔ اسپرنگر وہی ہے جس نے ۱۸۵۵ء میں خطیب بغدادی کی کتاب ''تقیید العلم'' ایڈٹ کی تھی یہ درست ہے کہ دونوں مستشرقین کے طرز و انداز میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے اسپرنگر نے عربوں کی کتابت اور کتاب میں وارد شدہ نصوص و دلائل سے یہ نتیجہ نکالا کہ حدیث کا بہرہ وافر عہد رسالت میں مدون ہو چکا تھا یہ اس کا اولین اور بنیادی مقصد ہے۔ بخلاف ازیں گولڈزیہر ان دلائل کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس کے

Marfat.com

خیال میں بعض دلائل اہل الحدیث کے وضع کردہ ہیں اور بعض اہل الرائے کے۔

اس کتاب (تقیید العلم از خطیب بغدادی) کی قسمت میں دمشق میں شائع و ذائع ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ اس کے محقق ناشر ڈاکٹر یوسف العش نے کتاب کے مقدمہ میں جو دلائل و براہین پیش کئے ہیں ان میں گولڈزیہر کے نظریات کی تردید شامل نہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے ثابت کیا ہے کہ حدیث کی کتابت کے جواز یا عدم جواز میں جو اختلاف پایا جاتا تھا وہ اہل الحدیث اور اہل الرائے کے مابین جدل ونزاع کا موجب نہ تھا اس لئے کہ اہل الرائے میں سے بہت سے حضرات کتابت حدیث کو ناجائز قرار دیتے تھے۔ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

عیسیٰ بن یونس (۱۸۷ھ) حماد بن زید (۱۷۹ھ) عبداللہ بن ادریس (۱۹۲ھ) سفیان ثوری (۱۶۱ھ)

اہل الرائے میں سے مندرجہ ذیل حضرات کتابت کو جائز قرار دیتے تھے۔

حماد بن سلمہ (۱۶۷ھ) لیث بن سعد (۱۷۵ھ) زائدہ بن قدامہ (۱۶۱ھ) یحیٰ بن یمان (۱۸۹ھ) وعلاوہ ازیں۔

محدثین میں سے بعض بزرگ کتابت حدیث کو ناپسند کرتے تھے۔ ان کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

ابن علیہ (۲۰۰ھ) ہشیم بن بشیر (۱۸۳ھ) عاصم بن ضمرہ (۱۸۴ھ) وعلاوہ ازیں۔

محدثین میں سے مندرجہ ذیل حضرات کتابت حدیث کو جائز قرار دیتے تھے۔

بقیہ کلاعی (۱۹۷ھ) عکرمہ بن عمار (۱۵۹ھ) مالک بن انس (۱۷۹ھ) وعلاوہ ازیں[1]

ڈاکٹر العش کی رائے کے مطابق قرن اول کے مسلمانوں کا موقف کتابت حدیث کے جواز کے بارے میں بدلتا رہا۔ مگر انہوں نے کتابت حدیث کے ادوار کو

---

[1] تقیید العلم از خطیب بغدادی مقدمہ ناشر ص ۲۱-۲۲

Marfat.com

مسلمانوں کے سیاسی اور اجتماعی حالات کے پیش نظر چار قسموں میں تقسیم کرنا ضروری سمجھا۔ ہم اس تقسیم کے بارے میں ڈاکٹر موصوف سے الجھنا نہیں چاہتے یہ ان کی ذاتی اصطلاح ہے انہوں نے چار ادوار متعین کئے اور ہر دور کی مدت چالیس سال مقرر کی۔[1]

ڈاکٹر موصوف کی تقسیم طبقات علماء اور ان کے باہم اخذ و استفادہ سے کس قدر بھی ہم آہنگ ہو بہر کیف ایک زمانی تعیین ہے جو صرف زمانہ کے دائرہ تک محدود ہے۔ پھر اس میں یہ نقص بھی پایا جاتا ہے کہ بعض راویان حدیث کی تاریخ وفات اس تقسیم سے لگا نہیں کھاتی بنا بریں یہ تقسیم ناقابل تسلیم ہے۔ ہمارے خیال میں متقدمین نے جو تقسیم طبقات علماء کے اجتماعی حالات کے پیش نظر کی تھی ہم اس سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

اجتماعی و سیاسی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے کتابت علم کے بارے میں علماء کا موقف بھی بدلتا رہا وہ کبھی اسے بنظر استحسان دیکھتے اور کبھی ناپسند کرتے رہے ہم دیکھتے ہیں کہ سلف کے تین طبقے ہیں۔ صحابہ تابعین اور اتباع تابعین۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عہد صحابہ میں آنحضور ﷺ بقید حیات تھے تو حدیثیں لکھی جاتی تھیں مگر کتابت زیادہ رائج نہ تھی عہد رسالت میں رقم کردہ صحیفوں کے بارے میں ہم کس قدر بھی طول کلامی سے کام لیں۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان کی تعداد محدود تھی۔ ہم نے قلت کتابت کے اسباب و علل بھی بیان کر دیے ہیں ہمارے پیش نظر صرف اس نظریہ کی تردید تھی کہ حدیثیں ہم تک صرف بطریق حفظ پہنچی ہیں اور بس۔

---

[1] ڈاکٹر صاحب نے کتاب مذکور کے مقدمہ میں صفحہ ۷ پر ادوار چہارگانہ کی تقسیم اس طرح کی ہے۔

1. رسول کریم ﷺ اور اولین صحابہ کا زمانہ۔ اس کا اختتام حضرت علی کی وفات پر ۴۰ھ میں ہوتا ہے۔
2. متاخرین صحابہ اور تابعین اولین کا دور۔ اس کا اختتام عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت کے خاتمہ پر ۸۶ھ میں ہوتا ہے۔
3. تابعین متاخرین کا دور۔ اس کا اختتام ہشام بن عبدالملک بن مروان کی خلافت کے خاتمہ پر ۱۳۰ھ میں ہوتا ہے۔
4. تبع تابعین کا زمانہ جو ۱۶۰ھ پر ختم ہوتا ہے۔

Marfat.com

خلفاء راشدین کا عصر و عہد

جب خلفاء راشدین کا عصر و عہد آیا تو معاملہ جوں کا توں رہا۔ خلفاء راشدین بھی اسی طرح کتابت حدیث سے احتراز کناں اور متشدد فی الروایت تھے جس طرح عہد رسالت کے صحابہ کرام۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ کچھ حدیثیں جمع کیں اور پھر ان کو نذر آتش کر دیا۔ حضرت فاروق اعظم تدوین حدیث کا عزم باندھ کر اس کی تکمیل سے باز رہے۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے حدیثیں قلم بند کرنے کا ارادہ کیا اور اس ضمن میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا۔ عام صحابہ نے لکھنے کا مشورہ دیا مگر آپ مطمئن نہ ہوئے۔ ایک روز فرمانے لگے۔

"جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں حدیثیں لکھنے کا ارادہ باندھ رہا تھا۔ اندریں اثناء مجھے یاد آیا کہ مسلمانوں سے پہلے اہل کتاب نے کتاب خداوندی کے ساتھ اور کتابیں لکھیں۔ پھر کتاب الٰہی کو چھوڑ کر انہی کے ہو رہے۔ بخدا میں کتاب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو خلط ملط نہیں کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے کتابت احادیث کا ارادہ ترک کر دیا۔"[۲]

خلفاء راشدینؓ نے صرف کتابت حدیث ہی کے بارے میں تشدد سے کام نہ لیا بلکہ ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ روایت حدیث میں بھی سہل انگاری کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اس ضمن میں یہ واقعہ قابل غور ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے میت کی دادی کو میراث کا چھٹا حصہ اس وقت دیا جب حضرت مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ نے شہادت دی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دادی کو چھٹا حصہ ہی دیا تھا۔[۳] اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب اذن طلب کرنے کے بارے میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو حدیث

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵

۲ تقیید العلم ص ۵۰ نیز جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۴ وطبقات ابن سعد ۳/۱ ص ۲۰۶ وکنز العمال علی متقی الہندی ج ۵ ص ۲۳۹

۳ المختصر فی علم رجال الاثر لعبد الوہاب عبد اللطیف ص ۷۹

Marfat.com

نبوی سنائی تو آپ نے انہیں ڈانٹا اور کہا کہ "اگر اس کی شہادت پیش نہ کر سکے تو میں تمہیں سزا دوں گا۔"[۱]

جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں حدیثیں لکھتے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ اسی طرح ان کے عصر و عہد میں کبار صحابہ واشگاف الفاظ میں لوگوں کو کتابت حدیث کا حکم دیتے تھے تو اس تشدد کی وجہ صاف سمجھ میں آ جاتی ہے۔ بقول اسماعیل بن ابراہیم بن علیہ بصری متوفی ۲۰۰ھ یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ صحابہ کتابت حدیث کو اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ اہل کتاب نے خود کتابیں مرتب کر کے ان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ اس لئے صحابہ ڈرتے تھے کہ لوگ احادیث میں منہمک ہو کر قرآن سے روگردانی اختیار نہ کر لیں۔[۲]

خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔

"قرن اول کے لوگ کتابت کو اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ وہ تحریریں کتاب الٰہی سے گڈمڈ نہ ہو جائیں یا لوگ قرآن سے لاپرواہی نہ برتنے لگیں۔"[۳]

تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ

جب ہم تابعین کے عصر و عہد پر غور کرتے ہیں تو کراہت کتابت کے بارے میں

۱۔ صحیح مسلم ج ۶۔ ص ۱۷۷۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تائید میں شہادت دی تھی۔

۲۔ دیکھئے مخطوطہ جمع الجوامع للسیوطی مکتبہ ظاہریہ حدیث نمبر ۱۹۶۔ ص ۱۰۸ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط میں زکوٰۃ کے احکام تحریر کئے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بحکم خداوندی) لوگوں پر فرض ٹھہرائے۔ ملاحظہ کیجئے مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۰۶ و جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۲ و المحدث الفاصل از رامہرمزی مخطوطہ ظاہریہ حدیث نمبر ۴۷۳ مذکورہ حوالہ جات میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ "لکھ کر علم کو محفوظ کر لیا کرو۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی لکھنے کی ترغیب دلایا کرتے تھے آپ کا یہ قول صحابہ میں عام طور سے مشہور تھا کہ "لکھ کر علم کو محفوظ کر لیا کرو۔" دیکھئے تقیید العلم ص ۹۰ و معاون الجوہر از امین عاملی ج ۱ ص ۳ طبع دمشق ۱۳۴۷ھ

۳۔ تقیید العلم ص ۵۷۔

Marfat.com

وارد شدہ روایات کا انبار دیکھ کر مبہوت رہ جاتے ہیں' اس پر طرہ یہ کہ روایت کرنے والوں میں تابعین کبار' اوسط درجہ کے تابعین اور متاخرین سب شامل ہیں پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑا عرصہ بعد تابعین اس میں سہل انگاری سے کام لینے لگے بلکہ نہ صرف اس کی اجازت دینے لگے بلکہ حوصلہ افزائی بھی کرنے لگے۔ اوساط تابعین کے عہد میں کتابت ایک رسم کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ذہن میں یہ تصور ابھرتا ہے کہ ان روایات میں تضاد پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی بناء پر کوئی تاریخی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔ مگر معاملہ اتنا اہم نہیں۔ اس لئے کہ عصر تابعین میں کراہت کتابت کے اسباب بالکل وہی تھے جو خلفاء راشدین کے دور میں تھے جب اسباب کراہت کا وجود نہ رہا تو سب نے باتفاق رائے نہ صرف جواز کتابت کا فیصلہ صادر کیا بلکہ اس کو ترجیح دینے اور حوصلہ افزائی کرنے لگے۔

تابعین کبار کے زمانہ میں پہلی صدی ہجری کے اواخر تک اکثر لوگ کتابت کے حق میں نہ تھے۔ مثلاً یہ اکابر کتابت کو ناجائز ٹھہراتے تھے۔

عبیدہ بن عمرو سلمانی المرادی (۷۲ھ) ابراہیم بن یزید التیمی (۹۲ھ) جابر بن زید (۹۳ھ) ابراہیم بن یزید نخعی (۹۶ھ)

مذکورہ بالا اصحاب کے نزدیک کتابت کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ خلفاء راشدین کا زمانہ قریب تھا وہ جانتے تھے کہ خلفاء راشدین کتابت حدیث کو ناپسند کرتے تھے اس قسم کی خبریں عام طور سے پھیلی ہوئی تھیں مزیں برآں لوگ اکابر خلفاء کے ورع و تقویٰ سے بے حد متاثر تھے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ تابعین ان کی پیروی کرتے اور ان کی رائے سے اظہار اتفاق کرتے۔

مذکورہ صدر اکابر میں سے بعض لوگ تو اس بات کو گناہ شمار کرتے تھے کہ ان کی تحریر کردہ کوئی چیز باقی رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ اس پر اظہار حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ بنا بریں عبیدہ نے ابراہیم کو مخاطب کر کے کہا تھا:

Marfat.com

''میری کسی کتاب کو باقی نہ رہنے دیجئے۔''[۱]

چنانچہ ابراہیم نے اس وصیت پر عمل کیا اور آئندہ ان کی بیان کردہ کسی روایت کو تحریر نہ کیا۔[۲] حالاں کہ قبل ازیں وہ تحریر کے عادی تھے۔

کراہت کتابت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ تحریر کے ساتھ ساتھ صاحب تحریر کے ذاتی افکار و نظریات بھی لوگوں میں مشہور ہونے لگے۔ اس لئے انہیں یہ خوف دامن گیر رہتا تھا کہ جب لوگ ان کی روایات قلم بند کریں گے تو ان کے ساتھ ساتھ ان کے ذاتی افکار و آراء بھی لکھ ڈالیں گے۔ ہمارے پاس ایسے واقعات موجود ہیں جن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ کبار تابعین کے زمانہ میں اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جابر بن زید متوفی ۹۳ھ سے کہا گیا کہ لوگ آپ کے ذاتی نظریات بھی لکھتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے بگڑ کر کہا۔

''وہ میرے اس قسم کے افکار لکھتے جا رہے ہیں جن سے اگر میں کل ہی رجوع کرلوں تو کچھ عجب نہیں۔''[۳]

انکار کتابت کے رجحانات کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ تدوین و کتابت کے جواز کے بھی قائل تھے خصوصاً جب کہ صرف احادیث نبویہ کے لکھنے پر اکتفاء کیا جائے اور ان میں شخصی افکار و آراء کا امتزاج نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شخصی آراء ہی کی وجہ سے کتابت حدیث ان کے نزدیک ایک ناپسندیدہ فعل قرار پایا تھا۔ گویا وہ نظری طور پر حدیثیں لکھنے کے حق میں تھے البتہ عملاً اس میں تشدد برتتے تھے۔

۱۔ ملاحظہ فرمایئے جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۷ و تقیید العلم ص ۴۶ عبیدہ سے مراد عبیدہ بن عمرو سلمانی المرادی ہیں جن کا ذکر قبل ازیں کیا گیا ہے۔ عبیدہ نے مرتے وقت اپنی تمام تحریریں طلب کیں اور ان کو یہ کہہ کر تلف کر دیا کہ ''مبادا یہ کسی کے ورثہ میں آئیں اور وہ ان کو غلط طور پر استعمال کرے'' دیکھئے طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۶۳ نیز جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۷ ابراہیم سے ابراہیم نخعی مراد ہیں۔ ابراہیم التیمی بھی کتابت کو ناپسند کرتے تھے۔ دیکھئے سنن الدارمی ج ۱ ص ۱۲۲ جابر بن زید کا نقطہ نظر بھی یہی تھا۔ ملاحظہ ہو جامع بیان العلم ج ۲۔ ص ۳۱

۲۔ تقیید العلم ص ۶۰

۳۔ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۱ نیز دیکھئے مقدمہ ڈاکٹر یوسف العش برائے تقیید العلم ص ۲۰۔

Marfat.com

نظر بریں جب ہم دیکھتے ہیں کہ سعید بن جبیر (۹۵ھ) سے کتابت احادیث کے ضمن میں دو ظاہر التعارض روایات منقول ہیں تو ہمیں اس سے کچھ بھی حیرت نہیں ہوتی۔ وہ ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کتابت سے روکتے اور فرمایا کرتے تھے کہ تم سے پہلے لوگ انہی کتابوں کی وجہ سے گمراہ ہوئے[1] اور اس کے عین برعکس ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ ''علم کو محفوظ رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے لکھ لیا جائے۔''[2]

خلاصہ کلام یہ کہ جس قول میں کتابت سے منع کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ احادیث نبویہ کے ساتھ لوگوں کی شخصی آراء کو خلط ملط نہ کیا جائے اور جس قول میں کتابت کی تاکید ہے اس سے صرف احادیث لکھنا مراد ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر صرف کتابت پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ مبالغہ کی حد تک اس کے حریص اور مشتاق تھے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں۔

> ''میں حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیثیں سنتا اور ان کو کجاوہ پر رکھ لیا کرتا تھا جب سواری سے اترتا تو ان کو کتاب میں درج کر لیتا۔''[3]

جب لوگوں نے کتابت احادیث اور شخصی افکار و آراء کے لکھنے میں فرق و امتیاز روا رکھنا شروع کیا تو بہت سے اوساط تابعین نے دوسری صدی ہجری کے آغاز میں اپنے تلامذہ کو حدیث نویسی کی اجازت دے دی۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن حرملہ نے جب سعید بن مسیب متوفی ۱۰۵ھ سے خرابی حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے اسے لکھنے کی اجازت دے دی۔[4] امام شعبی (۱۰۴ھ) کا یہ حال تھا کہ صحابہ اور تابعین کی زبانی نقل شدہ

---

[1] تقیید العلم ص ۴۳ نیز جامع بیان العلم ج ا ص ۶۵

[2] تقیید العلم ص ۶۲

[3] تقیید العلم ص ۱۰۳ نیز جامع بیان العلم ج ا ص ۵۲

[4] جامع بیان العلم ج ا ص ۵۳ نیز تقیید العلم ص ۹۹

Marfat.com

حدیث مرفوع ''الکتاب قید العلم''[1] (لکھنے سے علم محفوظ ہو جاتا ہے) ان کی ورد زبان رہتی۔ وہ تحریر کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔

''جب مجھ سے کوئی بات سنو تو اسے لکھ لیا کرو اگرچہ دیوار ہی پر لکھو۔''[2]

انہوں نے خود بھی تصنیف و تالیف کا اہتمام کیا تھا جب فوت ہوئے تو ترکہ میں ایک کتاب ملی جو انہوں نے فرائض و جراحات کے مسائل سے متعلق مرتب کی تھی۔[3]

مجاہد بن جبیر مکی (۱۰۳ھ) لوگوں کو اپنے کمرہ میں لے جا کر کتابیں دکھاتے اور لوگ ان سے حدیثیں نقل کرتے تھے۔[4] عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ خود بھی لکھتے تھے' اور دوسروں کو بھی لکھنے کی اجازت دیتے تھے۔[5] قتادہ بن دعامہ سدوسی (۱۱۸ھ) سے جو شخص بھی کتابت کے بارے میں پوچھتا تو اسے واضح الفاظ میں فرماتے۔

''جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ لکھتے ہیں تو مجھے لکھنے سے کون منع کرتا ہے۔''

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى﴾[6]

''کہا اس کا علم میرے رب کے نزدیک ایک کتاب میں مرقوم ہے میرا رب نہ غلط کاری کرتا ہے' نہ بھولتا ہے۔''

ظن غالب یہ ہے کہ خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۰۱ھ نے

---

1. تقیید العلم ص ۹۹ حدیث کے مشہور الفاظ ''قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ'' ہیں۔
2. تقیید العلم ص ۱۰۰۔
3. تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۳۲
4. سنن الدارمی ج ۱ ص ۱۲۸ و تقیید العلم ص ۱۰۵ علاوہ ازیں سنن الدارمی ج ۱ ص ۱۲۱ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مجاہد لکھنے کو ناپسند کرتے تھے۔
5. ملاحظہ فرمائیے الالماع قاضی عیاض ص ۴۷ نیز سنن الدارمی ج ۱ ص ۱۲۵
6. سورہ طٰہ آیت نمبر ۵۲ ملاحظہ کیجئے تقیید العلم ص ۱۰۳ علاوہ ازیں سنن الدارمی ج ۱ ص ۱۲۰ میں قتادہ سے کراہت کتابت کی بھی ایک روایت نقل کی گئی ہے۔

Marfat.com

جب باقاعدہ طور پر تدوین حدیث کا آغاز کیا تو انہوں نے اس ضمن میں علماء سے مشورہ کیا ہوگا۔ یا کم از کم اکثر علماء کی رائے معلوم کر کے اطمینان کر لیا ہوگا۔[1] مگر اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اس رائے میں متفرد تھے ان کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے عام لوگ اور معاصرین ان کا اس قدر ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے کہ ان کے کسی فعل پر معترض نہیں ہوتے تھے۔

اس ضمن میں جس قدر اخبار و روایات نقل کی گئی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ڈرتے تھے کہ مبادا علم اور اہل علم دنیا سے اٹھ جائیں اس لئے انہوں نے تدوین حدیث کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے عامل مدینہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے نام ایک خط میں لکھا:

> ''آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث وسنت یا عمرہ کی جو روایت ملے اسے لکھ لیں کیونکہ مجھے علم اور اہل علم کے مٹ جانے کا خطرہ دامن گیر رہتا ہے۔''

[طبقات ابن سعد ۲/۲ص ۱۳۴]

جس عمرہ کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اس سے عمرہ بنت عبد الرحمٰن انصاریہ مراد ہے بعض روایات میں قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ (۱۰۷ھ) کا نام بھی مذکور ہے۔ عمرہ اور قاسم دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد اور ان کی روایات کے سب سے بڑے عالم تھے ابوبکر بن حزم نے خلیفہ کی تعمیل ارشاد کر دی۔ مگر قبل اس کے کہ ابوبکر خلیفہ کو اپنی مساعی جمیلہ کے نتائج سے آگاہ کرتے خلیفہ کا انتقال ہو گیا۔[2]

---

[1] ہم نے اکثر علماء کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ بعض اہل علم نے خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے تدوین حدیث کی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ عبید اللہ بن عبد اللہ متوفی ۱۰۶ھ جب عمر بن عبد العزیز کے یہاں آئے تو انہوں نے چند آدمیوں کو ہٹا دیا جو ان کے ارشادات کو قلم بند کرتے جاتے تھے۔ جب انہوں نے جانے کا ارادہ کیا تو عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم نے ایک نئی بات کی ہے۔ انہوں نے کہا وہ کیا؟ خلیفہ نے کہا ہم نے آپ کے فرمودات کو قلم بند کر لیا۔ انہوں نے کہا وہ کہاں ہیں؟ جب کاغذ لائے گئے تو انہوں نے چاک کر دیئے۔

[2] مفتاح السنۃ از محمد بن عبد العزیز الخولی ص ۲۰

Marfat.com

خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے دیگر بلاد و امصار کے حکام کی جانب بھی اسی قسم احکام بھیجے۔[1] اولین شخص جس نے خلیفہ عمر بن عبد العزیز کی دعوت پر لبیک کہا اور آپ عزائم کو عملی جامہ پہنایا وہ سرزمین حجاز و شام کے مایہ ناز عالم محمد بن مسلم بن شہاب ز مدنی متوفی ۱۲۴ھ تھے۔ انہوں نے حدیث کی ایک کتاب بھی مرتب کی تھی۔[2] خلیفہ عمر عبد العزیز نے اس کتاب کی نقلیں کروا کر اطراف ملک میں بھجوا دیں۔[3] امام زہ رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کی تالیف پر فخر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔

''اس علم کو میری طرح مجھ سے پہلے کسی نے بھی مدون نہیں کیا۔''[4]

تدوین حدیث کی تاریخ لکھنے والا جب دراسات و مطالعہ کے اس مرحلہ پر پہنچ ہے تو اسے یوں دکھائی دیتا ہے کہ کتابت حدیث کی ناپسندیدگی کا نظریہ اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ جلد ہی ان لوگوں کی زبان پر کراہت کتابت کے نغمے بلند ہوتے سننے لگتا ہے جو تدوین حدیث کی رخصت دیتے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور اس میں عملی حصہ لیتے تھے۔ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر تدوین حدیث کا مورخ ان لوگوں کو حسرت و ندامت اور قلق و اضطراب کے راگ الاپتے سنے گا جو تدوین حدیث میں خصوصی طور پر شریک تھے۔ گویا یہ کام انہوں نے از خود نہیں بلکہ امراء و حکام کے زیر اثر بادل ناخواستہ انجام دیا تھا۔

امام زہری کا قول ہے:

''ہم علمی باتیں لکھنے کو ناپسند کرتے تھے یہاں تک کہ امراء نے جبراً ہم سے یہ کام کروایا اور ہم نے مناسب جانا کہ اس سے کسی کو محروم نہ رکھیں۔''[5]

---

۱ الرسالۃ المستطرفہ ص ۴

۲ الرسالۃ المستطرفہ ص ۴

۳ جامع بیان العلم ج ۱۔ ص ۷۶

۴ الرسالۃ المستطرفہ ص ۴

۵ طبقات ابن سعد ۲/۲ ص ۱۳۵۔ نیز قاسم بن سلام کتاب الاموال ص ۵۷۸ پر لکھتے ہیں کہ حکام سے خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔ نیز دیکھئے جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۶

Marfat.com

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی مسلمان کو کوئی چیز لکھنے سے منع نہ کیا اور نہ خود اس سے باز رہے۔ بخلاف ازیں وہ کتابت حدیث کے اس قدر حریص تھے کہ اپنے جوتوں پر لکھنے سے بھی گریز نہ کرتے تھے مبادا وہ ضائع ہو جائے۔[1]

البتہ یہ درست ہے کہ کتابت علم کی تحریص وتشویق میں امراء و حکام کے جبر و اکراہ کے علاوہ ایک اور عامل بھی شریک تھا۔ اور وہ یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو خود ساختہ اور موضوع روایات سے ممیز و ممتاز کیا جائے اسی احساس نے امام زہری کی زندگی تلخ کر دی تھی اور وہ اپنے غیظ و غضب پر قابو پا کر کہا کرتے تھے:

"اگر جانب مشرق سے ہمارے یہاں ایسی غیر معروف حدیثیں نہ پہنچتیں جن کو سرے سے ہم جانتے ہی نہیں تو میں ایک حدیث بھی نہ لکھتا اور نہ لکھنے کی اجازت دیتا۔"[2]

امام زہری کے اکثر معاصرین اس ضمن میں ان کے ہم نوا تھے۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹ جانے کا خوف اور اس کے ساتھ ساتھ احادیث موضوعہ کی اشاعت کا خدشہ یہ دو قوی ترین محرکات تھے جن کے پیش نظر علماء بعض اوقات کتابت حدیث کا فیصلہ کرتے اور کبھی اس سے روکنے لگتے۔ اگر ایک جانب ہم سعید بن مسیب اور امام شعبی کا نام کتابت حدیث کی رخصت دینے والوں میں پاتے ہیں تو ہم ایسی روایات بھی دیکھتے ہیں جن میں انہوں نے کتابت سے منع کیا ہے۔[3]

مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی حال ہے[4] اس کی حد یہ ہے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ

---

[1] دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ج ۱۔ ص ۱۰۳ و تقیید العلم ص ۱۰۷۔ خطیب بغدادی نے امام زہری کے جس صحیفہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں تین صد احادیث ہیں وہ ان کے مرتب کردہ صحیفوں میں سے ایک ہے جن میں انہوں نے اپنے علم کو محفوظ کر لیا تھا۔ دیکھئے تاریخ بغداد ج ۱۴۔ ص ۸۷

[2] تقیید العلم ص ۱۰۸

[3] سعید بن مسیب کے نظریہ کراہت کتابت کے بارے میں دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ج ۱۔ ص ۱۰۵ اسی طرح امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ بھی حدیثیں لکھنے کو ناپسند کرتے تھے دیکھئے المحدث الفاصل ج ۴۔ ص ۵

[4] مجاہد کی کراہت کتابت کے بارے میں دیکھئے سنن دارمی ج ۱ ص ۱۲۱۔ ہم قبل ازیں بیان کر ←

Marfat.com

متوفی ۱۰۷ھ جن کو عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات جمع کرنے کا حکم دیا تھا ان کا قول بھی کراہت تدوین کے بارے میں مشہور ہے۔[1] اسی طرح علماء نے ایسے لوگوں سے بھی حدیثیں تحریر کیں جو جمع وتدوین کے مخالف تھے۔

تدوین حدیث کے خطرناک نتائج کا اظہار ضحاک بن مزاحم الہلالی متوفی ۱۰۵ھ نے علانیہ ان الفاظ میں کیا تھا:

''حدیثوں کے دفتر نہ بنایئے جیسے قرآن کے دفتر بنا رکھے ہیں۔''[2]

لیکن مقام حیرت ہے کہ اس نے خود بھی لوگوں کو احکام حج لکھوائے۔[3]

دوسری طرف وضع احادیث کا یہ عالم تھا کہ متوسط دور کے تابعین اس کے خوف سے ہراساں رہتے تھے جب متاخرین تابعین کا دور آیا تو موضوع احادیث کے بہت سے نمونے نظر آنے لگے حدیثیں وضع کرنے والے گروہی تعصب کے پیش نظر اپنے مخصوص فرقہ کی تائید میں حدیثیں گھڑتے تھے۔ نظر بریں اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ تدوین حدیث کے دائرہ کو وسعت دے کر احادیث کو محفوظ کر لیا جائے اور ان کو بازیچہ طفلاں بننے سے بچایا جائے۔ تابعین کے عصر وعہد میں تدوین حدیث کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ صحابہ وتابعین کے فتاویٰ کی آمیزش اس میں عام تھی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۹ھ کی موطا اس کی زندہ دلیل ہے۔

اتباع تابعین کے زمانہ یعنی دوسری صدی ہجری کے اختتام پر علمائے حدیث نے ایسی مسانید تالیف کرنے کا بیڑا اٹھایا جن میں فتاویٰ صحابہ وتابعینؒ کی آمیزش نہ تھی اور صرف احادیث نبویہ پر مشتمل تھیں، سب سے پہلی مسند ابوداؤد طیالسی متوفی ۲۰۴ھ نے مرتب کی۔[4] امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۴۱ھ کی مسند تمام مسانید کی نسبت زیادہ جامع

← چکے ہیں کہ دارمی ج ۱ ص ۱۲۸ میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ مجاہد حدیثیں لکھنے کے بڑے شائق تھے۔ نیز قتادہ کی کراہت کتابت کے بارے میں دیکھئے سنن دارمی ج ۱۔ ص ۱۲۰

1. دیکھئے جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۷ و تقیید العلم ص ۴۶۔
2. تقیید العلم ص ۴۷
3. جامع بیان العلم ج ۱۔ ص ۷۲
4. مسند ابوداؤد طیالسی حیدر آباد دکن میں طبع ہو چکی ہے۔

Marfat.com

اور کبیر الحجم ہے البتہ امام احمد کا شمار اتباع تابعین میں نہیں بلکہ ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اتباع تابعین کے بعد آئے اس لئے کہ آپ کی وفات ۲۲۰ھ کے بعد ہوئی۔

خالص حدیث نبوی (اقوال صحابہ و تابعین کے بغیر) مبوب و مرتب کتب کی صورت میں اتباع تابعین کے بعد آنے والے علمائے حدیث کے عہد میں ظہور میں آئی۔ یہ علماء امام بخاری رحمۃ اللہ کے معاصر تھے۔ اسی عصر و عہد میں حدیث کی چھ صحیح کتب (صحاح ستہ) عالم وجود میں آئیں، ہم آگے چل کر اہم کتب روایت کی فصل میں صحاح ستہ اوران کے مولفین پر جامع تبصرہ کریں گے۔

وہ علمائے حدیث جن کا ظہور عصر روایت کے بعد ہوا انہوں نے کتب حدیث کی تہذیب و ترتیب ان کی شرح نویسی اور ان کے اختصار کا کام انجام دیا۔

مثلاً ابو عبداللہ الحمیدی (۴۴۸ھ) نے صحیحین کو مسانید کی طرز پر مرتب کیا۔ ابو السعادات مبارک بن اثیر (۶۰۶ھ) نے صحاح ستہ کو ابواب کی ترتیب کے مطابق ترتیب نو بخشی۔ نور الدین علی الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے کتب صحاح کے علاوہ تمام کتب حدیث کی مرویات کو مجمع الزوائد میں جمع کر دیا۔[1]

سب کے آخر میں امام سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے صحاح ستہ مسانید عشرہ اور اس کے علاوہ پچاس سے زائد کتب کی مرویات کو جمع الجوامع المسمٰی بالجامع الکبیر میں یکجا کیا۔[2]

اسی طرح حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جمع و تالیف اور تنقید و تبصرہ کا کام جاری رہا۔ یہاں تک کہ یہ قابل قدر سرمایہ تحریری اور محفوظ صورت میں ہم تک پہنچ گیا دور حاضر میں نشر و طباعت کی جو سہولتیں موجود ہیں انہوں نے اس عظیم اسلامی ورثہ کو پھیلانے اور لوگوں تک پہنچانے میں بہت مدد دی۔

---

1. حسام الدین القدسی نے ۱۳۵۲ھ میں مجمع الزوائد شائع کر دی تھی۔
2. دیکھئے مکتبہ ظاہریہ میں مخطوطہ جمع الجوامع

Marfat.com

فصل : ۳

طلب حدیث میں ترک وطن

ارتقاء حدیث پر ماحول کا اثر

مدینہ منورہ کے دار السنۃ میں حدیث نبوی نے ارتقاء کے ابتدائی مراحل طے کیے۔ مدینہ کا شہر وہی مقدس شہر ہے جس کے دونوں سنگلاخوں اور چراگاہ کو نبی کریم ﷺ نے حرم قرار دیا تھا۔[1] لوگ مدینہ میں بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح حدیثیں روایت کرتے تھے۔ تابعین مدینہ میں حاضر ہو کر بالمشافہ صحابہ کرام سے احادیث سنتے تھے۔ اس لئے فن حدیث پر مدینہ منورہ کا خاص اثر پڑا۔ راویان حدیث مدینہ کی سرزمین کو بڑی قدر و قعت کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کی یاد سے ان کے دل ماہی بے آب کی طرح بے قرار رہتے تھے۔ یہ وہی مقدس سرزمین تھی جس میں ہجرت کے بعد دعوت اسلامی کو فروغ حاصل ہوا۔ اطراف عالم کے باشندے جب حج سے فارغ ہوتے تو براہ راست صحابہ کرام سے حدیثیں سننے کے لیے مدینہ کا رخ کرتے۔[2]

---

[1] دیکھئے مسند احمد بحاشیہ احمد شاکر ج ۲۔ ص ۱۹۸۔ ۱۹۹ حدیث نمبر ۹۵۹۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا اور میں مدینہ کو حرم ٹھہراتا ہوں۔ مدینہ کے دونوں سنگلاخوں کا درمیانی علاقہ اور اس کی چراگاہ سب حرم ہے۔ نہ اس کے کانٹے توڑے جائیں نہ شکاری جانور بھگایا جائے۔ نہ گری پڑی چیز اٹھائی جائے البتہ اس شخص کو اٹھانے کی اجازت ہے جو اس کی تشہیر کرنا چاہتا ہو۔'' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

[2] ابو العالیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ہم بصرہ میں اصحاب رسول کی روایات سنتے تھے۔ ہم نے اس پر قناعت نہ کی سوار ہو کر مدینہ پہنچے اور بالمشافہ ان سے حدیثیں سنیں۔ دیکھئے مخطوطہ الجامع لاخلاق الراوی ج ۹۔ ص ۱۶۸ ابو العالیہ ایک جلیل القدر تابعی تھے۔ ان کا نام رفیع بن مہران الریاحی ہے یہ ۹۳ھ میں فوت ہوئے۔

Marfat.com

راویانِ حدیث دور دراز کا سفر طے کر کے متفرد روایات کا براہ راست سماع کرتے تھے۔[1] بعض آئمہ حدیث بلا جھجک اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ ہم علمائے حجاز یعنی مدینہ[2] کے قابل اعتماد رواۃ حدیث کی حدیثیں سننے کے لئے حرم مکہ میں پہنچے۔

غالباً علی بن المدینی[3] کے مذکورہ ذیل قول سے یہی مقصود ہے وہ فرماتے ہیں:

''میں حج کرنے گیا میرا ارادہ صرف یہ تھا کہ وہاں جا کر حدیثیں سنوں گا۔''[4]

جس طرح اہل مدینہ تدوین حدیث کے آغاز میں زیادہ حدیثیں[5] روایت کرنے میں متفرد تھے۔ اسی طرح بعض دوسرے شہروں نے بھی آغاز عہد میں بعض احادیث کی نشر واشاعت میں کافی شہرت پائی۔ یہ حدیثیں پہلے ان شہروں میں شہرت پذیر ہوئیں اور پھر جلد یا بتاخیر دوسرے شہروں کے رواۃ حدیث کی زبانوں پر مشہور ہو گئیں۔

روایت حدیث میں بلاد وامصار کے اعتبار سے جو تفرد واقع ہوتا ہے کتب حدیث میں اس کے اظہار و بیان کے مختلف طریقے ہیں۔ یہ طریقے ملاحظہ ہوں:

---

1. اس کی واضح مثال عبد الملک بن حبیب کا یہ بیان ہے کہ میں حج کے لئے گیا میں نے ابن الماجشون اسد اصبغ بن الفرج اور ان کے دیگر معاصرین سے خوب استفادہ کیا اور علم کا کافی ذخیرہ لے کر اندلس واپس لوٹا۔ دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔ ص ۵۳۷۔ اس فصل میں ہم نے زیادہ تر تذکرۃ الحفاظ کے حوالے دیے ہیں۔ نیز دیکھئے مصادر و مآخذ کی فہرست کتاب کے آخر میں۔ عبد الملک بن حبیب اندلس کے زبردست عالم اور فقیہ تھے۔ ان کو ابو مروان السلمی الاندلسی القرطبی کہا جاتا ہے۔ یہ ۲۳۸ھ میں فوت ہوئے۔
2. مدینہ میں مکہ کی نسبت حدیثیں زیادہ روایت کی جاتی تھیں۔ اسی لئے اس کو ''دار السنۃ'' کہا جاتا تھا۔
3. ابن المدینی کا نام علی بن عبد اللہ بن جعفر اور کنیت ابو جعفر تھی۔ یہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے۔ ۲۳۴ھ میں فوت ہوئے۔ [شذرات الذہب ج ۲۔ ص ۸۱]
4. سنن ترمذی ج۔ ا ص ۲۹۶
5. یہی وجہ ہے کہ بہت سی کتب حدیث میں یہ جملہ دیکھنے میں آتا ہے ''اس روایت میں اہل مدینہ متفرد ہیں'' سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۰۷ حدیث نمبر ۲۵۴ طبع ۱۳۶۹ھ بحاشیہ محی الدین عبد الحمید۔
اس کی مثال ابو داؤد کا یہ قول ہے کہ ''اہل مدینہ ''مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ'' پڑھتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔'' ملاحظہ ہو ابو داؤد ج ا۔ ص ۴۱۶ حدیث نمبر ۱۱۷۳۔

Marfat.com

❶ اہل بصرہ اس حدیث کی روایت کرنے میں متفرد ہیں۔[1]

❷ یہ اہل شام کی روایت ہے اور اس میں دوسرا کوئی شخص شریک نہیں۔[2]

❸ یہ اہل حمص کی بیان کردہ روایت ہے۔[3]

ظاہر ہے اختلاف بلاد کے زیر اثر تفرد فی الروایہ میں محدثین کا اختلاف ناگزیر تھا۔ مثلاً ایک شہر والے جب وہاں کے کسی راوی کی روایت کو قبول کرتے ہوں تو اسے مقبول الروایہ قرار دیا جائے گا اور جب کسی دوسرے شہر میں رہنے والے اس کی روایت کو قبول کریں تو اس کے اہل شہر اس کی روایت کو رد کر سکتے ہیں مذکورہ صدر قاعدہ کے پیش نظر زُہیر بن محمد کے بارے میں امام بخاری کا موقف کھل کر سامنے آجاتا ہے' آپ فرماتے ہیں:

''اہل شام زُہیر بن محمد سے منکر روایتیں نقل کرتے ہیں۔ البتہ اہل عراق ان سے جو روایات بیان کرتے ہیں وہ صحیح ہوتی ہیں۔''[4]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اختلاف ممالک کے زیر اثر امام بخاری رحمہ اللہ نے زہیر کے بارے میں دو مختلف فیصلے صادر کیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معرفت رجال میں امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک خاص مقام تھا۔ روایات اور راویان حدیث کے بارے میں ان کی شرطیں بہت کڑی ہیں۔ بنا بریں وہ دوسرے علماء کی نسبت کسی راوی پر جرح ونقد یا اس کی تعدیل وتوثیق کا زیادہ حق رکھتے تھے۔ اسی طرح انہیں یہ حق بھی حاصل تھا کہ وہ کسی

---

[1] سنن ابی داؤد ج ۱۔ ص ۶۷' حدیث نمبر ۱۵۵ نیز ج ۱۔ ص ۱۴۰ حدیث نمبر ۳۳۳

[2] سنن ابی داؤد ج ۱۔ ص ۵۶ حدیث نمبر ۹۱

[3] ابن شہاب سے مروی ہے کہ جب انہیں یہ حدیث سنائی جاتی کہ آنحضور ﷺ نے ہفتہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا تو وہ فرماتے ''یہ حمص والوں کی روایت ہے۔'' سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۴۳۱ حدیث نمبر ۹۱

[4] دیکھیے سنن ترمذی ج ۱ ص ۶۰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نماز میں سامنے کی جانب ایک ہی سلام پھیرا کرتے اور تھوڑا سا دائیں جانب پھر جایا کرتے تھے یہ روایت زہیر بن محمد ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں۔

Marfat.com

خفیہ عیب کی بناء پر ایک راوی کی تضعیف کریں اور بہت سے دیگر امور کی بنا پر اس کو قابل اعتماد ٹھہرائیں۔[1]

طلب حدیث میں ترک وطن

روایت حدیث میں علاقائی تفرد کے باوصف روایان حدیث اپنے شہر ہی میں سکونت پذیر رہ کر اخذ و استفادہ نہ کر سکے۔[2] وہ مدینہ منورہ کی طالب علمی پر بھی قناعت گزیں نہ رہے۔

مدینہ ان سے دور ہو یا نزدیک۔ طلب حدیث کی خاطر ممالک بعیدہ کی خاک چھاننا اور سفر کی زحمت اٹھانا ان کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے رواۃ حدیث کی اولین جماعت سے بالمشافہہ حدیثیں اخذ کیں۔ اس سے ان کی یہ تمنا بر آئی کہ براہ راست اخذ و استفادہ سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ زیادہ دیر پا اور راسخ ہوتا ہے۔[3]

استاد کی خدمت میں حاضر ہو کر بالمشافہ علم حاصل کرنے کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہو گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی ابو درداء[4] فرمایا کرتے تھے:

---

[1] امام احمد بن حنبل نے زہیر کے بارے میں ایک اور موقف اختیار کیا ہے ان کی رائے یہ ہے کہ شامی جس زہیر سے روایت کرتے ہیں وہ اور ہے اور عراق والوں کا زہیر ایک دوسرا شخص ہے اس کا نام تبدیل کر کے اس کو زہیر بنا لیا گیا ہے۔ [سنن ترمذی ج ۱۔ ص ۶۰]

[2] اگرچہ علماء اس کو پسند کرتے تھے کہ حدیث کا طالب علم اپنے شہر میں رہ کر علمی مہارت حاصل کرے بشرطیکہ حصول علم کے مواقع اپنے شہر میں میسر ہوں۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

"طلب حدیث کے سلسلہ میں سفر کرنے کے دو مقصد ہیں۔ (۱) علو سند و قدامت سماع کا حصول (۲) حفاظ حدیث سے ملاقات و استفادہ۔ جب یہ دونوں باتیں طالب علم کے شہر میں موجود ہوں اور دوسری جگہ غیر موجود تو سفر کر کے جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ اپنے شہر میں اقامت زیادہ بہتر ہے۔"

[الجامع لاخلاق الراوی ج ۹ ص ۱۶۷]

[3] مقدمہ ابن خلدون طبع مصطفیٰ محمد، قاہرہ ص ۵۴۱

[4] ابو درداء کا نام عویمر بن زید تھا۔ انہوں نے ۳۳ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

''اگر مجھے قرآن کریم کی کوئی آیت نہ مل سکے اور مجھے پتہ چلے کہ برک الغماد[1] نامی شہر کا کوئی شخص اسے جانتا ہے تو مجھے اس کی خدمت میں حاضر ہونے سے کوئی چیز مانع نہ ہوگی۔''

مشہور عالم صحابی حضرت جابر بن عبداللہ متوفی ۷۸ھ نے ایک اونٹ خریدا اور اس پر کجاوہ باندھ کر ایک ماہ سفر میں رہے اور شام کے ملک میں پہنچ کر عبداللہ بن انیس سے قصاص کے بارے میں ایک حدیث دریافت کی۔[2]

بہت سے علمائے سلف ایک حدیث کی خاطر طویل سفر اختیار کرنے سے مانوس تھے۔ حضرت سعید بن میتب متوفی ۱۰۵ھ فرماتے ہیں:

''میں ایک حدیث کی تلاش میں کئی کئی رات اور دن سفر میں گزار دیتا۔''[3]

ابو قلابہ متوفی ۱۰۴ھ کا قول ہے:

''میں مدینہ میں تین دن ٹھہرا۔ مدینہ جانے سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ ایک شخص کو ایک حدیث یاد تھی اور میں اس سے سننا چاہتا تھا۔''[4]

مشہور راوی مکحول متوفی ۱۱۲ھ کا درج ذیل واقعہ ایک حدیث کی خاطر طویل سفر اختیار کرنے کی واضح مثال ہے۔ اگرچہ ہم اس کو چنداں اہمیت نہ دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ معمولی بات نہیں۔ مکحول فرماتے ہیں:

''میں مصر میں بنی ہذیل کی ایک عورت کا غلام تھا۔ اس نے مجھے آزاد کر دیا میں اپنے گھر سے طلب علم کی خاطر نکلا اور میری دانست میں مصر میں جو علم تھا سب حاصل کر لیا پھر حجاز آیا اور وہاں کے اہل علم سے خوب استفادہ کیا۔ اسی طرح پھر عراق اور بعد میں شام گیا اور اس کا چپہ چپہ چھان مارا۔ میں لوگوں

---

[1] برک الغماد بکسر الغین۔ ابن درید کا قول ہے بضم الغین۔ یہ شہر مکہ سے جانب سمندر پانچ شب و روز کی مسافت پر واقع ہے۔ [معجم البلدان ج ۱۔ ص ۵۸۹]

[2] الجامع لاخلاق الراوی ج ۹ ص ۱۶۸ نیز تذکرۃ الحفاظ ترجمہ جابر بن عبداللہ ج ۱۔ ص ۴۳ نمبر ۲۱

[3] الجامع لاخلاق الراوی ج ۹ ص ۱۶۹۔ نیز تذکرۃ الحفاظ ترجمہ سعید بن میتب ج ۱ ص ۵۴۔ نمبر ۳۸

[4] الجامع لاخلاق الراوی ج ۹۔ ص ۱۶۹۔ ابو قلابہ کا نام عبداللہ بن زید الجرمی البصری تھا۔

Marfat.com

سے دریافت کرتا تھا کہ فوجیوں کو غنیمت سے زائد جو انعام دیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے مگر مجھے کچھ پتہ نہ چلا۔ دوران سفر میری ملاقات زیاد بن جاریہ تمیمی سے ہوئی۔ میں نے اس سے بھی وہی مسئلہ دریافت کیا۔ اس نے کہا میں نے حبیب بن مسلمہ الفہری سے سنا وہ کہتے تھے کہ میری موجودگی میں نبی کریم ﷺ نے آغاز جنگ میں مال غنیمت کی چوتھائی انعام کے طور پر دی اور لوٹتے وقت ایک تہائی مال غنیمت انعام میں دیا۔[1]

علمی پیاس بجھانے کے لئے عبدان[2] اٹھارہ مرتبہ مصر گئے تاکہ ایوب[3] کی منفرد روایات سن سکیں۔

طلب علم میں رحلت کے طور طریقے اشخاص و اقوام اور بلاد و امصار کے اعتبار سے مختلف تھے۔ بعض پیدل سفر کرتے تھے۔[4] بعض راویان حدیث نے پندرہ یا بیس سال کی عمر میں ہی رخت سفر باندھنے کا بیڑا اٹھایا۔[5]

بعض رواۃ حدیث کے متعلق یوں کہا گیا کہ "وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے طویل سفر طے کئے اور بڑی زحمت اٹھائی"۔[6]

---

1. دیکھئے سنن ابی داود ج ۳۔ ص ۱۰۶ حدیث نمبر ۲۷۵۰ نیز ابن ماجہ ج ۲۔ ص ۹۵۱۔۹۵۲ مکحول شام کے بہت بڑے عالم تھے انکا پورا نام ابوعبداللہ بن ابی مسلم الہذلی ہے۔ یہ حافظ حدیث اور فقیہ تھے۔ دیکھئے ترجمہ مکحول تذکرۃ الحفاظ ج ۱۔ ص ۱۰۷ حدیث نمبر ۹۶
2. عبدانؒ کا پورا نام احمد بن موسیٰ جوالیقی تھا۔ ان کی وفات ۳۰۶ھ میں ہوئی۔
3. دیکھئے معجم البلدان ج ۱۔ ص ۲۱۴۔ ایوب بہت بڑے عالم اور ثقہ راوی تھے ان کا پورا نام ایوب بن کیسان سختیانی اور کنیت ابوبکر تھی۔ ان کی وفات ۱۳۱ھ میں ہوئی۔
4. ابوموسیٰ جو بڑے حافظ و فقیہ تھے پیدل سفر کیا کرتے تھے ان کا نام عبداللہ بن عبدالغنی متوفی ۶۲۹ھ ہے۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۴۔ ص ۱۴۰۹
5. دیکھئے ترجمہ ابویعلی موصلی الفقیہ الحافظ متوفی ۳۰۷ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔ ص ۷۰۸ نیز محمد بن علی جن کا لقب النرسی متوفی ۵۱۰ھ تھا تذکرۃ الحفاظ ج ۴۔ ص ۱۲۶۱
6. مثلاً ابوالبرکات بن مبارک السقطی متوفی ۵۰۹ھ دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ج ۴۔ ص ۱۲۶۰

Marfat.com

بعض کے متعلق کہا گیا۔

''لَهٗ رِحْلَةٌ وَّاسِعَةٌ''[1]

''انہوں نے طویل سفر کر کے علم حاصل کیا۔''

یا یوں کہا گیا:

''اِنَّهٗ اَكْثَرَ التَّرْحَالَ''[2] یا ''لَهُ الْعِنَايَةُ التَّامَّةُ بِطَلَبِ الْحَدِيْثِ وَالرِّحْلَةِ''[3]

مگر حاصل سب کا ایک ہے بعض راویان حدیث کے بارے میں کہا گیا کہ

''فلاں راوی دس سال سے زیادہ سفر میں رہا۔''[4]

بعض محدثین کے بارے میں اس قسم کے الفاظ لکھے جاتے ہیں کہ ''سواریوں کو ہلاک کر کے ان کی خدمت میں حاضری دی جاتی ہے۔''[5] ''لوگ ان کے آستانہ کی جانب کوچ کرتے ہیں۔''[6]

یا یوں کہا گیا:

''ان کے زمانہ میں لوگ ان کی طرف کوچ کر کے جایا کرتے تھے۔''[7]

رحال اور رحالہ یا جوال اور جوالہ (بہت زیادہ سفر کرنے والا) کے القاب زیادہ تر ان محدثین کے ساتھ مخصوص تھے جنہوں نے طلب حدیث کے سلسلہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں اور بڑے طویل سفر طے کیے ہوں۔ قطع نظر اس سے کہ مطلوبہ احادیث کم ہوں

---

1. دیکھئے ترجمہ ابو یعقوب یوسف بن احمد بن ابراہیم صوفی شیرازی متوفی ۵۸۵ھ [تذکرۃ الحفاظ ج ۴۔ ص ۱۳۵۷] نیز ابن متویہ ابراہیم بن محمد اصبہانی متوفی ۳۰۲ھ [تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔ ص ۷۴۰]
2. مثلاً ترجمہ ترمذی الکبیر متوفی ۲۴۰ھ [تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔ ص ۷۴۰]
3. یہ فقرہ حافظ امام ابو حفص عمر بن بجیر ہمدانی سمرقندی محدث خراسان کے بارے میں کہا جاتا تھا۔ آپ ۳۱۱ھ میں فوت ہوئے [تذکرۃ الحفاظ ۲۔ ص ۷۳۲]
4. مثلاً حافظ علامہ شیخ الاسلام عماد الدین احمد بن محمد اصبہانی متوفی ۵۷۶ھ [تذکرۃ الحفاظ ج ۴۔ ص ۱۲۹۸]
5. معجم البلدان از یاقوت ج ۱۔ ص ۶۹۴
6. تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔ ص ۸۰۷
7. یہ الفاظ ابن حبیش ابو القاسم عبد الرحمن اندلسی متوفی ۵۸۴ھ کے متعلق کہے گئے تھے۔ دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ج ۴۔ ص ۱۳۵۴

Marfat.com

یا زیادہ۔ اس دور میں لوگ دریافت کرتے رہتے تھے کہ فلاں محدث کس قسم کی تکالیف سے دوچار ہوا ہے جس محدث کا لفظ کثرت اسفار کی وجہ سے ''طواف الاقالیم'' (جہاں گرد) پڑ گیا ہو؛ اس کو سب زبانوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ بعض کثیر الاسفار محدثین نے طلب حدیث کی راہ میں کئی مرتبہ شرق و غرب کی بادیہ پیمائی کی تھی۔ گولڈزیہر (GOLDZIHER) محدثین سے متعلق اخبار و واقعات کے انکار کا مبالغہ کی حد تک شائق ہے۔ مگر اس کے باوصف وہ کہتا ہے:

''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بعض محدثین نے چار مرتبہ مشرق و مغرب کی دشت پیمائی کی ان کی نگاہ میں انہوں نے مبالغہ سے کام نہیں لیا۔''[1]

وحدت نصوص پر کثرت اسفار کے اثرات

یہ ایک فطری امر ہے کہ طلب حدیث کی راہ میں سفر کرنے والوں نے بلاد اسلامیہ کے تعلقات مستحکم کرانے میں بڑی مدد دی۔[2] یہ مقصد کسی اور صورت میں ہرگز حاصل نہ ہوتا اسلامی بلاد و امصار میں ان کی سیاحت نے مشرق و مغرب کو جوڑ دیا۔ مشرق و مغرب کے ڈانڈے مل گئے۔[3] پورا عالم اسلامی ایک شہر بن گیا سب اہل اسلام

---

[1] (GOLDZIHER, TRAD. ISL.P.220)

[2] معجم البلدان از یاقوت ج ۳۔ ص ۵۲۸

[3] اس لیے کہ نقل مکانی کی بنا پر کسی ایک جگہ مقیم نہ رہ سکے۔ ایک ہی راوی کبھی عراق میں ہوتا اور کبھی شام میں۔ ابھی شام پہنچا اور اندلس کی طرف نقل مکانی کر گیا۔ جب اندلس پہنچا تو عازم مصر ہو گیا۔ کتب طبقات و رجال میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ فلاں راوی فلاں مقام کا باشندہ تھا اور اس نے فلاں جگہ اقامت اختیار کی۔ مثلاً نذار بن عبد العزیز بغدادی نے مصر کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ [تاریخ بغداد ج ۱۳۔ ص ۴۳۷] نائل بن نجیح حنفی بصری بغداد میں سکونت گزیں ہو گئے تھے۔ [تاریخ بغداد ج ۱۳۔ ص ۴۳۴] علی بن معبد الرقی مصر میں فروکش ہوئے۔ [تذکرۃ الحفاظ ۷۸۰ ج ۲۔ ص ۵۵۰] محدث جوزجانی دمشق میں رہنے لگے۔ [تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔ ص ۵۴۹] ابن واصل السدوسی البصری نے بغداد کو وطن بنا لیا۔ [تذکرۃ الحفاظ ج ۱۔ ص ۳۱۳] علی بن سعد عسکری رے نامی شہر میں مقیم ہو گئے۔ [تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔ ص ۷۴۹] احمد بن عبد اللہ عجلی کوفی طرابلس الغرب میں فروکش ہوئے [تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۶۰] مکی بن ابراہیم بلخی بغداد میں آ بسے تھے۔ [تاریخ بغداد ج ۱۳۔ ص ۱۱۸]

Marfat.com

میں ایک ہی طرح کے قواعد وضوابط اور تعلیمی طریقے رائج تھے تاہم طلب حدیث کے سلسلہ میں کثرت اسفار نے حدیث پر جو ظاہری ومعنوی اثر ڈالا وہ محدثین کے اوطان و بلاد پر ڈالے گئے اثرات سے کہیں زیادہ تھا۔

چنانچہ محدثین کی قریہ نوردی اور بادیہ گردی نے حدیث کو ایک ایسے متماثل و متشابہ رنگ میں رنگ دیا جس سے نصوص وتشریعات میں یک رنگی وہم آہنگی پیدا ہوگئی اگرچہ ان کے اصول روایت میں فرق ہوتا۔ خصوصاً جب ایک علاقہ کے رہنے والے کسی روایت میں متفرد ہوں اور دوسرے ملک کا کوئی شخص اس روایت میں ان کا سہیم وشریک نہ ہو۔ اختلاف بلاد کا کم از کم اثر یہ تھا کہ ایک ملک میں رہنے والے راویوں کے الفاظ دوسرے ملک کے راویوں سے مختلف ہوئے۔ مگر یہ مختلف روایات باہم قریب ہوتے ہوتے آخر ایک سانچہ میں ڈھل گئیں۔ اس کی حد یہ ہے کہ جو قاری وسامع ان مختلف روایات کو پہلی مرتبہ دیکھتا وہ یوں سمجھتا کہ ان کے راوی ایک ہی شہر کے رہنے والے ہیں مختلف شہروں کے نہیں۔

اس کی مثالیں بہت ہیں۔ ہم صرف حدیث ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' کی مثال پیش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ حدیث محدثین کی نگاہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے عبدالرحمٰن بن مہدی متوفی ۱۹۸ھ فرماتے ہیں:

''جو شخص بھی کوئی علمی کتاب تصنیف کرنا چاہتا ہو اس کو چاہیے کہ کتاب کا آغاز اس حدیث سے کرے۔''[۱]

امام بخاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''جو شخص کوئی کتاب لکھنا چاہتا ہو وہ اس کو حدیث ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ'' سے شروع کرے۔''[۲]

امام بخاری رحمۃ اللہ نے خود بھی اس بات پر عمل کیا اور اپنی کتاب صحیح بخاری کا آغاز

۱۔ الجامع لاخلاق الراوی ج ۱۰۔ ص ۱۹۳

۲۔ حوالہ مذکورہ بالا۔

Marfat.com

اس حدیث سے کیا۔ حضرت امام کی اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے متعدد علماء نے علم حدیث سے متعلق تصانیف کو اس حدیث سے شروع کیا۔

جب قاری محسوس کرتا ہے کہ اکثر محدثین نے حدیث مذکور کو اپنی تصانیف کا نقطہ غاز بنایا ہے اور اس کے الفاظ بھی کم و بیش یکساں ہیں۔ تو وہ اسے حدیث متواتر تصور لرنے لگتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ ایک بہت بڑے گروہ نے اس کو دوسرے بڑے گروہ سے روایت کیا ہوگا۔

حالانکہ محدث البزار[1] نے مسند میں لکھا ہے کہ اس روایت کی سند صحیح صرف ایک ی ہے جس کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صرف علقمہ نے روایت کی علقمہ سے صرف محمد نے اور محمد سے صرف یحییٰ[2] نے روایت کی۔ اس کے سوا اس حدیث کی کوئی سند صحیح نہیں ہے۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے روایت کرنے میں متفرد ہیں اس لئے یہ حدیث متواتر نہیں ہو سکتی۔[3] علاوہ ازیں یہ حدیث پہلے صرف مدینہ میں مشہور تھی۔ دیگر بلاد و امصار میں اس کی شہرت بعد میں ہوئی۔

نظر بریں مذکورہ صدر حدیث اس امر کی روشن دلیل ہے کہ طلب حدیث کے

---

[1] البزار بڑے مشہور حافظ تھے۔ ان کا نام احمد بن عمرو بن عبد الخالق اور کنیت ابو بکر ہے ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔ یہ دو کتابوں کے مولف ہیں۔ ❶ مسند صغیر ❷ مسند کبیر۔ اس کو "البحر الزاخر" اور "الکبیر المعلل" بھی کہتے ہیں۔ اس میں وہ بعض رواۃ حدیث کے تفرد پر گفتگو کرتے ہیں مثلاً یہ کہ حضرت عمر حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ" کی روایت میں متفرد ہیں۔ [الرسالۃ المستطرفہ ص ۵۱]

[2] دیکھئے التدریب سیوطی ص ۸۳۔ ابو القاسم بن مندہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے علاوہ سترہ صحابہ نے حدیث "انما الاعمال" روایت کی ہے۔ التدریب ص ۸۲ پر ان کے اسماء ملاحظہ فرمایئے۔ ان کے خیال میں حضرت عمر اس حدیث کی روایت میں متفرد نہیں ہیں اسی طرح اس حدیث کے دیگر راویوں میں سے کوئی بھی متفرد نہیں۔ [التدریب ص ۸۲]

حافظ عراقی نے اس حدیث کے بارے میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ البتہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور کی روایت میں جن صحابہ کا نام لیا گیا ہے انہوں نے بعینہٖ یہی حدیث روایت نہیں کی۔

[3] التدریب ص ۱۹۳

Marfat.com

سلسلہ میں سفر اختیار کرنے سے احادیث کی عبارت کے ہم رنگ و ہم آہنگ ہونے میں بڑی مدد ملی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوا کہ حدیث پر اقلیمی چھاپ کے بجائے ایک مشترک اور ہمہ گیر رنگ چھا گیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ کتب حدیث میں ایک موضوع سے متعلق روایات باہم مشابہ و متماثل ہوگئیں اور ان کا تخالف و تضاد رخصت ہوگیا۔ تاہم اس تماثل و تشابہ کے علی الرغم روایات میں باریک سا فرق باقی رہ گیا جس سے محدثین بخوبی آگاہ تھے۔ اس عجیب و غریب تماثل و تشابہ کی بڑی وجہ رواۃ حدیث کا باہمی میل جول اور تلقین و تدریس تھی۔ وہ آتے جاتے لوگوں کو حدیثیں سنایا کرتے تھے۔[1]

طلب حدیث کے سلسلہ میں کثرت اسفار سے نہ صرف یہ کہ احادیث کے الفاظ میں تشابہ و تماثل اور بعض اوقات یکسانی و یک رنگی پیدا ہوئی بلکہ اس سے بڑھ کر قانون و اعتقاد میں بھی وحدت کے آثار نمودار ہوئے۔ مثال کے طور پر ''انما الاعمال بالنیات'' سے علماء نے بہت سے فقہی مسائل استنباط کئے۔ جن میں سے یہ مسائل بھی ہیں کہ اسلام انسانی ضمیر سے برتاؤ کرنے میں کس قدر فراخ دلی اور وسعت و سہولت سے کام لیتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ ظاہری شکل و صورت کے بجائے باطنی اسرار و احوال پر اعتماد کرتا ہے۔[2]

جب طلب حدیث میں سفر و رحلت سے وحدت قانون و اعتقاد کے اثرات و نتائج کا ظہور ہوتا ہے تو اسانید میں تشدد برتنا نہایت ضروری ہوا تا کہ سند میں وارد شدہ ہر راوی کی پہچان ہو جائے۔ اس لئے کہ بقول علی بن المدینی[3] ''معرفۃ الرجال نصف

---

1. آتے جاتے احادیث سنانے کا محاورہ کتب تاریخ و تراجم میں عام طور سے مشہور ہے دیکھئے تاریخ بغداد ج ۱۳۔ ص ۱۱۸ اور ترجمہ مکی بن ابراہیم بلخی متوفی ۲۱۵ھ
2. اس ضمن میں عجیب تربات یہ ہے کہ مستشرق ابن الورد نے امام شافعی کے حوالہ سے حدیث ''انما الاعمال'' سے ستر مسائل استنباط کئے۔ ابن الورد کی یہ بحث نہایت جامع ہے۔ کیونکہ اس نے بلا تنقید و تبصرہ امام شافعی کے نظریات کو بیان کر دیا ہے۔ اور اگر وہ نقد و جرح کا آغاز کرنے لگتا تو دیگر مستشرقین کی طرح جادہ حق سے برگشتہ ہو جاتا۔
3. الجامع لاخلاق الراوی ج ۹۔ ص ۱۶۴

Marfat.com

العلم'' (رجال کی پہچان آدھا علم ہے۔) یہی وجہ ہے کہ جو محدث اس بات کا دعویٰ دار ہو کہ اس نے طلب حدیث میں بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اس کی روایت قبول کرنے کے لئے محدثین نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ سلسلہ سند کے تمام راویوں کے نام اپنے حافظہ کی مدد سے گنائے۔ پھر آخر میں اپنا نام ذکر کرے تاکہ اس کی صداقت بیانی کا اظہار ہو اور اگر کوئی راوی اس طرح سند بیان نہ کر سکے تو اس کی بیان کردہ حدیث ناقابل احتجاج ہو گی۔[1] خواہ وہ بڑا وسیع العلم اور فاضل ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ[2] ابن لہیعہ متوفی ۱۷۴ھ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''ابن لہیعہ بہت بڑے امام اور دیار مصر کے قاضی تھے۔''[3]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ابن لہیعہ کے بارے میں فرمایا:

''ابن لہیعہ کے سوا مصر میں کوئی محدث نہ تھا۔''[4]

مگر موجب حیرت و استعجاب ہے کہ امام ذہبی خود ہی ابن لہیعہ جیسے محدث کبیر کو تساہل و تغافل کا مرتکب ٹھہراتے ہیں۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:

''ابن لہیعہ کی روایت سے احتجاج نہیں کر سکتے۔ البتہ کسی دوسری روایت کی تائید و متابعت میں پیش کر سکتے ہیں۔ ابن لہیعہ وسعت علمی کے باوصف حافظ و ضابط نہ تھے۔''[5]

---

[1] الکفایہ للخطیب البغدادی ص ۱۵۲ پر ایک باب باندھا گیا ہے جس کا عنوان ہے ''فی ترک الاحتجاج بمن عرف بالتساھل فی روایۃ الحدیث'' (جو راوی روایت حدیث میں سہل انگاری کا خوگر ہو اس کی روایت سے ترک احتجاج کے بارے میں۔)

[2] امام ذہبی کا پورا نام شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الترکمانی الذہبی ہے آپ کی مشہور ترین تصانیف میزان الاعتدال اور تذکرۃ الحفاظ ہیں۔ آپ ۷۴۸ ہجری میں فوت ہوئے۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ا۔ ص ۲۳۸

[4] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۳۸

[5] تذکرۃ الحفاظ ج ا۔ ص ۲۳۹

Marfat.com

خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

''ابن لہیعہ اخذ حدیث میں سہل انگاری سے کام لیتے تھے ان کے پاس جو کتاب بھی لائی جاتی اس سے دوسروں کو حدیثیں سنانے لگتے۔ اسی لئے ان کی عام مرویات منکر ہیں۔''[1]

یحییٰ بن حسان کا قول ہے:

''کچھ لوگ آئے ان کے پاس ایک کتاب تھی۔ کہنے لگے ہم نے فلاں حدیث ابن لہیعہ سے سنی ہے جب میں نے وہ کتاب دیکھی تو اس میں ابن لہیعہ کی کوئی روایت نہ تھی میں نے ابن لہیعہ سے جا کر کہا کہ جو روایتیں آپ نے ان کو لکھوائی ہیں ان میں آپ کی تو کوئی روایت نہیں نہ آپ نے ایسی کوئی حدیث کسی سے سنی ہے۔ ابن لہیعہ کہنے لگے میں کیا کروں؟ میرے پاس کوئی کتاب لا کر کہتے ہیں کہ یہ آپ کی حدیث ہے میں وہ بیان کرنے لگتا ہوں۔''[2]

اس میں شبہ نہیں کہ طلب حدیث میں سفر کرنے والوں کے متعلق مبالغہ آمیز واقعات بھی مشہور ہیں اگرچہ اصالۃً وہ واقعات صحیح الاسناد ہوتے ہیں مگر آگے چل کر مبالغہ آمیزی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حجاج بن شاعر کا بیان ہے:

''میری والدہ نے ایک سو روٹیاں پکا کر ایک تھیلہ میں ڈال دیں میں مدائن کے شہر میں شبابہ نامی محدث کے یہاں آیا۔ اور سو دن ان کے دروازہ پر مقیم رہا۔ روزانہ ایک روٹی نکالتا اور دجلہ کے پانی میں بھگو کر کھا لیتا۔ جب روٹیاں ختم ہو گئیں تو میں مدائن سے چل دیا۔''[3]

---

۱ الکفایہ ص ۱۵۲

۲ الکفایہ ص ۱۵۲

۳ طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلیٰ ص ۱۰۶ تحقیق احمد بن عبید مطبع الاعتدال دمشق ۱۳۵۰ ہجری

Marfat.com

احمد بن الفرات[۱] فرماتے ہیں:

"میں نے ۱۱۰۷ اساتذہ سے حدیثیں سن کر تحریر کیں۔"[۲]

مگر یہ عجیب بات ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی تالیف کے دوران بایں ہمہ عظمت وجلالت ایک ہزار سے کچھ زائد اساتذہ سے استفادہ کیا تھا۔[۳]

ابوعبداللہ بن مندہ متوفی ۳۹۵ھ کے بارے میں مشہور ہے کہ:

"وہ جہاں گرد محدثین کے سرخیل تھے جب طلب حدیث کے سلسلہ میں طویل سفر سے لوٹے تو ان کے پاس جو کتابیں تھیں وہ کئی اونٹوں پر لادی جاسکتی تھیں بعض کے نزدیک ان کے پاس چالیس بار شتر کتابیں تھیں۔"[۴]

کتب حدیث کی تالیف و تدوین کے بعد بھی طلب حدیث کی راہ میں سفر و رحلت کا سلسلہ جاری رہا کتب حدیث کی تدوین کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو لوگ احادیث کی تحصیل میں صعوبات سفر کے متحمل نہیں ہو سکتے ان کے لئے سہولت پیدا ہو جائے۔ جو لوگ علم کی عظمت وجلالت کے رسیا تھے وہ کتابوں کے قانع نہیں ہو سکتے تھے بلکہ ان کی سب سے بڑی آرزو حدیث نبوی کی تلاش میں سفر کی صعوبتیں اٹھانا تھا۔

حدیث کو ذریعہ معاش بنانے کے سلسلہ میں سفر

جب کہ بہت سے محدثین وسعت علم کے لئے حدیث کا علم حاصل کرتے تھے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے حدیث نبوی کو ذریعہ معاش بنالیا تھا۔

۱۔ احمد بن الفرات رازی اصبہان کے بڑے محدث وحافظ اور صاحب تصانیف عالم تھے آپ نے ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔ ص ۵۴۴

۳۔ امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک ہزار سے کچھ زیادہ شیوخ حدیث سے استفادہ کیا۔ اور صرف انہی محدثین کی حدیثیں رقم کیں جو ایمان کو قول وعمل کا مجموعہ قرار دیتے تھے۔" دیکھئے شذرات الذہب واقعات ۲۵۶ھ ج ۲۔ ص ۱۳۴ نیز تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔ ص ۵۵۵

۴۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۳۔ ص ۱۰۳۲ نیز الکفایہ ص ۱۵۶

Marfat.com

یعقوب بن ابراہیم بن سعد کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث یاد تھی جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے پانی میں بحالت نجاست غسل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یعقوب یہ حدیث ایک دینار کے عوض سنایا کرتے تھے۔[1]

ابو نعیم فضل بن دکین جو بڑے حافظ حدیث اور ثقہ[2] راوی تھے ان کا معاملہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔ وہ تلامذہ سے معاوضہ وصول کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے شاگرد رشید علی بن جعفر بن خالد کہتے ہیں:

''ہم حدیث لکھنے کی خاطر ابو نعیم فضل بن دکین کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہ ہم سے کھرے درہم وصول کیا کرتے تھے جب ہمارے پاس ناقص درہم ہوتے تو اس کے عوض اور درہم وصول کرتے۔''[3]

شعبہ بن الحجاج[4] حدیث کے طلبہ کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ دولت مند رواۃ حدیث سے حدیثیں سنا کرو۔ اس لئے کہ تونگر آدمی جھوٹ سے بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے:

''زیاد بن مخراق سے حدیثیں سنا کرو وہ غنی آدمی ہے اس لئے جھوٹ نہیں بولتا۔''

شعبہ علی بن عاصم کو مخاطب کر کے کہا کرتے تھے:

''عمارہ بن ابی حفصہ کی شاگردی اختیار کیجئے۔ اس لئے کہ وہ غنی آدمی ہے۔ اور جھوٹ نہیں بولتا''

اس کے جواب میں علی بن عاصم یوں گویا ہوتے:

''بہت سے دولت مند آدمی جھوٹ بولنے کے عادی ہوتے ہیں۔''[5]

---

1. سنن نسائی بشرح سیوطی ج ۱۔ص ۴۹ نیز الکفایہ ۱۵۶
2. دیکھئے تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱۔ص ۳۷۲
3. الکفایہ ص ۱۵۶ نیز الباعث الحثیث ص ۱۱۶
4. ان کا نام شعبہ بن حجاج بن ورد العتکی الازدی الواسطی اور کنیت ابو بسطام ہے یہ بصرہ کے بڑے محدث تھے اور امیر المومنین فی الحدیث کہلاتے تھے۔ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا انہوں نے چار سو تابعین سے حدیثیں سنی تھیں یہ ۱۶۰ھ میں فوت ہوئے۔
5. الکفایہ۔ص ۱۵۵

Marfat.com

شعبہ اپنی رائے کی تائید مزید میں فرماتے:

"فقراء سے کچھ نہ لکھا کرو۔"[۱]

مختلف ادوار میں محدثین نے حدیث کو تجارت بنانے والے کی سخت مخالفت کی وہ حدیث کے طلبہ کو ان الفاظ میں نصیحت کیا کرتے تھے۔

"ابن آدم! بلا معاوضہ تعلیم دو جیسے تم کو بلا معاوضہ تعلیم دی گئی۔"[۲]

وہ اس کی دلیل یہ دیتے تھے کہ آسمانی کتابوں میں مفت تعلیم دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ ابوالعالیہ نے فرمایا:

"کتب مقدسہ میں لکھا ہے کہ جیسے تمہیں مفت تعلیم دی گئی اسی طرح تم بھی بلامعاوضہ تعلیم دیا کرو۔"[۳]

آسمانی کتابوں میں اس کی صحیح اصل عام طور سے معروف ہے۔ کتاب مقدس کے آخری باب میں لکھا ہے

"میں نے خدا کے حکم سے تمہیں تعلیم دی ہے۔"[۴]

دینی تعلیم پر اجرت وصول کرنے کی حرمت کے اثبات میں بعض اوقات حدیث نبوی سے بھی احتجاج کرتے ہیں۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بعض اہل صفہ کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔ طلبہ میں سے ایک نے ہدیہ تشکر کے طور پر ان کی خدمت میں ایک کمان پیش کی۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ہدیہ کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے غضب ناک ہو کر فرمایا:

"اگر تم چاہتے ہو کہ اس کے عوض تمہیں آگ کا طوق پہنایا جائے تو اسے قبول کر لو۔"[۵]

۱۔ الکفایہ۔ ص ۱۵۶

۲۔ الکفایہ۔ ص ۱۵۴

۳۔ الکفایہ۔ ص ۱۵۳

۴۔ گولڈزیہر نے اپنی کتاب کے ص ۲۲۵ کے حاشیہ نمبر ۳ پر اس امر کی صحت کی جانب اشارہ کیا ہے۔

۵۔ سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۳۶۰ حدیث نمبر ۳۴۱۶ کتاب الاجارہ باب فی کسب المعلم

Marfat.com

علماء اور رواۃ حدیث پر ایسی حدیثوں کا بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ اگر حدیث کا طالب علم کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اسے قبول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اسے رشوت قرار دیتے۔ علماء ان سے اقرار لیتے کہ وہ حدیث کے عوض انہیں کوئی ہدیہ پیش نہیں کریں گے۔

محمد بن حجاج سے مروی ہے کہ ایک شخص حماد بن سلمہ (متوفی ۱۶۷ھ) سے حدیثیں سنا کرتا تھا وہ چین گیا اور واپسی کے وقت حماد کے لئے تحفہ لایا۔ حماد نے کہا دو باتوں میں سے جونسی بات چاہو اختیار کرلو۔ اگر چاہو تو میں تمہارا ہدیہ قبول کرلوں گا۔ مگر آئندہ کبھی تمہیں حدیث نہیں سناؤں گا۔ اور اگر چاہو تو تمہیں حدیث کی تعلیم دیتا رہوں گا۔ اور ہدیہ قبول نہیں کروں گا۔ اس نے کہا آپ ہدیہ بے شک قبول نہ کریں مگر مجھے حدیث کی تعلیم دیتے رہیں۔[1]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بھی حدیث کو ذریعہ معاش بنانے کی حرمت واضح ہوتی ہے:

> ''امام احمد سے سوال کیا گیا کہ جو شخص حدیثیں فروخت کرتا ہو کیا اس سے روایت کرنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔''[2]

یہ ضروری نہیں کہ حدیث نبوی کو ذریعہ معاش بنانے والے سب لوگ جھوٹے اور وضاع احادیث ہوں۔ بخلاف ازیں بہت لوگ ان میں سے نہایت ثقہ راوی اور حفظ و ضبط میں کافی شہرت رکھتے تھے۔ دنیوی مال و دولت ایک ایسی چیز ہے جو اچھے بھلے آدمی کو حق و صداقت سے برگشتہ کردیتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان لوگوں کا اپنا ایک حلقہ تھا۔ ان لوگوں نے طلب حدیث کی راہ میں لاتعداد مصائب جھیلے اور سخت مشکلات سے دوچار ہوئے تھے۔ نہ فقر و افلاس ان کی راہ میں حائل ہوسکا۔ نہ صعوبات سفر اور راستہ کے خطرات ان کے عزائم میں سنگ راہ ہوئے۔ صحرا اور اس کی گرمی سمندر اور اس کی موجیں ان کے نزدیک یکساں تھیں۔

---

1. الکفایہ ص ۱۵۳
2. الکفایہ ص ۵۴

Marfat.com

وہ طلب علم کو جہاد تصور کرتے' اور اس کی راہ میں مرنے والے کو شہید قرار دیتے تھے۔[۱]

اس کے عین برعکس جو لوگ ان سے حدیث کا علم حاصل کر رہے تھے وہ اپنے گھروں میں رہ کر امن و راحت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے برابر ہو جائیں۔ ہماری کتب حدیث میں ایسے واقعات موجود ہیں جو ان اصول و مناہج کی جانب اشارہ کرتے ہیں جن کی پیروی رواۃ حدیث اس لئے کرتے تھے کہ احادیث کو مکمل طور سے جمع کر سکیں۔ یہ اصول و قواعد ان کے لئے بیش بہا محنت و مشقت کے موجب ہوتے تھے۔ دور حاضر میں ان اصول و قواعد کا موازنہ ناشرین کے طرز و انداز سے کیا جا سکتا ہے جو مخطوطوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں اور بڑی محنت سے انہیں تلاش کر کے پھر گراں قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔

جس طریقہ سے علماء نے علی ابن الجعد متوفی ۲۳۰ھ کی روایات تک رسائی حاصل کی تھی اس سے بڑی حد تک یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث کی تجارت کرنے والوں کے یہاں ان دنوں کون سا فلسفہ کارفرما تھا۔

ابوالفضل بن طاہر مقدسی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے رفیق ابوالقاسم رہبۃ اللہ بن عبدالوارث شیرازی سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں بغداد آیا اور جس قدر حدیثیں شیوخ حدیث سے سن سکتا تھا سنیں۔ پھر عازم موصل ہوا اور صریفین پہنچ کر ایک مسجد میں شب باش ہوا۔ اسی اثناء میں ابومحمد نے آ کر نماز پڑھائی۔ میں نے آگے بڑھ کر پوچھا کیا آپ کو کچھ حدیثیں یاد ہیں؟ اس نے کہا میرے والد مجھے ابوحفص کتانی' ابن حبابہ اور دیگر محدثین کے پاس اٹھا کر لے جایا کرتے تھے میرے پاس حدیث کے چند اوراق موجود ہیں میں نے کہا دکھایئے؟ انہوں نے ایک بستہ نکالا اور اس میں دیگر کتب کے علاوہ ابن الجعد کی کتاب بھی تھی۔ وہ میں نے ان کو پڑھ کر سنائی۔ پھر میں نے بغداد والوں کو لکھا وہ ان کے یہاں آئے یہاں تک کہ بغداد کے اکابر نے بھی ان کے یہاں

---

[۱] ضحی الاسلام ج ۲ ص ۷۲

Marfat.com

حاضری دی ابو محمد ہے جن لوگوں نے بھی حدیثیں سنیں وہ سب ابو القاسم شیرازی کے مرہون منت تھے وہ علم حدیث میں بڑے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔[1]

سال پر سال گزرتا گیا اور نئی نئی قومیں صفحہ کائنات پر ابھرتی گئیں اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ طلب حدیث کے سلسلہ میں جو علمی سفر طے کیے جاتے تھے محض نمائش بن کر رہ گئے اور ان کا مقصد وحید نیک نامی اور شہرت کا حصول رہ گیا چنانچہ بعض ایسے لوگ بھی دور دراز مقامات کا سفر طلب حدیث کے لئے نہیں صرف ناموری کے لئے اور اس لئے اختیار کرنے لگے کہ ان کا نام سلسلہ اسناد میں مندرج ہو جائے ایسے لوگ خاص طور سے وہ حدیثیں سناتے جو لوگوں میں مشہور نہیں ہوتی تھیں یہ نمائشی سفر...... اگر یہ تعبیر و بیان درست ہے...... تیسری صدی ہجری میں بہت عام ہو گئے اور پانچویں صدی ہجری میں اس سے بدترین نتائج ظہور پذیر ہوئے۔ نتیجہ کے طور پر بااخلاص علماء یہ دیکھ کر چیخ اٹھے اور پوری قوت سے اس کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔

روایت حدیث میں لا پرواہی کرنے والوں کا مقابلہ

جو علماء حدیث سہل انگاری سے کام لینے والوں کے سامنے سینہ سپر ہوئے ان میں امام ابوبکر احمد المعروف خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ کا نام قابل ذکر ہے۔ خطیب بغدادی نے اس رسوا کن حالت کی جانب اشارہ کیا ہے جس میں وہ لوگ مبتلا ہو گئے تھے جو جھوٹ موٹ اپنے آپ کو راویان حدیث میں شمار کرتے تھے چنانچہ وہ اپنی کتاب ''الکفایہ فی علم الروایہ'' کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

> ''ہمارے زمانہ میں ایک گروہ نے اپنی پوری قوت احادیث کی جمع و تدوین میں صرف کر دی ہے حالانکہ وہ راوی و مروی روایات صحیحہ و ضعیفہ کی پہچان استنباط احکام اور ان میں بیان کردہ حلال و حرام کے سلسلہ میں متقدمین کی راہ پر گامزن نہیں ہیں۔
>
> بخلاف ازیں وہ صرف حدیث کے نام پر قانع ہیں۔ ان کے پیش نظر صرف

[1] معجم البلدان از یاقوت ج ۳ ص ۳۸۵

Marfat.com

احادیث کو اوراق پر لکھ لینا ہے اور بس۔ وہ ناتجربہ کار ہونے کے باوجود کتب حدیث کے حامل ہیں طلب حدیث کی راہ میں وہ طویل سفر برداشت کرتے اور تکالیف شاقہ سے دوچار ہوتے ہیں نہ انہیں تھکان کی پرواہ' نہ بار بار رحلت و قیام کا احساس' نہ مال و جان کا خیال نہ خطرات کا ڈر' سر کے بال پراگندہ ہیں' چہرے کا رنگ زرد' بدن لاغر اور پیٹ خالی' سند عالی کو تلاش کرنے کی دھن میں شب و روز سفر کیے جاتے ہیں اس کے سوا کوئی مقصد پیش نظر نہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ وہ ناقابل اعتماد اور ان لوگوں سے بھی روایات اخذ کرلیتے ہیں جو کسی طرح بھی اس امانت کے اہل نہیں سمجھے جاتے وہ ایسے لوگوں سے بھی روایت کرتے ہیں جو صحیح و سقیم روایت میں امتیاز نہیں کرسکتے۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ ان لوگوں کی روایت سے بھی احتجاج کرتے ہیں جو اپنے صحیفہ کو پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ انہیں شرائط روایت کا کچھ علم ہوتا ہے۔ وہ سماع و اجازہ مسند و مرسل مقطوع و متصل کے فرق و امتیاز سے بھی ناآشنا ہیں۔ ان کی کم سوادی کا یہ عالم ہے کہ اپنے استاد کا نام بھی دوسروں سے پوچھ کر بتاسکتے ہیں۔ وہ فاسق لامذہب بدعتی اور فاسد العقیدہ لوگوں سے روایات اخذ کرنے میں بھی کوئی باک نہیں سمجھتے۔ وہ ایسی روایات کو نہ صرف جائز بلکہ واجب العمل قرار دیتے ہیں۔ بشرطیکہ سماع ثابت ہو اور سند عالی ہو۔" [الکفایہ ص ۳-۴]

نقاد حدیث کے فنی کمال کا یہ تقاضا تھا کہ غریب و منکر حدیثیں روایت کرنے والوں کا نمائشی ورع و تقویٰ اور کثرت عبادت کسی کام نہ آئی۔ محدثین کو اللہ تعالیٰ نے جس بصیرت و فراست سے نوازا تھا وہ کسی طرح بھی الہام سے کم نہ تھی۔ اسی الہامی بصیرت کی بنا پر وہ ایسے لوگوں کی روایات سے احتراز کرتے تھے۔ بعض اوقات ان کا یہ حذر و احتیاط اپنے نقطہ کمال کو پہنچ جاتا اور وہ ایسی روایات کے پڑھنے اور پڑھانے کو

Marfat.com

ممنوع قرار دے دیتے تھے۔

مثال کے طور پر معلیٰ بن ہلال بڑے عابد مشہور تھے اور روزانہ سو رکعت نماز ادا کرتے تھے محدثین نے ان کی روایات کو فسق یا قلت ضبط کی وجہ سے مردود قرار نہیں دیا بلکہ اس لئے کہ وہ اکثر غریب احادیث روایت کیا کرتے تھے۔[1]

نقاد حدیث مشاہیر کی روایت کو بنظر استحسان دیکھتے تھے جب لوگ یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ''بہترین روایت'' بیان کی تو وہ اس کو ناپسند کرتے۔ ناپسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں غریب حدیث کو ''نہایت پسندیدہ''[2] قرار دیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ غریب حدیث میں جدت ہوتی ہے جو لوگوں میں عام اور معروف احادیث[3] کی نسبت زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ خصوصاً عوام غریب احادیث کے زیادہ شائق ہوتے ہیں کیونکہ جو چیز انہیں پہلے معلوم نہ ہو وہ ان کی نگاہ میں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے مشہور راوی شعبہ بن حجاج سے دریافت کیا گیا کہ آپ عبد الملک بن ابی سلیمان سے روایت کیوں نہیں کرتے حالانکہ وہ بہت ''اچھی روایات'' بیان کرتے ہیں؟ وہ کہنے لگے ان کی روایات کے حسن ہی سے میں نے راہ فرار اختیار کی ہے۔[4]

حدیث غریب کے ذکر و بیان سے راہ فرار اختیار کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ علماء اس تدلیس سے ڈرتے تھے جس میں غریب اور منکر احادیث روایت کرنے والے دانستہ واقع ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے راوی دیگر رواۃ حدیث کی نسبت جملہ انواع تدلیس کے زیادہ مرتکب ہوتے ہیں۔ ان کے پیش نظر حدیث کی صحت سے زیادہ اس کی غرابت ہوتی ہے اور وہ اتصال سند سے زیادہ ندرت کے طلب گار ہوتے ہیں اس کے لئے وہ بڑے بڑے خطرات سے بھی نہیں جھجکتے۔ اس سے ان کا مقصود خواص و عوام پر اظہار فخر کرنا اور ان پر اپنی اہلیت و صلاحیت کا سکہ جمانا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ نقاد حدیث کی نگاہ

---

1. الجامع لاخلاق الراوی ج ۷۔ ص ۱۲۷۔ خلیب بغدادی فرماتے ہیں ''ان میں صرف غریب حدیثیں روایت کرنے کا عیب تھا۔''
2. الجامع ج ۷۔ ص ۱۲۷
3. الجامع ج ۷۔ ص ۱۲۷
4. حوالہ مذکور

Marfat.com

میں ایسے لوگ کچھ اہمیت نہیں رکھتے اور ان کو مطعون العدالت اور جھوٹے قرار دیا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو غریب احادیث کی تلاش کرتا ہے اسے جھوٹا سمجھا جاتا ہے۔''[1]

یہ ایک فطری بات ہے کہ جو شخص غریب احادیث کی طلب و تلاش میں تدلیس کا مرتکب ہوتا ہے نقاد حدیث کی نگاہ میں جرح و قدح کا مورد بنتا ہے مدلس بہت جلد رسوا ہو جاتا اور اس کے عیوب کا پردہ چاک ہو جاتا ہے[2] جب وہ رسوا ہو جاتا ہے اور عام لوگ اس کی دروغ گوئی سے آگاہ ہو جاتے ہیں تو اس کی سچی باتوں پر بھی اعتماد نہیں کیا جاتا اور کوئی شخص اس کی تعریف نہیں کرتا۔[3] اس کے بعد اس کی روایت کبھی قبول نہیں کی جاتی۔[4]

احادیث نبویہ میں کبر و فخر کی بناء پر تدلیس کرنے والے بعض اوقات بڑے رسوائے زمانہ ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض اوقات کئی راوی دعویٰ کرتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص سے حدیث سنی۔ حالانکہ وہ اس سے ملا بھی نہیں ہوتا۔ اشخاص و مقامات کے نام از خود گھڑے جاتے ہیں مروی عنہ میں ایسے اخلاق و صفات کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے جن سے وہ یکسر عاری ہوتا ہے۔

عفیر بن معدان کلاعی بیان کرتے ہیں کہ عمر بن موسیٰ ہمارے پاس حمص میں آئے ہم مسجد میں ان کے پاس جمع ہوئے تو وہ کہنے لگے تمہارے صالح استاد نے ہمیں حدیث سنائی'' جب انہوں نے کئی دفعہ یوں کہا تو میں نے کہا ''ہمارے صالح استاد سے

---

[1] الجامع ج ۸۔ ص ۱۳۶

[2] سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ فرماتے ہیں ''حدیث روایت کرنے میں جو شخص جھوٹ بولتا ہے وہ رسوا ہو جاتا ہے'' [الکفایہ ص ۱۱۷]

[3] حضرت عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ فرماتے ہیں ''جھوٹے کی سزا یہ ہے کہ اس کی سچی باتوں کو بھی رد کر دیا جائے'' بعض لوگوں کا قول ہے کہ ''فاسق اور بدعتی کی سزا یہ ہے کہ اس کی تعریف نہ کی جائے۔'' [الکفایہ ص ۱۱۷]

[4] الکفایہ۔ ص ۱۱۸

Marfat.com

آپ کی مراد کیا ہے؟ اس کا نام بتایئے تاکہ ہم پہچان سکیں'' اس نے کہا ''خالد بن معدان'' میں نے کہا ''آپ ان سے کس سال ملے تھے؟'' اس نے کہا ''میں ان سے ۱۰۸ھ میں ملا تھا'' میں نے کہا ''اے شیخ! خدا سے ڈر اور جھوٹ نہ بول۔ خالد بن معدان ۱۰۴ھ میں فوت ہوئے تھے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ ۱۰۸ھ میں ان سے ملے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ان کی وفات کے چار سال بعد ان سے ملے۔ ایک اور بات بھی ہے کہ خالد بن معدان آرمینیہ کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ البتہ انہوں نے رومیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا۔''[1]

مذکورہ صدر واقعہ اس حقیقت کی آئینہ داری کرتا ہے کہ مروی عنہ (جس سے روایت کی گئی ہو (استاد شیخ) کی تاریخ وفات سے ناواقفیت کذب اور تدلیس میں مبتلا ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ اسی لئے نقاد حدیث نے راویوں کی پہچان ان کی تاریخ و طبقات سے آگاہی اور ان کی تاریخ ولادت و وفات سے آشنائی کو ضروری قرار دیا ہے۔ سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

''جب رواۃ حدیث نے دروغ گوئی سے کام لینا شروع کیا تو ہم تاریخ کو استعمال کرنے لگے۔'' [الکفایہ۔ص ۱۱۹]

---

1. الکفایہ ص ۱۱۹

ہمارے خیال میں یہ کذب و جہالت کچھ زیادہ عجیب نہیں۔ اس لئے کہ عمر بن موسیٰ ایک مجہول الحال راوی ہے جس کے بارے میں ہم بہت کم جانتے ہیں۔ مگر تعجب خیز تو یہ امر ہے کہ عبد الکریم سمعانی متوفی ۵۶۳ھ صاحب کتاب الانساب جیسا شخص بھی بقول ابوالفرج ابن الجوزی صریح جھوٹ اور بدترین تدلیس کا ارتکاب کرنے لگے۔ ایک دن عبد الکریم سمعانی نے بغداد میں اپنے ایک استاد کا ہاتھ پکڑا اور اسے نہر عیسیٰ کے پار لے گئے۔ پھر یہ کہہ کر روایت حدیث کرنے لگے کہ میں نے ''ماوراء النہر'' (نہر کے پار) فلاں شیخ سے یہ حدیث سنی وہ سامعین کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ میں نے ''ماوراء النہر'' نامی علاقہ میں یہ حدیث سنی۔ حالانکہ بظاہر اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو شیخ نہر کے اس پار کھڑا ہے میں نے اس سے فلاں حدیث سنی۔

جب مشہور مستشرق گولڈزیہر نے یہ واقعہ الکامل ابن الاثیر ج ۱۱ ص ۱۲۵ میں دیکھا تو عام مستشرقین ←

Marfat.com

حدیث کے ناقدین نے جھوٹے راویوں کو رسوا کرنے اور ان کی وضع و تدلیس کا پردہ چاک کرنے کے لئے ملکی اور علاقائی تعیین کا بھی آغاز کر دیا تھا چنانچہ جب محدثین کی اسناد میں ایسے رواۃ حدیث کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے رحلت و سیاحت میں عام حصہ لیا ہو تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ انہوں نے وہ حدیث کس شہر میں بیان کی ہے۔[1]

خلاصہ کلام یہ کہ طلب حدیث کی راہ میں رحلت و سفر کس حد تک بھی تجارت و معاش اور شہرت و افتخار کا باعث ہو اس میں شک و شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ ایسے متقی لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جو محض رضائے الٰہی کے لئے حدیثیں روایت کرتے تھے۔ ان لوگوں نے کائنات ارضی کو سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے بھر دیا تھا۔ ایسے لوگ ہر زمان و مکان میں اس کثرت سے تھے کہ نہ وہ گمنام رہ سکتے تھے۔ نہ نظر انداز کئے جا سکتے تھے

← کی طرح اسے آب و رنگ دے کر بیان کیا جس سے اس کا مقصد احادیث نبویہ کو مشکوک ثابت کرنا ہے البتہ یہ بات ہے کہ وہ جلد ہی الٹے پاؤں لوٹ آیا جب اس نے دیکھا کہ ابن الاثیر نے جہاں یہ واقعہ تحریر کیا اس کے ساتھ ہی ابن الجوزی کی تردید کر دی کہ سمعانی کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند ہے کہ وہ جھوٹ بولنے لگیں۔ سمعانی درحقیقت ماوراء النہر کے علاقہ میں تحصیل علم کے لئے گئے تھے اور وہاں ان کے شیوخ و اساتذہ موجود تھے۔ جب کہ ابن الجوزی حنبلی تھے یہ بات عام طور سے معروف ہے کہ ابن الجوزی احادیث کو موضوع قرار دینے میں عجلت سے کام لیا کرتے تھے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ابن الجوزی کی موضوعات ناقابل اعتماد ہیں۔

[1] اس کی مثالیں ملاحظہ فرمایئے محمد بن احمد عیاضی اور حسن بن حفص نہروانی نے یہ حدیث سمرقند میں بیان کی [تاریخ بغداد۔ ج ۱۳۔ ص ۴۳۶] ابوالفضل عمر بن ابی سعد ہرویؒ نے ہمیں بتایا کہ عبدالعزیز بن جعفر حریری نے بغداد میں ہمیں حدیث سنائی [الکفایہ۔ ص ۱۲۳] ابوالعباس محمد بن احمد محبوبی نے مرو میں ہمیں یہ حدیث سنائی [الجامع ج ۸۔ ص ۱۵۷] امام بخاری نے بغداد میں بہت سے محدثین سے سنا جن میں امام احمد بن حنبل بھی شامل تھے [شذرات الذھب ج ۲۔ ص ۵۷۔ ۶۰] امام بخاری نے مکہ میں حمیدی سے سنا [طبقات الشافعیہ ص ۵] یہی وجہ ہے کہ محدثین راوی سے اس جگہ کا نام بھی پوچھا کرتے تھے جہاں اس نے حدیث سنی [الجامع ج ا ص ۱۷]

Marfat.com

اور نہ تاریخ ان کو فراموش کرسکتی ہے۔ روایات کے قبول کرنے میں محدثین کی دقت نظر اور عمق فکر کی یہی دلیل کافی ہے کہ حدیث رسول ﷺ کے علاوہ عام معاملات میں جو شخص دروغ گوئی کا عادی ہوتا تھا محدثین اس کی روایت قبول نہیں کرتے تھے۔[1] محدثین کم عقل آدمی کی روایت بھی قبول نہیں کرتے تھے۔[2] جو شخص لایعنی گفتگو کرتا یا ناشائستہ اور نازیبا الفاظ بولتا محدثین اس کی روایت کو مردود قرار دیا کرتے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نضر بن مطرف کی روایت قبول نہیں کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ یحییٰ بن سعید القطان متوفی ۱۱۳ھ نے اس سے روایت کرنا ترک کردیا تھا۔ یحییٰ نے نضر کی روایت قبول نہ کرنے کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی۔

''چونکہ نضر کی ماں بدکار ہے اس لئے میں اس سے روایت نہیں کرتا۔''[3]

اسی قسم کی ایک روایت شعبہ بن حجاج متوفی ۱۶۰ھ سے بھی منقول ہے فرماتے ہیں:

''جو شخص مکہ سے وارد ہوتا میں فوراً اس سے ابوالزبیر کی خیریت دریافت کرتا۔ یہاں تک کہ میں مکہ آیا اور براہ راست ابوالزبیر سے حدیثیں سنیں۔ میں ایک دفعہ ان کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے آکر کوئی بات پوچھی تو اس نے دروغ گوئی سے کام لیا۔ میں نے کہا آپ ایک مسلم شخص پر جھوٹ باندھتے ہیں ابوالزبیر نے کہا اس نے مجھے ناراض کیا تھا میں نے کہا اس نے آپ کو ناراض کیا اور آپ اس پر جھوٹ باندھنے لگے میں نے قسم کھائی کہ پھر ابوالزبیر سے حدیث روایت نہیں کروں گا۔ شعبہ کہا کرتے تھے کہ میں نے ابوالزبیر سے چار سو حدیثیں سنی تھیں خدا کی قسم اب میں ایک بھی بیان نہیں کروں گا۔''[4]

---

۱ الکفایہ۔ ص ۱۱۷

۲ الکفایہ ص ۱۱۵

۳ حوالہ مذکور

۴ الکفایہ۔ ص ۱۱۵

Marfat.com

مذکورہ صدر واقعہ سے روشن ہوتا ہے کہ کسی شخص پر افتراء پردازی اس کو خارج العدالت کر دیتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس کے ناراض کرنے پر جھوٹ باندھا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ رواۃ حدیث اخلاق حسنہ میں ممتاز ہوا کرتے تھے اور دیگر علماء و محدثین میں مخصوص آداب و اطوار کے اعتبار سے وہ اپنا ایک مقام رکھتے تھے [۱]

---

[۱] غالباً بہترین کتاب جس میں محدثین کے طریق تعلیم و تربیت سے بحث کی گئی ہے خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ کی "الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع" ہے۔ یہ کتاب مکتبہ البلدیہ اسکندزیہ میں زیر نمبر ۳۷۱۱ چھوٹے چھوٹے دس اجزاء میں بصورت مخطوطہ موجود ہے رفیق مکرم ڈاکٹر یوسف العش نے ہمیں اس کتاب کا ایک عکسی نسخہ ازراہ عنایت عاریۃً دیا ہے ہم ان کے نہایت سپاس گزار ہیں۔ اس کتاب کا قاری اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ ہم نے کتاب ہذا کی تصنیف میں اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے ہم نے اس کتاب کو ایڈٹ کر دیا ہے اور عنقریب ان شاء اللہ العزیز اس کی اشاعت کا اہتمام کر رہے ہیں۔

Marfat.com

فصل: ۴

دارالحدیث کی تعمیر اور القاب محدثین

چھٹی صدی ہجری میں اسلامی زندگی میں ایک نیا موڑ آیا جس نے طلب حدیث کی راہ میں سفر و سیاحت کو بڑی حد تک کمزور کر دیا۔ چھٹی صدی ہجری کے آغاز تک اسلامی معاشرہ میں حدیث کی تدریس کے لئے جداگانہ مدارس کا وجود نہ تھا اس لئے حدیث نبوی کے طلبہ اپنے آپ کو سفر و سیاحت کے لئے مجبور پاتے تھے۔ البتہ فقہی آراء و مسالک کی تدریس کے لئے ہر جگہ مدارس موجود تھے فقہی مدارس کا مقصد اسلامی حکومت کے لئے قاضی اور مفتی مہیا کرنا تھا۔

سلطان نور الدین زنگی متوفی ۵۶۹ھ کے حکم سے چھٹی صدی ہجری میں پہلا دارالحدیث عالم وجود میں آیا۔ سلطان موصوف نے دمشق میں مدرسہ نوریہ قائم کر کے بہت شہرت حاصل کر لی تھی۔ تاریخ دمشق کے مصنف ابن عساکر اس مدرسہ کے اولین شیوخ میں سے تھے۔[1]

دسیوں سالوں کے بعد قاہرہ میں ایوبی سلطان الکامل ناصر الدین کے حکم سے ایک دارالحدیث کی تعمیر ۶۲۲ھ میں تکمیل پذیر ہوئی۔ ابو الخطاب ابن دحیہ اس میں پہلے استاد مقرر ہوئے۔[2]

---

[1] دیکھئے وسٹن فیلڈ (WUSTEN FIELD) کی کتاب ص ۶۹۔ یہ کتاب عرب کے دارالعلوموں اور ان کے شیوخ و اساتذہ کے تراجم کے سلسلہ میں عجیب ترین کتاب ہے۔ ابن عساکر کا پورا نام ابوالقاسم علی بن حسن دمشقی شافعی ہے یہ اپنے وقت کے خاتمۃ الحفاظ تھے۔ ان کی وفات ۵۷۱ھ میں ہوئی۔

[2] ان کا نام حافظ عمر بن حسن ہے یہ ابن دحیہ اندلسی بلنسی کے نام سے مشہور تھے۔ بلنسیہ مشرقی اندلس کے ایک شہر کا نام ہے ان کی وفات ۶۳۳ھ میں قاہرہ میں ہوئی۔ انہوں نے ایک کتاب "التنویر فی مولد السراج المنیر" نامی تصنیف کی۔ خطط المقریزی ج ۲ ص ۳۷۵ میں لکھا ہے کہ ایک نوجوان جو صرف شکل و صورت کے اعتبار سے انسان تھا مدرسہ کاملیہ میں ابن دحیہ کا جانشین بنا۔

Marfat.com

مدرسہ کاملیہ کی تاسیس و تعمیر کے چار سال بعد ۶۲۶ھ میں دمشق میں مدرسہ اشرفیہ تعمیر ہوا۔ اس کے اولین معلم ابو عمرو بن الصلاح[1] تھے امام نووی نے بھی اس مدرسہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔[2]

مذکورہ بالا مدارس کے علاوہ دمشق میں کچھ دیگر دارالحدیث بھی ظہور پذیر ہوئے مگر انہیں زیادہ شہرت حاصل نہ ہوسکی علاوہ ازیں ان کو طویل زندگی بھی نصیب نہ ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فقہ و احکام کے مدارس کی طرح دارالحدیث عہدوں ملازمتوں اور خلفاء کے تقرب کا ذریعہ نہ تھے مزید برآں حدیث کے طلبہ ان سے اپنی علمی پیاس نہیں بجھا سکتے تھے بلکہ وہ طلب حدیث کی راہ میں دشت گردی اور قریہ نوردی کو ترجیح دیتے تھے۔

محدثین کے القاب

جس طرح طلب حدیث میں سفر کرنے والوں پر علماء سفر و سیاحت میں ان کی دلچسپی اور مستعدی کے مطابق مختلف القاب کا اطلاق کرتے ہیں۔ اسی طرح اپنے شہر یا قریبی علاقہ میں علم حدیث کی تحصیل کرنے والوں پر بھی چند رسمی القاب کا اطلاق کیا جاتا ہے تاکہ ان کا تعارف کراتے وقت ان کا درجہ و طبقہ اور طریق تحصیل و تدریس واضح ہو جائے اس ضمن میں تین القاب زیادہ مشہور ہیں جن میں محدثین فرق و امتیاز قائم کرتے ہیں:

1. مسند 2. محدث 3. حافظ

1. مسند

وہ شخص ہے جو اپنی سند سے روایت کرتا ہو۔ خواہ اسے اس حدیث کا پورا علم ہو یا

---

1. حافظ ابو عمرو تقی الدین عثمان بن عبد الرحمٰن الکردی شہرزوری ابن الصلاح کے نام سے مشہور تھے۔ ۶۴۳ھ میں وفات پائی۔

2. آپ کا پورا نام حافظ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی ہے۔ آپ نے علم حدیث کے مختلف موضوعات پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں آپ کی شرح مسلم بہت مشہور ہے آپ نے ۶۷۶ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

نہ ہو۔ بلکہ وہ صرف روایت ہی کر رہا ہو۔[1]

محدث

محدث اس سے بلند مرتبہ ہوتا ہے چنانچہ محدث وہ ہے جو اسانید و علل اسماء الرجال اور سند عالی و نازل سے آگاہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ بہت سی احادیث اس کو یاد ہوں۔ کتب صحاح ستہ مسند احمد بن حنبل سنن بیہقی اور معجم طبرانی کا سماع کر چکا ہو اور اجزاء حدیث میں سے ہزار جزء پر اس کا علم حاوی ہو۔[2]

حافظ

حافظ کا مقام و مرتبہ ان دونوں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ حافظ مندرجہ ذیل اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔

① وہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کے متن و سند سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔

② جن احادیث کی صحت پر اتفاق کیا گیا ہے اسے وہ یاد ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں جن کی صحت مختلف فیہا ہوتی ہے وہ انہیں بھی جانتا ہے۔

③ وہ جانتا ہے کہ محدثین کے مندرجہ ذیل اقوال کے مابین کیا فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔ محدثین کہتے ہیں:

فلان حجة۔ فلان ثقة۔ فلان مقبول و وسط۔ ولا باس به۔ صدوق۔ صالح۔ شیخ لین۔ ضعیف۔ متروك۔ ذاهب الحدیث۔

④ مختلف الفاظ میں جو روایت کی جاتی ہے وہ ان کے فرق سے آگاہ ہوتا ہے مثلاً عَنْ فُلَانٍ یا اَنَّ فُلَانًا وغیرہ

⑤ وہ قول صحابی و تابعی کے فرق سے آشنا ہوتا ہے۔

---

[1] تدریب الراوی ص ۴

[2] تدریب الراوی ص ۶ نیز قواعد التحدیث للقاسمی ص ۵۳۔ محدثین کے مدارج کے بارے میں ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

Marfat.com

۶ وہ جانتا ہے کہ قَالَ فُلَانٌ اور عَنْ فُلَانٍ میں کیا فرق ہے۔

۷ اسے معلوم ہوتا ہے کہ مدلس راویوں میں سے فلاں شخص غیر یقینی سماع کے باوجود بھی قابل قبول ہے۔

۸ صحیح حدیث میں جو لفظ وہم پر مبنی ہو وہ اس سے بھی آگاہ ہوتا ہے۔

۹ حدیث میں جو لفظ داخل کر دیا گیا ہو اور درحقیقت وہ حدیث کے الفاظ میں شامل نہ ہو (مُدْرَجْ) وہ اس سے بھی غافل نہیں ہوتا۔

۱۰ علم حدیث میں خوب محنت کر کے اس نے رواۃ حدیث سے پوری پوری آگاہی حاصل کر لی ہو۔ اس لئے علم حدیث میں وہی شخص مہارت حاصل کر سکتا ہے جو اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کر دے اور دوسرے علوم کی جانب متوجہ نہ ہو۔[۱]

۱۱ علماء کے اقوال سے مستفاد ہوتا ہے کہ حافظ اسماء الرجال کے فن میں اس قدر ماہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے شیوخ اور پھر ان کے شیوخ کے طبقات سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے۔ وہ ہر طبقہ کی اکثر باتوں کو جانتا اور بہت کم باتوں سے ناآشنا ہوتا ہے۔[۲]

۱۲ اکثر نقاد حدیث کے نزدیک حفاظ حدیث ہر زمان و مکان میں قلیل الوجود ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات وہ بالکل موجود ہی نہیں ہوتے۔[۳]

اس کی وجہ یہ ہے کہ حفاظ میں صفات نادرہ اور وسعت علمی کا وجود از بس ناگزیر ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ جب حافظ کا لفظ علی الاطلاق بولا جاتا ہے (یعنی کسی قید و شرط کے بغیر جب صرف حفاظ کہا جائے) تو اس سے خاص طور پر "حافظ حدیث" مراد ہوتا ہے نظر بریں قرآن کا قاری یوں نہیں کہہ سکتا کہ "مجھے فلاں حافظ نے تعلیم دی" (بلکہ وہ یوں کہے گا کہ مجھے فلاں حافظ قرآن نے پڑھایا) اسی طرح

---

۱ الجامع لاخلاق الراوی ج ۸ ص ۱۵۰

۲ التدریب ص ۷ نیز قواعد التحدیث ص ۵۳

۳ الجامع لاخلاق الراوی ج ۸ ص ۱۵۹

Marfat.com

علم نحو کا عالم یوں نہیں کہہ سکتا کہ ''مجھے فلاں حافظ نے تعلیم دی''[۱] (بلکہ حافظ نحو اضافت کے ساتھ کہے گا۔)

حفاظ حدیث کی شان میں لوگ ہمیشہ مبالغہ آمیزی سے کام لیتے رہے۔ جس روز امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی اور ان کی کتابیں شمار کی گئیں تو بارہ بار شتر نکلیں۔ کسی کتاب کے اندر یا باہر سند مذکور نہ تھی۔ یہ سب اسانید آپ کو زبانی یاد تھیں[۲]

امام یحییٰ بن معین[۳] فرماتے ہیں۔

''میں نے اپنے اس ہاتھ سے چھ لاکھ حدیثیں تحریر کیں۔''[۴]

اس میں تعجب کی کوئی وجہ نہیں محدث یحییٰ بن معین موصوف نے وفات کے وقت کتابوں سے پر ایک سو چودہ الماریاں چھوڑی تھیں۔

محدث ابن عقدہ[۵] کا معاملہ بھی کچھ کم تعجب خیز نہیں۔ کتابوں میں مذکور ہے کہ آپ کو چار لاکھ حدیثیں یاد تھیں جو انہوں نے اپنے چار شاگردوں کو سنائیں وہ چاروں حقیقی بھائی تھے۔ ممکن ہے ان کو اور حدیثیں بھی یاد ہوں۔

ان چاروں بھائیوں میں سے ایک بھائی عبداللہ القادسی کا بیان ہے۔

''میں کئی سال اپنے بھائیوں کے ساتھ کوفہ میں مقیم رہا ہم ابن عقدہ سے حدیثیں لکھا کرتے تھے جب ہم رخصت ہونے لگے تو ابن عقدہ نے کہا کیا جتنی حدیثیں تم نے مجھ سے سنیں وہ کافی ہیں؟ جس شیخ سے میں نے کم از کم حدیثیں سنیں ان کی تعداد ایک لاکھ ہے۔ میں نے کہا استاد محترم! ہم چار

---

۱ الجامع ج ۸ ص ۱۵۲

۲ الجامع ۸ ص ۱۵۱

۳ آپ حفاظ حدیث کے سردار اور جرح و تعدیل کے امام تھے پورا نام ابوزکریا یحییٰ بن معین بن عون بن زیاد بغدادی تھا۔ مدینہ منورہ میں ۲۳۳ھ میں وفات ہوئی۔

۴ الجامع ج ۸ ص ۱۵۱ نیز اقتدریب ص ۸ پر ہے کہ آپ نے دس لاکھ حدیثیں لکھیں۔

۵ ان کا نام احمد بن محمد بن سعید کوفی اور کنیت ابوالعباس ہے یہ ابن عقدہ کے نام سے مشہور تھے۔ ۳۸۲ھ میں وفات پائی۔ [الرسالۃ المستطرفہ ص ۸۴]

Marfat.com

بھائی ہیں۔ ہر بھائی نے آپ سے ایک لاکھ حدیثیں سنی ہیں۔''[1]

جب کسی حافظ حدیث کی جانب احادیث کی ایک بھائی تعداد منسوب کی جاتی ہے کہ انہوں نے یہ احادیث اپنے ہاتھ سے لکھیں یا اپنے تلامذہ کو لکھوائیں تو وہ حدیثیں ان کو یاد بھی ہوتی ہیں۔ محدث ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ[2] فرماتے ہیں:

''میرے گھر میں سفید کاغذ پر لکھی ہوئی جو تحریر موجود ہے وہ مجھے زبانی یاد ہے۔''[3]

امام شعبی فرماتے ہیں:

''میں نے آج تک جو کچھ لکھا اور جو حدیث بھی کسی سے سنی وہ مجھے ازبر ہے۔''[4]

بعض حفاظ حدیث کا یہ حال تھا کہ حفظ حدیث کے سلسلہ میں تحریر سے مدد لیتے تھے جب حدیثیں اچھی طرح یاد ہو جاتیں تو تحریر کو مٹا دیتے یا قینچی سے کاٹ دیتے کہ مبادا وہ تحریر پر قانع ہو جائیں۔ سفیان ثوری[5]، عاصم بن ضمرہ[6] اور خالد الحذا[7] کا شمار اسی قسم کے رواۃ حدیث میں ہوتا ہے ان دنوں یہ الفاظ زبان زد عام تھے کہ:

''وہ بدترین علم ہے جو اوراق میں محفوظ ہو۔''[8]

---

1. الجامع ج ۸ ص ۱۵۲
2. ان کا اسم گرامی عبداللہ بن عبدالکریم بن یزید القرشی ہے۔ یہ بڑے ثقہ حافظ حدیث تھے۔ آپ ۲۶۴ھ میں فوت ہوئے (الرسالۃ المستطرفۃ) امام احمد فرمایا کرتے تھے ''احادیث صحیحہ کی تعداد سات لاکھ سے کچھ زیادہ ہے۔ اور اس نوجوان (ابوزرعہ) کو سات لاکھ حدیثیں یاد ہیں۔'' [التدریب ص ۸]
3. الجامع ج ۸ ص ۱۵۲
4. تدریب الراوی ص ۸
5. سنن دارمی ج ۱ ص ۱۲۵
6. المحدث الفاصل از رامہرمزی ص ۵۱۴۔ عاصم ۷۴ا ھ میں فوت ہوئے۔
7. تقیید العلم ص ۵۹۔ ان کا پورا نام خالد بن مہران متوفی ۱۴۱ھ ہے جو لوگ لکھ کر مٹا دیا کرتے تھے ان میں ابن شہاب بھی تھے [جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۶] ابن سیرین کا طریق کار بھی یہی تھا [المحدث الفاصل ص ۵۱۴]
8. جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۹

Marfat.com

علماء میں بعض حدیثوں کی ایک خاص تعداد ازبر کرنے والے کو حافظ کہلانے کا مستحق گردانتے تھے محدث حاکم[1] اپنی کتاب المدخل میں لکھتے ہیں:

''حافظ کو پانچ لاکھ حدیثیں ازبر ہوا کرتی تھیں۔''

بعض علماء کا خیال ہے کہ حافظ وہ ہے جس کو کم از کم بیس ہزار حدیثیں یاد ہوں[2]

فتح الدین بن سید الناس[3] فرماتے ہیں کہ حافظ کہلانا ایک اضافی معاملہ ہے اور ہر زمانہ کی اصطلاحات جداگانہ نوعیت کی ہوتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''بعض متقدمین سے جو یہ منقول ہے کہ جس کو بیس ہزار احادیث یاد نہ ہوں ہم اس کو حافظ تصور نہیں کرتے یہ ان کے اپنے زمانہ کی اصطلاح ہے۔''[4]

مذکورہ بالا بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ حافظ کو بقول بعض علماء کئی لاکھ حدیثیں یاد ہوتی ہیں۔ بعض اس تعداد کو ہزاروں تک محدود کرتے ہیں بظاہر ان بیانات میں بین تفاوت نظر آتا ہے مگر اس فرق کی وجہ ظاہر ہے جب لاکھوں کا نام لیا جاتا ہے تو احادیث مرفوعہ کے ساتھ اس میں اقوال صحابہ (موقوف) و تابعین (مقطوع) بھی شامل ہوتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے محدث ابوزرعہ کے بارے میں فرمایا کہ ان کو سات لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ امام بیہقی نے اس کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

''سات لاکھ احادیث میں اقوال صحابہ و تابعین بھی شامل ہیں۔''[5]

بلکہ اس تعداد میں غیر صحیح احادیث کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] ان کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ ہے۔ یہ حاکم نیشاپوری کہلاتے تھے۔ انہوں نے متعدد کتب تصنیف کیں جن میں المستدرک اور المدخل زیادہ مشہور ہیں۔ ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔

[2] تدریب الراوی ص ۸

[3] ان کی کنیت ابوالفتح اور پورا نام محمد بن محمد بن محمد بن احمد ہے یہ ابن سید الناس کے لقب سے مشہور تھے۔ یہ اندلسی الاصل اور پھر مصری شافعی تھے۔ یہ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ ۷۳۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی کتاب ''عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر'' بہت مشہور ہے۔

[4] تدریب الراوی ص ۷

[5] تدریب الراوی ص ۸

Marfat.com

''مجھے ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث ازبر ہیں۔''[۱]

جب محدثین اس تعداد کو ہزاروں تک محدود کر دیتے ہیں تو اس وقت صرف احادیث صحیحہ مرفوعہ مراد لیتے ہیں۔

محتاط محدثین لوگوں کی مدح سرائی اور ان کی تعریف و توصیف میں مبالغہ آمیزی سے خوش نہیں ہوا کرتے تھے۔ وہ حدیث اس وقت روایت کرتے تھے جب شائقین طلبہ بذات خود اس کا تقاضا کرتے۔[۲]

بعض محدثین نے لاکھوں احادیث لکھی یا یاد کی ہوتی تھیں اور وہ صرف دسیوں حدیثیں روایت کیا کرتے تھے بعض ہزارہا احادیث کے حافظ ہونے کے باوصف معدودے، چند روایات بیان کرتے۔ ان کے پیش نظر کثرت روایات سے زیادہ احادیث نبویہ میں غور و فکر اور فہم و ادراک ہوتا تھا۔[۳]

حافظہ کی مدد سے روایت حدیث

حفاظ حدیث کی عزت و وقعت ہماری نگاہ میں دوبالا ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء روایت حدیث کے ابتدائی دور میں خصوصی طور پر سختی سے کام لیتے اور روایت بالمعنی کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ان کے تشدد اور احتیاط روایت کا یہ عالم تھا کہ واؤ اور فاء کی تبدیلی کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ان کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ شاگرد اپنے استاد سے حدیث کے جو الفاظ سنے بلا تبدیل و حذف اور کسی اضافہ کے بغیر دوسروں تک پہنچا دے۔ وہ نبی کریم ﷺ کے ان الفاظ سے استدلال کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ حَدِيْثًا فَأَدّٰى كَمَا سَمِعَهُ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ))[۴]

---

۱ تدریب الراوی ص ۸

۲ الجامع ج ۸ ص ۱۵۱

۳ الجامع ج ۸ ص ۱۵۱

۴ الکفایہ ص ۱۷۳

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاد و آباد رکھے جو کوئی حدیث سنے اور اسے ویسے ہی آگے پہنچا دے جیسے سنی ہو۔ اس لئے کہ جن لوگوں کو حدیث پہنچائی جاتی ہے۔ ان میں سے بعض (براہ راست) سننے والوں سے بھی زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔''

وہ اس بات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کو تعلیم دیتے تھے کہ آپ کے اصلی الفاظ یاد رکھیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو دعا سکھائی کہ رات کو سوتے وقت پڑھا کریں۔ جب انہوں نے آپ کے سامنے دعا کے الفاظ دہرائے تو ''وَنَبِیِّكَ'' کے بجائے ''وَرَسُوْلِكَ'' کہہ دیا آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ ''وَنَبِیِّكَ'' کہو۔[1]

یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ روایت باللفظ پر سختی سے عمل پیرا تھے اور اس کو ترجیح دیتے تھے ایک صحابی سے کہا گیا آپ فلاں شخص کی طرح کثرت سے حدیثیں کیوں نہیں روایت کرتے؟ انہوں نے کہا دیگر صحابہ کی مانند مجھے بھی آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے اور حدیثیں سننے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ مگر ابھی حدیثیں روایت کرنے والے موجود ہیں۔ اور اس ضمن میں میری ضرورت نہیں۔ میں حدیث نبوی میں کمی بیشی کو ناپسند کرتا ہوں۔[2]

نظر بریں صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ کسی راوی کو الفاظ حدیث میں تقدیم و تاخیر یا

---

1. حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے براء! سوتے وقت تم کیا دعا پڑھتے ہو؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی خوب جانتے ہیں۔ فرمایا جب پاک صاف ہو کر تم بستر پر لیٹنا چاہو تو دائیں جانب لیٹ کر یوں کہا کرو ''اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِیْ اِلَیْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ وَالْجَاْتُ ظَهْرِیْ اِلَیْكَ لَا مَنْجَأَ وَلَا مُنْجٰی مِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ'' براء کہتے ہیں کہ میں نے باقی الفاظ دہرا دیئے البتہ نَبِیِّكَ کے بجائے میں نے رَسُوْلِكَ کہہ دیا۔ آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ ''نَبِیِّكَ'' کہو۔ (الکفایہ ص ۱۷۵)

2. الکفایہ ص ۱۷۲

Marfat.com

تبدیلی کرتا دیکھتے تو اسے فوراً ٹوکتے اور تصحیح کر دیتے۔ چنانچہ عبید بن عمیر نے جب وعظ کہتے ہوئے ''مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الرَّابِضَةِ'' کہہ دیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہ باندھئے آپ نے ''الشاة العائرة'' فرمایا تھا۔[1]

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ''ارکان خمسہ'' والی حدیث تقدیم و تاخیر اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسموع الفاظ کے خلاف بیان کرتے سنا تو اسے کہا ''ماہ رمضان کے روزوں کا ذکر آخر میں کیجئے جیسا کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے سنا تھا۔''[2]

تابعین اور اتباع تابعین کے عصر و عہد میں اکثر رواۃ حدیث روایت باللفظ پر عمل پیرا تھے۔ اگرچہ بعض محدثین روایت بالمعنیٰ میں بھی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ ابن عون کہتے ہیں:

''میں نے دیکھا کہ رواۃ حدیث میں تین روایت باللفظ پر زور دیتے تھے اور تین روایت بالمعنیٰ کی اجازت دیتے تھے۔ روایت بالمعنیٰ کی اجازت دینے والے تین بزرگ حسن، شعبی اور نخعی تھے۔ روایت باللفظ کے قائل قاسم بن محمدؒ رجاء بن حیوٰۃ اور محمد بن سیرین تھے۔''[3]

مشہور محدث اعمش نے روایت باللفظ پر زور دینے والے راویان حدیث کی مدح ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

> ''بعض قوموں کے نزدیک علم کی قدر و منزلت اس حد تک تھی کہ آسمان سے گر پڑنا ان کے نزدیک اس بات سے سہل تر تھا کہ وہ کسی علمی بات (حدیث نبوی) میں واؤ، الف یا دال کا اضافہ کریں۔ اور آج یہ حالت ہے کہ مچھلی کے موٹے یا لاغر ہونے پر قسمیں کھائی جاتی ہیں۔''[4]

---

[1] الکفایہ ص ۱۷۳

[2] الکفایہ ص ۱۷۶۔ ابن عمر سے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر بن خطابؓ متوفی ۷۳ھ مراد ہیں۔

[3] الجامع لاخلاق الراوی ۱۰۱/۵

[4] الکفایہ ص ۱۷۸۔ اعمش کا نام سلیمان بن مہران تھا۔ انہوں نے ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

مندرجہ صدر بیانات اس حقیقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ محتاط رواۃ حدیث جب کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق یُنتبذُ کہا جائے اور یُنبذُ[۱] لہ کہا جائے (حالانکہ ان دونوں میں کوئی معنوی فرق نہیں پایا جاتا) تو اس میں تعجب وحیرت کی کوئی بات نہیں۔ جب صحابہ صریح الفاظ میں اس بات پر شک کا اظہار کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے "اسلم و غفار" فرمایا یا "غفار و اسلم"[۲] نیز آپ نے "نَمی خیرًا" ارشاد فرمایا یا "نَمّی خیرًا"[۳] تو یہ امر موجب حیرت واستعجاب نہیں ہونا چاہیے اس لئے کہ یہ معاملہ اس سے بھی زیادہ توجہ اور اہتمام کا مقتضی ہے۔

بعض محدثین لحن[۴] تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور راوی کے کلام کو وہ صحابی ہو یا تابعی بدستور رہنے دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ راوی نے اگر حوث لغیت یا عوثاء کہا ہے تو اس کے عوض حیث[۵] یا لغوت[۶] یا عثاء[۷] نہ کہا جائے۔

ابن سیرین کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے شیخ کے لحن میں روایت کرتے تھے۔[۸] امام ابوعبید راوی کے لحن کو برقرار رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"محدثین کا ایک لہجہ ہوتا ہے اور اہل لغت وعربیت کا اپنا ایک خاص انداز ہوتا ہے یہ درشت ہے کہ اہل لغت کا لہجہ زیادہ قرین قیاس ہوتا ہے مگر ہم سماع کی بناء پر حدیث کا لہجہ قائم رکھنے پر مجبور ہیں۔"[۹]

---

۱ الکفایہ ص ۱۷۸

۲ الکفایہ ص ۱۷۹ اسلم اور غفار دو قبیلوں کا نام ہے۔

۳ الکفایہ ص ۱۸۰۔ نَمی اور نَمّی میں فرق صرف یہ ہے کہ ایک بالتخفیف ہے اور دوسرا مشدد۔

۴ لحن کے معنی ہیں اعراب میں غلطی کرنا۔ لفظ کی غلط ادائیگی

۵ الکفایہ ص ۱۸۲

۶ الکفایہ ص ۱۸۳

۷ الکفایہ ص ۱۸۰

۸ الکفایہ ص ۱۸۶

۹ الکفایہ ص ۱۸۲ ابوعبید قاسم بن سلام حدیث ولغت کے بہت بڑے امام تھے یہ ۲۲۳ھ میں فوت ہوئے۔

Marfat.com

اس باب میں علمائے حدیث نے اس فرق کو ملحوظ رکھا ہے کہ لحن (اعراب میں غلطی کرنا) دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) وہ لحن جس سے معنی و مفہوم بدل جاتا ہے۔

(۲) وہ لحن جس سے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ علماء کا خیال ہے کہ جس لحن سے مفہوم بدل جاتا ہو اسے درست کر دینا چاہیے[۱] اور اگر راوی نے وہ لفظ غلط ادا کیا ہے تو اس کی تصحیح میں حرج نہیں۔[۲]

جن علماء نے روایت بالمعنی کی اجازت دی ہے انہوں نے اس کے لئے مندرجہ ذیل شرائط مقرر کیے ہیں۔

(۱) راوی صرف ونحو اور علوم لغت میں ماہر ہو۔

(۲) وہ الفاظ کے معانی و مقاصد اور ان کے باہمی فرق و امتیاز سے بخوبی آگاہ ہو۔

(۳) وہ اعراب کی غلطی کا مرتکب ہوئے بغیر حدیث کے الفاظ ادا کر سکتا ہو۔ اس لئے کہ آنحضور ﷺ افصح العرب تھے۔ یہ صریح جھوٹ ہے کہ خود غلطی کر کے اس کو آپ کی جانب منسوب کرے حالانکہ ایسی لسانی غلطی آپ سے کسی طرح ممکن نہیں۔

امام اصمعی فرماتے ہیں:

”جب عربی زبان سے نابلد شخص روایت بالمعنی کرنے لگے تو خطرہ ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کے اس ارشاد کا مصداق نہ ہو کہ ”جس نے مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھا وہ اپنا گھر جہنم میں بنا لے“ نبی کریم ﷺ اعراب میں غلطی نہیں کرتے تھے۔ جب تم نے روایت حدیث میں غلطی کی تو گویا آپ پر جھوٹ باندھا۔“[۳]

۱۔ الکفایہ ص ۱۸۸

۲۔ الجامع لاخلاق الراوی ج ۲ ص ۱۰۳

۳۔ اختصار علوم الحدیث ص ۱۶۲

Marfat.com

چونکہ علوم عربیہ کثیر الانواع ہیں اور ان میں مہارت تامہ بہت دشوار ہے مزید برآں عربی کے قریب المعنی الفاظ کے معانی میں جو فرق و امتیاز پایا جاتا ہے اس کا احاطہ تقریباً محال ہے اس لئے بعض محدثین صحابہ کے علاوہ دوسروں کو روایت بالمعنی کی اجازت نہیں دیتے۔ صحابہ کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ عربی النسل تھے اور عربی ان کی مادری زبان تھی۔ قاضی ابوبکر بن العربی[1] فرماتے ہیں:

"روایت بالمعنی کے جواز یا عدم جواز کا اختلاف عصر صحابہ سے مختص ہے۔ دوسروں کے لئے روایت بالمعنی جائز نہیں ہے اگرچہ وہ مفہوم صحیح طور پر ادا ہی کیوں نہ کر دیں۔ اگر ہم ہر شخص کو روایت بالمعنی کی اجازت دیں تو حدیث نبوی پر اعتماد اٹھ جائے۔ اس لئے کہ شروع سے لے کر آج تک ہر شخص نقل شدہ الفاظ کو بدلتا آئے گا۔ یہاں تک کہ حدیث کے سب الفاظ بدل جائیں گے۔

صحابہ کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ ان میں دو اوصاف جمع ہو گئے تھے۔

(۱) فصاحت و بلاغت۔ کیونکہ وہ عربی النسل تھے اور عربی ان کی مادری زبان تھی۔

(۲) صحابہ نے آنحضور ﷺ کے اقوال و افعال بذات خود ملاحظہ کئے تھے اس لئے وہ آپ کے مفہوم سے بخوبی آگاہ اور آپ کے غایات و مقاصد سے باخبر تھے۔ ظاہر ہے کہ جس کو خبر دی گئی ہو وہ بچشم خود ملاحظہ کرنے والے کی طرح نہیں ہوتا صحابہ ہر حدیث روایت کرتے وقت یوں کہتے ہیں "نبی کریم ﷺ نے فلاں حکم دیا اور فلاں بات سے منع فرمایا" وہ آپ کے الفاظ ذکر نہیں کرتے۔ اس کے باوجود ان کی نقل و روایت کو صحیح تصور کیا جاتا ہے۔ کوئی باانصاف آدمی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔"[2]

---

[1] ان کا نام محمد بن عبداللہ المعافری ہے۔ آپ ابن العربی کے نام سے معروف تھے۔ اشبیلیہ (اندلس) کے مشہور فقیہ تھے۔ ۵۴۴ھ میں وفات پائی۔

[2] احکام القرآن ج ۱ ص ۱۰

Marfat.com

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بالمعنی کے بارے میں ایک معتدل اور متوسط زاویہ نگاہ اختیار کیا ہے آپ احادیث مرفوعہ کی روایت بالمعنی کو ناجائز اور غیر مرفوع احادیث کی روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مرفوع احادیث میں آپ کے حذر و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ باء تاء اور یاء تک کا خاص خیال رکھتے تھے جیسا کہ امام بیہقی نے المدخل میں ان سے روایت کیا ہے۔[1]

بخلاف ازیں محدث ابن الصلاح احادیث مرفوعہ میں بھی روایت بالمعنی پر پابندی عائد کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ احادیث مرفوعہ و غیر مرفوعہ کی روایت بالمعنی میں وہ صرف یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ روایت کنندہ عربی کا عالم اور الفاظ کی صحیح ادائیگی پر قادر ہونا چاہئے۔ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

"بعض علماء حدیث نبوی کی روایت بالمعنی کو ناجائز اور اقوال صحابہ و تابعین کی روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ صحیح تر بات یہ ہے کہ احادیث نبویہ ہوں یا اقوال صحابہ و تابعین سب کی روایت بالمعنی درست ہے بشرطیکہ راوی عالم ہو اور قطعی طور پر یہ جانتا ہو کہ جو الفاظ اس تک پہنچے تھے اس نے ان کا صحیح مفہوم ادا کر دیا۔ حضرات صحابہ اور علمائے سلف کے حالات سے یہی بات مستفاد ہوتی ہے۔ صحابہ ایک ہی مقصد کو مختلف الفاظ میں بیان کیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کا مرکز و محور صرف معانی تھے الفاظ نہ تھے۔ مزید برآں جہاں تک ہمارے علم کا تعلق ہے یہ اختلاف اب باقی نہیں رہا۔ کتب حدیث میں جو الفاظ مرقوم ہیں کوئی شخص ان کو تبدیل کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اس دور میں روایت بالمعنی کی اجازت اس لئے دی گئی تھی کہ روایت باللفظ کی پابندی عائد کرنے میں بڑی زحمت کا سامنا ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ کتب حدیث کے مندرجات و مشتملات میں یہ زحمت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر تبدیل الفاظ کی اجازت ہو بھی تو دوسروں کی تصنیف کے الفاظ تو تبدیل

---

[1] الباعث الحثیث ص ۱۵۸ نیز الکفایہ ص ۱۷۹

Marfat.com

نہیں کیے جا سکتے۔"[1]

مناسب یہ ہے کہ روایت بالمعنی کی اجازت کو ہمیشہ مبنی بر ورع و احتیاط الفاظ کے ساتھ مقید و مشروط کر دینا چاہئے۔ حدیث کے راوی کو جب کسی روایت کے الفاظ میں شبہ لاحق ہو جائے تو یوں کہنا چاہئے۔ "اَوْ کَمَا قَالَ" یا یوں کہے: "اَوْ کَمَا وَرَدَ"[2]

آنحضور ﷺ کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کے احترام میں اکثر محدثین اس بات کے مشتاق ہوتے ہیں کہ حدیث کے پورے الفاظ نقل کر دیں البتہ بعض رواۃ حدیث اس میں سہل انگاری سے کام لیتے ہیں اور حدیث کے بعض الفاظ کو اختصاراً حذف کر دیتے ہیں۔ اور مختلف مقامات پر ان کے حصے ذکر کر دیتے ہیں امام بخاری نے اپنی صحیح میں اسی طرح کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ نقاد حدیث نے اس ضمن میں امام بخاری پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صرف وہی حدیث مختصر کر کے لاتے ہیں جو انہوں نے دوسری جگہ بتمام و کمال ذکر کر دی ہو۔ محدثین کا قول ہے کہ کسی حدیث کو بالاختصار اسی صورت میں بیان کر سکتے ہیں جب وہ کسی اور سند سے مکمل طور پر وارد ہو چکی ہو۔ تا کہ اختصار سے اس علم کا چھپانا لازم نہ آئے جس کا دوسروں تک پہنچانا ضروری ہے۔[3]

روایت بالمعنی کی اجازت دینے سے حدیث کی تدریس و تبلیغ میں جو تساہل و تغافل رونما ہوا وہ اخذ حدیث میں سستی و غفلت کا لازمی نتیجہ تھا۔ روایت بالمعنی اور حدیث میں حذف و اختصار کی اجازت دینے سے قبل بہت سے علمائے حدیث نے ایسے طریقوں سے حدیث کے اخذ و تحمل (شیوخ و اساتذہ سے حدیثیں سننا) کی اجازت دے دی جن کا سماع سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور عجیب بات یہ ہے کہ اس انداز سے حدیث کی تحصیل جمہور کی نگاہ میں نہ برے نتائج کی حامل تھی اور نہ خطرات کی موجب۔

نتیجہ کے طور پر طلب حدیث کی راہ میں سفر و سیاحت کا ذوق و شوق سرد پڑتا چلا گیا۔ حدیث کے طلبہ شیوخ و اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بالمشافہہ زانوئے ادب

---

1. علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۸۹
2. الباعث الحثیث ص ۱۶۱
3. الباعث الحثیث ص ۱۶۱

Marfat.com

تہ کرنے سے گریز کرنے لگے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ لاتعداد صعوبات سفر گوارا کر کے کسی امام حدیث کے آستانہ پر پہنچتے اور براہ راست استفادہ کے بجائے کوئی کتاب اس کو سنا دیتے یا اس سے تدریس حدیث کی خصوصی اجازت لیتے یا حدیث کے چند صحیفے لے کر ان میں مندرج احادیث کے روایت کرنے کی اجازت لیتے اور وطن لوٹ آتے۔

بعض اوقات یہ امام خود ہی ان کو اپنی مرویات سے آگاہ کر دیتا یا اپنی تحریروں کی وصیت کرتا تو وہ جلدی سے یہ وصیت لے کر بڑے اطمینان کے ساتھ یہ حدیثیں اس طرح روایت کرنے لگتے گویا اس امام نے ان کو صاف وصریح اور واشگاف الفاظ میں ان کی روایت کرنے کی اجازت دے دی ہو۔ متاخرین کا تو یہ حال تھا کہ جب سے ان کو کتب ومخطوطات کے مندرجات کے روایت کرنے کی اجازت مل گئی تھی انہوں نے نہ مشکلات سفر سے دو چار ہونے کی ضرورت محسوس کی اور نہ اصحاب مخطوطات سے ملنے کی۔ مشہور کتاب فجر الاسلام کے بیان کے مطابق اب شیوخ واساتذہ سے سماع حدیث کے اخذ واداء کی تنہا صورت نہ تھی بلکہ نقاد حدیث کی تحقیق وتلاش کے مطابق تحمل حدیث کے آٹھ طریقوں میں سے ایک طریقہ تھا۔

ہم اگلی فصل میں اخذ وسماع حدیث کے انہی آٹھ طریقوں سے بحث کریں گے۔ مذکورہ آٹھ طریقوں کے درس ومطالعہ اور ان کی عبارات میں دقیق وعمیق فرق وامتیاز کے دوران پہلی مرتبہ قاری یوں محسوس کرے گا کہ وہ محدثین کے زمرہ میں شامل ہے۔ اس لئے اب قلب ودماغ کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے' کیونکہ محدثین کا ایک اپنا جداگانہ طرز وانداز اور ایک خاص اسلوب کلام ہے۔ یہ انداز کلام اگر شعر وموسیقی کے لذیذ نغموں کی طرح مسحور نہیں کرے گا تو اس میں شبہ نہیں کہ اپنے دقیق وعمیق افکار اور تنقیدی انداز تحریر سے متاثر ومسرور ضرور کرے گا۔

Marfat.com

فصل : ۵

اساتذہ سے اخذ حدیث اور اس کے طریقے

۱ سماع

عہد سلف میں استاد سے اخذ و حدیث کا ایک ہی طریقہ رائج تھا اور وہ یہ کہ شاگرد استاد کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے حدیثیں سنتا۔ بعد ازاں حدیث کے طلبہ میں بطریق قراۃ' اجازہ' مناولہ' مکاتبہ' اعلام' وصیت اور وجادۃ حدیثیں اخذ کرنے کی رسم جاری ہوئی۔ اخذ حدیث کے ان سات طریقوں کو اگر سماع کے ساتھ ملا دیا جائے تو اخذ وتحمل حدیث کے یہ آٹھ طریقے محدثین کے طریق تعلیم و تربیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔[1]

غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اخذ حدیث کے ان طریقہ ہائے ہشت گانہ میں سماع کا طریقہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ البتہ سماع کی اصطلاح پر محدثین کے زاویہ نگاہ سے ایک خاص اور گہری نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔ سماع سے مراد یہ ہوتا ہے کہ شاگرد استاد کے الفاظ سنے خواہ استاد کسی کتاب سے یہ الفاظ پڑھ کر سنا رہا ہو یا اپنے حافظہ سے۔ اور خواہ وہ شاگرد کو لکھوائے یا نہ لکھوائے۔[2]

عربی زبان میں یہ بات عام طور سے معروف ہے کہ حدیث راوی رروائی جب حَدَّثَنَا' اَخْبَرَنَا' اَنْبَانَا' ذَکَرَلَنَا یا قَالَ لَنَا کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرے استاد نے مجھے حدیث سنائی۔

مذکورہ بالا الفاظ اہل لغت کے نزدیک "سَمِعْتُ فُلَانًا" "قَالَ سَمِعْتُ فُلَانًا" کے مساوی ہیں۔ اور ان میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ محدثین بھی اس ضمن میں اہل لغت

---

[1] التدریب ص ۱۲۹

[2] حوالہ مذکور

Marfat.com

کی پیروی کرتے ہیں اور مذکورہ صدر عبارتوں میں فرق نہیں کرتے۔ بہت سے متقدمین حدیث کی روایت کرتے وقت "اَخْبَرَنَا" کہا کرتے تھے اور کبھی "حَدَّثَنَا" نہ کہتے[1] ایک شخص نے امام احمد سے کہا اے ابو عبداللہ! عبد الرزاق[2] حدیث بیان کرتے وقت "حَدَّثَنَا" کے بجائے "اَخْبَرَنَا" ہی کہتے ہیں۔ تو امام احمد نے فرمایا "دونوں میں کوئی فرق نہیں۔"[3]

متقدمین دوسرے الفاظ کے مقابلہ میں "اَخْبَرَنَا" کو اس لئے ترجیح دیتے تھے کہ یہ ان کے یہاں زیادہ رائج تھا۔[4] ویسے دوسرے الفاظ سے بھی لغۃً حدیث بیان کرنے کا مفہوم ہی نکلتا ہے۔

بعض محدثین کے نزدیک "اَخْبَرَنَا" کے لفظ میں زیادہ عموم پایا جاتا ہے۔ نعیم بن حماد[5] کا قول ہے:

---

۱ الجامع لاخلاق الراوی ج ۲ ص ۱۱۲۔ خطیب بغدادی نے حدثنا و اخبرنا میں فرق نہ کرنے والوں کے علاوہ یہاں ان محدثین کا بھی ذکر کیا ہے جو ان میں فرق کرتے ہیں۔ فرق کرنے والوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حماد بن سلمہ، ہشیم بن بشیر، عبداللہ بن مبارک، عبد الرزاق بن ہمام، یزید بن ہارون، یحییٰ بن یحییٰ نیسابوری، اسحاق بن راہویہ، عمر بن عوف، ابو مسعود احمد بن الفرات، محمد بن ایوب۔ دیکھئے الکفایہ ص ۲۸۴۔۲۸۵

۲ آپ بہت بڑے عالم اور ثقہ راوی حدیث تھے۔ پورا نام عبد الرزاق بن ہمام بن نافع متوفی ۲۱۱ھ ہے۔

۳ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ نے "حَدَّثَنَا" کی اصطلاح جاری کی اور رواۃ حدیث سے یہ لفظ استعمال کرنے کی سفارش کی۔ اگرچہ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ "حَدَّثَنَا" اور "اَخْبَرَنَا" دونوں کا مفہوم واحد ہے۔ محمد بن رافع کہتے ہیں عبد الرزاق "اَخْبَرَنَا" کہا کرتے تھے جب امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ آئے تو عبد الرزاق سے کہا "حَدَّثَنَا" کہا کیجئے۔ اس کے بعد سب "حَدَّثَنَا" کہنے لگے پہلے "اَخْبَرَنَا" کہا کرتے تھے۔ دیکھئے الکفایہ ص ۲۸۶

۴ الکفایہ ص ۲۸۴

۵ نعیم بن حماد بن معاویہ بن حارث خزاعی مروزی۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی یہ مصر میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے مسند جمع کی۔ سامرا میں ۲۲۸ھ میں بحالت قید وفات پائی [الرسالۃ المستطرفہ ص ۳۷]

Marfat.com

''میں نے ابن المبارک[1] کو کبھی ''حَدَّثَنَا'' کہتے نہیں سنا وہ ''اَخْبَرَنَا'' کو زیادہ جامع اور وسیع لفظ تصور کرتے تھے۔''[2]

جب مذکورہ صدر سب الفاظ ایک ہی مفہوم ادا کرتے ہیں تو اہل لغت کی تائید میں قاضی عیاض[3] کا یہ خیال درست ہے کہ جب استاد اپنے لفظ بیان کر رہا ہو یا کسی کتاب سے پڑھ کر سنا رہا ہو تو شاگرد ''حَدَّثَنَا''، ''اَخْبَرَنَا''، ''سَمِعْتُ''، ''قَالَ لَنَا''، ''ذَکَرَ لَنَا فُلَانٌ'' جو چاہے کہہ سکتا ہے۔[4]

البتہ ناقدین حدیث ایسے الفاظ کو ترجیح دیتے ہیں جن میں ابہام والتباس کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اس لئے ان کا خیال ہے کہ راوی کو یہ بیان کر دینا چاہئے کہ اس نے استاد سے کیسے اور کیونکر سنا۔ چنانچہ جب استاد خود حدیث بیان کرے تو شاگرد اس صورت میں ''حَدَّثَنَا'' کہے۔ جب شاگرد استاد کو پڑھ کر سنائے تو شاگرد ''قَرَأْتُ'' کہے۔ اور جب شاگرد کا کوئی اور ساتھی استاد کو پڑھ کر سنا رہا ہو تو ''قُرِئَ عَلَیْہِ وَاَنَا اَسْمَعُ'' کہے۔[5]

اکثر محدثین ''سَمِعْتُ'' کے لفظ کو باقی الفاظ کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اجازہ مکاتبہ اور تدلیس کی صورت میں راوی ''سَمِعْتُ'' نہیں کہہ سکتا۔ ''سَمِعْتُ'' اسی صورت میں کہے گا جب اس نے خود سنا ہو۔ اس لئے یہ لفظ دیگر الفاظ کے مقابلہ میں زیادہ گراں قدر ہے۔[6]

---

1. عبداللہ بن مبارک بہت بڑے امام تھے۔ ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔
2. الکفایہ ص ۲۸۵
3. قاضی عیاض بڑے ثقہ عالم حدیث تھے ان کی مشہور تصانیف ''الشفاء فی شمائل المصطفیٰ'' اور ''الالماع فی اصول السماع'' ہیں۔ الالماع کا مخطوطہ مکتبہ ظاہریہ میں ۴۰۶ نمبر کے تحت موجود ہے۔ ۵۴۴ھ میں وفات پائی۔
4. اختصار علوم الحدیث ص ۱۲۲
5. الجامع لاخلاق الراوی ج ۶ ص ۱۱۲۔ الکفایہ میں خطیب نے اس ضمن میں ایک فصل منعقد کی ہے۔ دیکھئے الکفایہ ص ۲۹۹۔ ۳۰۱
6. الکفایہ ص ۲۸۴

Marfat.com

"سَمِعْتُ" کے بعد "حَدَّثَنَا" و "حَدَّثَنِیْ" کا درجہ ہے۔ پھر اس کے بعد "اَخْبَرَنَا" و "اَخْبَرَنِیْ" کا۔[1]

ان الفاظ میں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ کہنے والا ایک ہے یا زیادہ۔ ایک کی صورت میں واحد کا صیغہ استعمال کرے گا اور جب زیادہ ہوں تو جمع کا۔

اس ضمن میں عبداللہ بن وہب[2] تلمیذ امام مالک[3] فرماتے ہیں۔

روایت حدیث کے سلسلہ میں چار الفاظ بولے جاتے ہیں۔

"حَدَّثَنِیْ" اس صورت میں کہوں گا جب میں استاد سے اکیلا سنوں۔

"حَدَّثَنَا" اس صورت میں جب دوسرے رفقاء کی معیت میں استاد سے حدیث سنوں۔

"اَخْبَرَنِیْ" تب کہوں گا جب میں اکیلا استاد کو پڑھ کر سناؤں۔

"اَخْبَرَنَا" اس صورت میں جب میرا کوئی ساتھی استاد کو پڑھ کر سنائے اور میں نے سنا ہو۔ [الکفایہ ص ۲۹۴]

"نَبَّأَنَا و اَنْبَأَنَا" کے الفاظ "حَدَّثَنَا وَ اَخْبَرَنَا" کے قریب قریب ہیں۔ البتہ یہ دونوں قلیل الاستعمال ہیں۔ [التدریب ص ۱۳۰]

ان اصطلاحی الفاظ کا فرق دراصل قصد و نیت سے واضح ہوتا ہے۔

[دیکھئے الکفایہ ص ۲۸۷]

یہی وجہ ہے کہ رواۃ حدیث تدلیس (استاد کے بجائے شیخ الشیخ کا نام ذکر کرنا)

---

1. التدریب ص ۱۳۰

2. ان کا نام عبداللہ بن وہب بن مسلم اور کنیت ابو محمد ہے۔ یہ بڑے ثقہ عالم حدیث اور ماہر فقہ تھے۔ یہ مصر کے عظیم علماء میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے مصر اور حرمین کے بہت لوگوں سے روایت کی یہ موطا کبیر کے مصنف تھے۔ ابوزرعہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں "میں نے ابن وہب کی تیس ہزار حدیثیں دیکھیں ان میں کوئی بھی بے اصل نہ تھی۔" ۱۹۷ھ میں فوت ہوئے۔ [تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۰۴]

3. امام اہل مدینہ امیر المومنین فی الحدیث مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ چالیس سال موطا کی تالیف میں مشغول رہے پھر اسے مدینہ کے ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا۔ ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

کرنے والوں کے ساتھ تشدد سے کام لیتے تھے۔ مدلس (تدلیس کرنے والا) راوی کی حدیث کو اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک وہ حَدَّثَنِیْ یا سَمِعْتُ نہ کہے۔

حدیث بیان کرتے وقت مفرد صیغہ استعمال کرنا (یعنی حَدَّثَنِیْ وَاَخْبَرَنِیْ) حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کے نزدیک سب سے بہتر ہے اس لئے کہ جمع کے صیغوں یعنی "حَدَّثَنَا وَاَخْبَرَنَا" میں اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ راوی کے ساتھ بہت سے لوگ شریک ہوں اور استاد نے قصداً اس کو حدیث نہ سنائی ہو۔ بخلاف ازیں مفرد صیغہ میں استاد قصداً سامع کو حدیث سناتا ہے[1] (اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا شامل ہی نہیں ہوتا)

جب حدیث بیان کرنے والا "حَدَّثَنَا فُلَانٌ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَانٌ" کہتا ہے تو یہ "حَدَّثَنَا فُلَانٌ عَنْ فُلَانٌ" کی نسبت افضل ہے اس لئے کہ عَنْ بصورت تدلیس عدم سماع[2] کے باوجود بھی کہہ سکتے ہیں۔ بعض متاخرین شعراء نے اس ضمن میں کہا ہے[3]

یَتَادّٰی اِلَیَّ عَنْكَ مَلِیْحٌ
مِنْ حَدِیْثٍ وَّ بَارِعٌ مِّنْ بَیَانٍ
بَیْنَ قَوْلِ الْفَقِیْهِ "حَدَّثَنَا سُفْیَانُ"
فَرْقٌ وَّ بَیْنَ "عَنْ" سُفْیَانُ"[4]

راوی یوں بھی کہہ سکتا ہے "قَالَ لَنَا فُلَانٌ" یا "قَالَ لِیْ" یا "ذَکَرَ لِیْ" اس لئے کہ یہ الفاظ حدیث کے متصل السند ہونے میں "حَدَّثَنَا" کی طرح ہیں اگرچہ ان میں مذاکرہ[5] کا احتمال زیادہ ہے۔ (یعنی اس امر کا احتمال ہے کہ سامع کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی موجود ہوں)

سماع حدیث کے باب میں سب سے کمزور الفاظ یہ ہیں کہ راوی "قَالَ" یا

---

۱ الکفایہ ص ۲۹۲

۲ اختصار علوم الحدیث ص ۱۲۲

۳ الکفایہ ص ۲۸۹

۴ الکفایہ ص ۲۹۱

۵ التدریب ص ۱۳۰

Marfat.com

"ذَكَرَ"، "لِيْ" کے بغیر کہے۔ اس لیے کہ ان الفاظ میں تدلیس کا احتمال موجود ہے۔
حماد اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"جب میں نے ایوب[1] سے کوئی حدیث نہ سنی ہو تو میں یہ کہنا پسند نہیں کرتا کہ "قَالَ اَيُّوْبُ كَذَا وَكَذَا" اس لیے کہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ میں نے ان سے بذات خود سنا ہے۔"[2]

شعبہ بن حجاج[3] نے اپنے خیال کا اظہار زیادہ سخت الفاظ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"بدکاری کا مرتکب ہونا اس سے بہتر ہے کہ میں "قَالَ فُلَانٌ" کہوں اور میں نے اس سے سنا نہ ہو۔"[4]

ہم مکرر عرض پرداز ہیں کہ یہ تمام الفاظ اہل لغت کے نزدیک حدیث سنانے کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور دراصل ان میں اور "سَمِعْتُ فُلَانًا قَالَ سَمِعْتُ فُلَانًا" میں اصل استعمال کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ نقاد حدیث کے نزدیک ان میں جو فرق بھی پایا جاتا ہے وہ صرف عرف و عادت کے اعتبار سے ہے اور بس۔[5]

۲ قرأت

ہمیں قرأت کی تعریف کرنے کی ضرورت نہیں۔ لفظ قرأت سے جو حقیقت سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ شاگرد کو کوئی چیز یاد ہو اور وہ استاد کو سنائے یا کتاب سے پڑھ کر سنائے۔[6] چونکہ اخذ حدیث کی اس خاص قسم میں شاگرد استاد کو پڑھ کر سناتا ہے اس لیے اس کو "عرض" (پیش کرنا) بھی کہتے ہیں۔[7]

---

۱ ایوب سے مراد ایوب سختیانی ہیں۔ ان کی تعریف پہلے گزر چکی ہے۔
۲ الکفایہ ص ۲۹۰
۳ شعبہ کا تعارف قبل ازیں کرایا جا چکا ہے۔
۴ الکفایہ ص ۲۹۰
۵ الکفایہ ص ۲۸۸
۶ التدریب ص ۱۳۱
۷ التدریب ص ۱۳۰

Marfat.com

جب شاگرد اپنے حافظہ یا کتاب سے پڑھ کر نہ سنائے بلکہ کوئی دوسرا استاد کو پڑھ کر سنا رہا ہو اور وہ سنتا جاتا ہو تو اس صورت میں شیخ کے لئے ضروری ہے کہ پڑھی جانے والی عبارت اس کو یاد ہو۔ یا اگر ضرورت پڑے تو معتبر تلامذہ یا کم از کم ایک شاگرد کے سامنے اس کو اپنی صحیح کتاب پر پرکھ کر دیکھ سکتا ہو۔[1]

کتاب سے پڑھ کر سنانا افضل ہے کیونکہ حافظہ سے سنانے کی نسبت یہ زیادہ قابل اعتماد اور مامون عن الخطاء ہے اسی لئے حافظ ابن حجر[2] فرماتے ہیں۔

"امساک کو بہرکیف حفظ پر ترجیح حاصل ہے اور امساک سے مراد یہ ہے کہ شاگرد کے پاس کتاب موجود ہو اور وہ اس میں سے پڑھ کر سنائے۔"[3]

مذہب مختار یہ ہے کہ قرأت سماع کی نسبت درجہ کے لحاظ سے فروتر ہے اور یہ سماع سے دوسرے درجہ پر ہے مگر بعض محدثین قرأت کو سماع کے مساوی قرار دیتے ہیں۔[4] ان کے نزدیک جس شاگرد نے استاد کو پڑھ کر سنایا ہو کسی اور کو حدیث سناتے وقت مطلقاً سَمِعْتُ (میں نے سنا) کہہ سکتا ہے اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ "میں نے استاد کو پڑھ کر سنایا"۔[5] قرأت کے بارے میں بعض محدثین نے اس حد تک مبالغہ کیا ہے کہ اسے سماع سے بھی افضل قرار دیا۔[6]

---

1. الباعث الحثیث ص ۱۲۳
2. شیخ الاسلام احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی شہاب الدین ابوالفضل عسقلانی حدیث کے بہت بڑے امام تھے۔ یہ بڑے کثیر التصانیف تھے۔ ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے۔ [الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۲۱۔۱۲۲]
3. التدریب ص ۱۳۱
4. امام مالک دیگر علمائے مدینہ اور کبار علمائے حجاز و کوفہ کی یہی رائے ہے امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس کے قائل ہیں۔ التدریب ص ۱۳۲
5. اختصار علوم الحدیث ص ۱۲۴
6. یہ قول کثیر علماء سے منقول ہے امام ابوحنیفہ اور ابن ابی ذئب بھی ان میں شامل ہیں امام بیہقی المدخل میں مکی بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ ابن جریج عثمان بن اسود حنظلہ بن ابی سفیان طلحہ بن عمرو مالک محمد بن اسحاق سفیان ثوری ابوحنیفہ ابن ابی ذئب سعید بن ابی عروبہ اور مثنی بن صباح کہا کرتے تھے "تمہارا استاد کو پڑھ کر سنانا اس سے بہتر ہے کہ استاد تمہیں پڑھ کر سنائے۔"
[التدریب ج ۱ ص ۱۳۲]

Marfat.com

اس ضمن میں صحیح اور مذہب مختار یہ ہے کہ جب شاگرد نے استاد کو پڑھ کر سنایا ہو اور وہ شاگرد دوسرے کو حدیث بیان کرنے لگے تو یوں کہے گا "میں نے پڑھ کر استاد کو سنایا" اور اگر وہ خود قاری نہ ہو بلکہ کسی اور نے پڑھ کر سنایا ہو تو وہ کہے کہ "استاد کو پڑھ کر سنایا گیا اور میں اور استاد صاحب دونوں سن رہے تھے۔"

اکثر محدثین اس کو جائز قرار دیتے ہیں کہ شاگرد حدیث بیان کرتے وقت یوں کہے: "حَدَّثَنَا الشَّيْخُ قِرَاءَةً عَلَيْهِ"

یا یوں کہے: "أَخْبَرَنَا قِرَاءَةً عَلَيْهِ"

یا اس طرح کہے "سَمِعْتُ مِنَ الشَّيْخِ قِرَاءَةً عَلَيْهِ"

(ان سب الفاظ کا حاصل یہ ہے کہ استاد کو پڑھ کر سنایا گیا اور انہوں نے سنا) "پڑھ کر سنانے" کے الفاظ کا ذکر کرنا اس لئے ضروری ہے کہ ان کے عدم ذکر کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ شاید استاد نے شاگرد کو پڑھ کر سنایا ہو۔ اس صورت کو سماع کہتے ہیں اور یہ اخذ و تحمل حدیث کی افضل ترین صورت ہے۔[1]

ہم اس حقیقت کو بھولے نہیں کہ "أَخْبَرَنَا، حَدَّثَنَا اور سَمِعْتُ" کے اصطلاحی الفاظ اگر مطلقاً بلا قید و شرط بولے جائیں تو ان سے سماع مراد ہوتا ہے۔

۳ اجازہ

ہم سماع کی بحث میں بتا چکے ہیں کہ بصورت سماع استاد حدیث کے الفاظ پڑھتا ہے اور شاگرد سنتا ہے۔ قرأت کی صورت میں شاگرد پڑھ کر سناتا ہے۔ روایت کی یہ دونوں صورتیں اسناد متصل پر مبنی ہیں۔ یا تو نطق و مشافہہ سے اور یا نقل صحیح کی بناء پر۔ مگر اجازہ میں یہ دونوں باتیں موجود نہیں ہوتیں۔ "اجازہ" سے مراد یہ ہے کہ استاد شاگرد کو اس بات کی اجازت دے دے کہ وہ اس کی مسموعات (شنیدہ روایات) یا مولفات (جمع کردہ کتب) کو روایت کرے۔ اگرچہ یہ مسموعات نہ شاگرد نے استاد سے سنی ہوں

---

[1] الباعث الحثیث ص ۱۲۵ نیز التدریب ص ۱۳۲

Marfat.com

اور نہ یہ کتب استاد کو پڑھ کر سنائی ہوں۔ اسی بناء پر محدث ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ''اجازہ'' پر معترض ہوتے اور اس کو ناروا بدعت قرار دیتے ہیں۔ بعض محدثین اس سے بھی بڑھ کر تشدد کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

''جس نے دوسرے سے کہا کہ میں نے تجھ کو اجازت دی کہ تم مجھ سے وہ روایات بیان کرو جو مجھ سے نہیں سنیں تو گویا اس نے کہا کہ میں نے تجھے اپنی ذات پر جھوٹ باندھنے کی اجازت دی۔ اس لئے کہ شریعت غیر مسموع روایات بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔''[1]

ظاہر ہے کہ مذکورہ صدر رائے مبالغہ آمیزی پر مبنی ہے اس لئے کہ اجازہ کی بعض صورتیں ضعیف روایت کے اس درجہ کو نہیں پہنچتیں۔ مثلاً اجازہ کی مندرجہ ذیل صورتیں جمہور کے یہاں بلاشک وشبہ مقبول ہیں۔[2]

جب کہ ایک خاص محدث کسی ایک شخص یا اشخاص کو ایک خاص کتاب یا متعدد کتب کے روایت کرنے کی اجازت دے۔ مثلاً محدث یوں کہے کہ ''میں نے تجھے یا تم کو یا فلاں آدمی کو (اس کا الگ نام لے کر) صحیح مسلم یا سنن ابی داؤد یا صحاح ستہ یا اپنی کتب مدونہ...... جو کہ فلاں فلاں کتاب ہے...... کے روایت کرنے کی اجازت دے دی۔''

بعض محدثین اس میں وسعت سے کام لیتے ہیں ان کے خیال میں یہ بھی درست ہے کہ ایک خاص شخص یا اشخاص کو ایک مبہم اور غیر معین چیز کی اجازت دی جائے مثلاً شیخ کہے کہ ''میں نے تجھے یا تم کو اپنی تمام مرویات اور مسموعات کے روایت کرنے کی اجازت دی'' یا اس قسم کی مبہم عبارت میں کہے۔

اجازہ کی مذکورہ بالا قسم میں وسعت پائی جاتی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ ایک نامعلوم شخص دوسرے غیر معروف آدمی کو اجازت دے تو یہ بالاتفاق فاسد ہے جہاں تک اجازت عامہ کا تعلق ہے مثلاً شیخ کہے کہ میں نے سب

---

[1] التدریب ص ۱۳۱

[2] التدریب ص ۱۳۷ نیز اختصار علوم الحدیث ص ۱۳۲

Marfat.com

لوگوں یا مسلمانوں یا موجودہ لوگوں یا اہل زمانہ یا تمام کلمہ گو حضرات یا جو شخص بھی روایت کرنا چاہے یا جس کو فلاں آدمی چاہے فلاں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی...... تو یہ ناجائز ہے اگرچہ بعض نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

اجازت کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ صریح الفاظ میں شاگرد کے روبرو اس کو روایت کی اجازت دے۔ اگر بلا نطق تحریراً شاگرد کو اجازت دے تو تشدد پسند محدثین کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے مگر اس ضمن میں مسلک راجح یہ ہے کہ کتابت اور نطق دونوں کے ذریعے اجازت دینا مساوی ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے جہاں تک ''اجازہ'' کا تعلق ہے اس کی مقبول صورتیں بھی درجہ میں قرأت سے فروتر ہیں۔ سماع کا مرتبہ تو خیر بہت ارفع ہے اس اعتبار سے اخذ حدیث میں اجازہ کو تیسرا درجہ حاصل ہے۔[1]

۴ مناولہ

مناولہ سے مراد یہ ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو کوئی کتاب یا لکھی ہوئی حدیث دے کر کہے کہ اس کو میری طرف سے روایت کیجئے۔ مناولہ کی متعدد صورتیں ہیں اور ان میں کافی فرق مراتب پایا جاتا ہے۔

1. مناولہ کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ شیخ اپنے شاگرد کو کوئی کتاب یا تحریر شدہ حدیث دے کر کہے ''یہ تمہاری ملکیت ہے میں نے تم کو اس کے روایت کرنے کی اجازت دی۔ لہٰذا اس کو لے کر روایت کیجئے''[2] اس کو ''مناولہ مع الاجازہ'' کہتے ہیں بعض محدثین نے اس کو سماع سے بھی ارفع قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ استاد کی کتاب جب اجازت کے ساتھ مقرون ہو تو وہ سماع کی نسبت زیادہ لائق اعتماد ہے کیونکہ سماع کی صورت میں سننے اور سنانے والے کے درمیان وہم کا اندیشہ ہوتا ہے جو اس صورت میں نہیں ہے۔ مگر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ:

---

[1] التدریب ص ۱۴۸

[2] اختصار علوم الحدیث ص ۱۲۷

Marfat.com

''صحیح بات یہ ہے کہ اس کا درجہ سماع وقرأت سے فروتر ہے۔''[۱]

۲ یہ صورت ''مناولہ مع الاجازہ'' سے ملتی جلتی ہے کہ استاد شاگرد سے کہے ''یہ کتاب لو اور اس کو نقل کر کے مجھے واپس دے دو۔''

۳ دونوں صورتوں کے علاوہ تیسری صورت یہ ہے کہ شاگرد استاذ کے پاس ایک کتاب لائے جس میں استاد کی مسموعات درج ہوں استاد اسے غور سے دیکھے اور پھر کہے کہ تمہیں اس کے روایت کرنے کی اجازت ہے۔

۴ ان سب سے درجہ میں فروتر یہ صورت ہے کہ شاگرد استاد کے پاس کتاب لائے اور اس سے روایت کرنے کی اجازت طلب کرے۔ اور استاد کتاب کو بلا دیکھے اور بدوں مراجعہ ومقابلہ اس کو اجازت دے دے۔

۵ مکاتبہ

محدثین کی اصطلاح میں مکاتبہ سے مراد یہ ہے کہ شیخ خود لکھ کر یا کسی سے اپنی مرویات لکھوا کر ایک حاضر اور موجود شاگرد کو دے یا غیر موجود بھجوا دے۔[۲]

ایک حاضر اور موجود شاگرد کو لکھی ہوئی حدیثیں دینے کی صورت میں شک وشبہ کی مجال اس لئے نہیں ہے کہ وہ بذات خود شیخ یا اس کے کاتب کی تحریر جو اس نے شیخ کی موجودگی میں لکھی ہے دیکھ سکتا ہے۔ غیر حاضر شخص کو تحریر بھیجنے میں بھی اشتباہ کا احتمال نہیں۔ اس لئے کہ حدیث امانت رسول ہے اور مکتوب الیہ کے اطمینان کے لئے کافی ہے کہ یہ تحریر شیخ نے خود لکھی ہے یا کاتب نے اس کے حکم سے تحریر کی ہے۔[۳] اس صورت میں کاتب وقاصد کا ثقہ اور دیانت دار ہونا شرط ہے۔

---

۱ الباعث الحثیث ص ۱۳۸

۲ توضیح الافکار ج ۲ ص ۳۳۸ نیز التدریب ص ۱۴۶

۳ حق بات یہ ہے کہ ایک شخص کی تحریر دوسرے سے نہیں ملتی اور نہ اس میں التباس کی کوئی گنجائش ہے جیسا کہ ابن الصلاح کا خیال ہے۔ [التدریب ص ۱۴۶]

Marfat.com

بعض محدثین نے ''مکاتبہ'' میں تشدد سے کام لیا ہے اور اس کے مقرون بالاجازہ ہونے کی شرط عائد کی ہے۔ مگر یہ ناروا تشدد ہے اس لئے کہ اکابر محدثین نے ''مکاتبہ'' کو کافی قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ اجازت کی شرط نہیں لگائی۔ مثلاً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب الایمان والنذور میں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن بشار کو حدیثیں لکھ کر بھیجیں اور ان کی حدیثیں روایت کیں۔[1]

امام مسلم اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے غلام نافع کے ہاتھ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجا کہ مجھے کوئی حدیث سنایئے جو آپ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ انہوں نے لکھا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ کے روز سنا جب کہ ماعز اسلمی کو سنگسار کیا گیا تھا[2]...... (پوری حدیث یہاں ذکر نہیں کی گئی)

اس میں شبہ نہیں کہ اگر مکاتبہ کے ساتھ اجازت بھی شامل ہو تو اس کا مرتبہ قوی تر ہو جائے گا۔ بلکہ بعض محدثین نے مکاتبہ مع الاجازہ کو سماع پر بھی ترجیح دی ہے۔[3]

ایسی وسعت کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں کہ جس شخص کو بذریعہ تحریر روایت کی اجازت دی گئی ہو وہ یوں کہے ''سَمِعْتُ یا حَدَّثَنِیْ یا اَخْبَرَنِیْ'' اس لئے کہ ان الفاظ سے متوہم ہوتا ہے کہ اس نے بذات خود سنا۔ اور اگر ان الفاظ کے ساتھ ''مکاتبۃ'' کی قید لگا دے اور ان الفاظ کو علی الاطلاق نہ رہنے دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ انداز بیان میں باریک بینی اور دقت نظر پیدا کرنے کے لئے یوں کہے کہ ''فلاں شخص نے مجھے خود لکھ کر یا فلاں شخص سے لکھوا کر اپنے یا کسی اور کے قاصد کے ذریعے اپنی مجلس میں یا کسی اور نشست گاہ میں فلاں فلاں حدیث سے آگاہ کیا۔''[4]

---

[1] توضیح الافکار ج ۲ ص ۳۳۹

[2] تدریب الراوی ص ۱۴۷

[3] الباعث الحثیث ص ۱۴۰

[4] توضیح الافکار ج ۲ ص ۳۴۱ و اختصار علوم الحدیث ص ۱۳۹

Marfat.com

۶ اعلام

اعلام کے معنی یہ ہیں کہ شیخ تلمیذ کو صرف یہ بتا دے کہ فلاں کتاب یا حدیث ان کی مرویات یا مسموعات میں سے ہے مگر صراحۃً روایت کی اجازت نہ دے۔[۱]

اکثر محدثین اخذ حدیث کی اس صورت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ شیخ کو لوگوں میں جو اعتماد حاصل ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ شاگرد کو غلط بات نہیں بتا سکتا گویا وہ شاگرد کو اپنی مسموع احادیث کی اطلاع دے کر یہ اشارہ کرتا ہے کہ وہ ان کو مجھ سے حاصل بھی کر سکتا ہے اور آگے بیان بھی کر سکتا ہے۔

اس طرح گو شیخ صراحۃً شاگرد کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتا البتہ ضمناً اس کی اجازت صاف سمجھ میں آتی ہے۔

اسی لئے اکثر محدثین کا خیال ہے کہ شیخ جب تلمیذ کو اپنی مرویات سے آگاہ کر کے اس کو روایت حدیث سے منع کر دے تو صرف اعلام کی بناء پر حدیث کی روایت جائز نہیں۔ مثلاً شیخ یوں کہے:

''یہ میری مسموعات یا مرویات ہیں مگر میں آپ کو ان کی روایت سے منع کرتا ہوں یا ان کو مباح نہیں کرتا یا ان کی اجازت نہیں دیتا یا ان کو دوسروں تک نہ پہنچایئے۔''

ان تمام صورتوں میں شاگرد شیخ کی حدیثوں کی روایت نہیں کر سکتا ممانعت کی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ ''شہادت پر شہادت'' دینے کے مترادف ہے۔ شاہد ثانی کی شہادت اسی صورت میں درست ہے جب شاہد اول اس کو اجازت دے دے[۲] اور وہ یوں کہ اس کی شہادت پر شہادت دے۔

مگر قاضی عیاض اس قیاس کو صحیح نہیں سمجھتے۔ ان کے خیال میں اعلام اور شہادۃ علی الشہادۃ کے مابین سرے سے کوئی مماثلت موجود ہی نہیں۔ اس لئے کہ ''شہادۃ علی

---

۱ التدریب ص ۱۴۸

۲ الباعث الحثیث ص ۱۴۰

Marfat.com

الشہادۃ'' بدون اجازت کسی حال میں بھی جائز نہیں بخلاف ازیں جو حدیث سماع وقرأت کے بعد بیان کی جائے اس میں اجازت کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں شہادت اور روایت میں بنیادی فرق وامتیاز پایا جاتا ہے۔[1]

قاضی عیاض اعلام کی بناء پر تلمیذ کو روایت کی اجازت دیتے ہیں اگرچہ شیخ نے اس کی روایت سے منع ہی کیوں نہ کر دیا ہو۔ بعض اہل الظاہر[2] کا خیال ہے کہ شیخ جب تلمیذ کو کوئی حدیث بتا کر اس کی روایت سے روک دے تو یہ اسی طرح ہے جیسے شاگرد استاد سے براہ راست کوئی حدیث سنے اور استاد اس کی روایت سے روک دے۔[3] (یعنی جس طرح مسموع حدیث کی روایت سے روکنے کے بعد شاگرد روایت کرنے کا مجاز نہیں ہے اسی طرح اعلام کی صورت میں منع کرنے کے بعد اسے حدیث کی روایت کرنا درست نہیں ہے۔)

۷ وصیت

وصیت اخذ وتحمل حدیث کی ایک نادر قسم ہے وصیت کا مطلب یہ ہے کہ شیخ دوران سفر یا بستر مرگ پر صراحۃً یوں کہے کہ میں فلاں شخص کو فلاں کتاب کے روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔[4] بعض علمائے سلف کا قول ہے کہ مُوْصٰی لَہٗ (جس کو وصیت کی گئی ہو) مُوْصِیْ (وصیت کنندہ) کی کتاب سے حدیثیں روایت کر سکتا ہے ان کے نزدیک وصیت میں ایک طرح کا ''اعلام'' اور ''مناولہ'' کی ایک نوع پائی جاتی ہے۔ گویا شیخ نے وصیت کر کے تلمیذ کو ایک خاص چیز دے دی اور اسے بتا دیا کہ یہ اس کی مرویات میں سے ہے البتہ وہ صراحۃً ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتا جن سے یہ مفہوم ظاہر ہو۔[5]

تاہم وصیت کی بنا پر روایت کی اجازت دینے والے اس بات کا اعتراف کرتے

---

[1] التدریب ص ۱۴۸

[2] داؤد بن علی الظاہری متوفی ۲۷۰ھ کے اتباع کو ظاہری کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ظواہر نصوص کا اتباع کرتے ہیں۔

[3] اختصار علوم الحدیث ص ۱۴۰ [4] التدریب ص ۱۴۸

[5] الباعث الحثیث ص ۱۴۱

Marfat.com

ہیں کہ یہ اخذ حدیث کی تمام صورتوں کی نسبت کمزور ترین صورت ہے۔ وصیت کا درجہ اعلام اور مناولہ دونوں سے فروتر ہے۔ البتہ بعض وجوہ سے وصیت ان سے مماثلت رکھتی ہے مگر محدث ابن الصلاح مشابہت و مماثلت کی کوئی وجہ نہیں سمجھتے اور ان لوگوں کی سخت تردید کرتے ہیں جو وصیت اور اعلام و مناولہ کو ایک دوسرے کے مماثل قرار دیتے ہیں۔

ابن الصلاح فرماتے ہیں۔

"بعض لوگوں نے وصیت کو اعلام اور مناولہ کے مماثل قرار دیا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ جو لوگ اعلام و مناولہ کی بنا پر روایت کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے دلائل ہم بیان کر چکے ہیں۔ مگر وصیت میں ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں پائی جاتی۔"[1]

موصی لہ کے لئے ضروری ہے کہ روایت کرتے وقت موصی کے الفاظ کی پابندی کرے اور ان میں کمی بیشی نہ کرے۔ اس لئے کہ وصیت بالعلم وصیت بالمال کی مانند ہے لہٰذا اس کی مقدار متعین ہونی چاہئے۔ نظر بریں جس چیز کی وصیت کی گئی ہے اس کے متعلق معلوم ہونا چاہئے کہ آیا وہ ایک کتاب ہے یا متعدد کتب' ایک حدیث ہے یا بہت سی احادیث نیز یہ کہ مسموع روایات ہیں یا مرویات۔ بہرکیف موصی کے تعبیر و بیان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

❽ وِجادہ

وجادہ بکسر الواؤ ایک جدید الاستعمال مصدر ہے اور عربوں سے سنی نہیں گئی محدثین کی اصطلاح میں وجادہ کے معنی یہ ہیں کہ سماع اجازہ اور مناولہ کے بغیر کسی کتاب یا صحیفہ سے علم حاصل کیا جائے۔[2] اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی محدث کے ہاتھ کی لکھی ہوئی حدیثیں دیکھے اور سابقہ ملاقات کی بناء پر خوب اچھی طرح سے پہچان لے کہ یہ اسی کی تحریر کردہ ہیں یا اسے ملا نہ ہو تاہم اسے اس بات کا یقین ہو کہ یہ تحریر فلاں

---

[1] حاشیہ توضیح الافکار ج ۲ ص ۳۴۴

[2] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۶۷

Marfat.com

محدث ہی کی ہے اسی طرح جب چند احادیث کسی مشہور محدث کی شہرہ آفاق کتاب میں لکھی ہوئی دیکھے تو جس شخص کو یہ حدیثیں ملیں وہ شیخ کا حوالہ دے کر یہ حدیثیں روایت کرسکتا ہے۔ اندریں صورت مناسب یہ ہے کہ حدیث کی سند جوں کی توں نقل کر دے اور یوں کہے کہ مجھے فلاں شخص کی تحریر ملی یا میرا ظن غالب یہ ہے کہ یہ فلاں شخص کی تحریر ہے یا یہ کہ صحیح اور مشہور قول کے مطابق یہ فلاں شخص کی تحریر ہے۔ اس کے بعد حدیث بیان کر دے۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل اسی طرح کیا کرتے تھے وہ اکثر اوقات یوں کہتے کہ میں نے اپنے والد کی تحریر دیکھی کہ فلاں شخص نے مجھے حدیث سنائی۔ اس کے بعد حدیث کی پوری عبارت نقل کر دیتے۔[1]

جو حدیث بصورت وجادہ ملی ہو اس کو روایت کرتے وقت یوں کہنا درست نہیں کہ "عَنْ فُلَانٍ" "حَدَّثَنَا" یا "اَخْبَرَنَا فُلَانٌ" "سَمِعْتُ مِنْهُ" "وَجَدْتُّ بِخَطِّهٖ" اس لئے کہ یہ بدترین قسم کی تدلیس ہے کیونکہ سامع اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس نے سن کر بیان کیا ہوگا۔[2] حالانکہ وہ شک میں مبتلا ہوتا ہے اور اسے یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں ہوتا البتہ وہ یوں کہہ سکتا ہے کہ "قَالَ فُلَانٌ" "بَلَغَنِیْ اَنَّ فُلَانًا قَالَ" "کَتَبَ الشَّیْخُ بِخَطِّهٖ" "اَمَرَمَنْ یَّکْتُبُ لَهٗ"

مذکورہ صدر بیان سے دور حاضر کے ادباء و مورخین کی غلطی واضح ہوتی ہے جو اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ "یہ حدیث ہمارے پاس طبری یا ابن حجر یا حافظ عراقی نے بیان کی۔"[3] (کیونکہ ایسے الفاظ براہ راست سماع کی صورت میں کہے جا سکتے ہیں)

پس وجادہ کو جب صحیح طریقہ سے سمجھا جائے تو اس کی قیمت و اہمیت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اور وہ اخذ حدیث کے طرق میں سے ایک طریقہ قرار پاتا ہے آج حدیث

---

[1] التدریب ص ۱۴۸۔۱۴۹

[2] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۶۸

[3] الباعث الحثیث ص ۱۴۴

Marfat.com

کی کتب صحیحہ میں جو روایات بھی ہم نقل کرتے ہیں وہ وجادہ کی قسم میں سے ہیں۔ اس لئے کہ دور حاضر میں نشر و طباعت کے عام ہونے کے بعد ایسے حفاظ حدیث کا وجود عنقا ہے جن سے براہ راست حدیثیں سنی جائیں۔ بخلاف ازیں معتبر کتب حدیث کی جانب مراجعت نہایت آسان ہے۔ ہم ازیں محدث ابن الصلاح کا زاویہ نگاہ واضح کر چکے ہیں کہ پچھلے ادوار میں وجادہ پر عمل درآمد از بس ناگزیر ہے۔ اگر متاخرین کے عصر و عہد میں صرف روایت پر عمل کیا جائے تو منقولات کی تعمیل کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ اس لئے کہ منقولات میں روایت کی شرط کا پایا جانا دشوار ہے۔[1]

حافظ عماد الدین ابن کثیر[2] نے وجادہ کے واجب العمل ہونے پر مندرجہ ذیل حدیث صحیح سے استدلال کیا ہے۔

''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایمان کے اعتبار سے تمہیں کون سی مخلوق زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے عرض کی ''فرشتے'' آپ نے فرمایا ''فرشتے جب خدا کے حضور میں رہتے ہیں تو وہ ایمان کیوں کر نہ لائیں؟'' صحابہ نے کہا ''انبیاء سب سے زیادہ محبوب ہیں'' فرمایا ''انبیاء کیوں کر ایمان نہ لائیں جب کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔'' صحابہ نے عرض کی ''ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں'' فرمایا ''تم کیوں کر ایمان نہیں لاؤ گے جب کہ میں تمہارے اندر موجود ہوں'' صحابہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! پھر اور کون محبوب ہے؟'' فرمایا ''وہ قوم ہے جو تمہارے بعد آئے گی وہ کچھ کتابیں اور صحیفے پائے گی اور ان پر ایمان لائے گی۔''[3]

مذکورہ صدر حدیث سے ان لوگوں کی مدح مستفاد ہوتی ہے جو صرف وجادہ پر عمل

---

1. علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۶۹
2. عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن شیخ ابو حفص شہاب الدین عمر عظیم محدث و مفسر اور صاحب التصانیف تھے۔ ۷۷۴ھ میں وفات پائی۔
3. توضیح الافکار ج ۲ ص ۳۴۹ نیز تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۴۔۷۵ مطبع المنار

Marfat.com

کرتے ہیں۔ امام بلقینی[1] نے اس استدلال کو سراہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس استدلال کی ضرورت نہیں کیونکہ وجادہ پر عمل کا واجب ہونا اس حدیث پر موقوف نہیں۔ وجادہ پر وجوب عمل کا مدار و معیار بلوغ احکام اور مکلف و مامور کے اس بھروسہ و اعتماد پر ہے کہ جو احکام اس کو ملے ہیں ان کی نسبت آنحضور ﷺ کی جانب درست ہے۔[2]

حق بات یہ ہے کہ حدیث کے اخذ و تحمل اور اس کی روایت کی بعض صورتوں ...... مثلاً وجادہ وصیت اور اعلام ...... کے بارے میں علمائے سلف کا تشدد ان کے خاص احوال وظروف کے پیش نظر ان کے زمانہ میں درست تھا۔ حدیث ان کا محبوب مشغلہ بلکہ اوڑھنا بچھونا تھا۔ وسائل تدوین و کتابت کے فقدان کے باعث حدیث کے حفظ و روایت کی انہیں شدید ضرورت تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ حدیث نبوی کی حفاظت اور اس کے طرق اخذ و روایت میں باریک بینی اور عرق ریزی ہم پر بھی واجب ہے مگر نشر و اشاعت اور طباعت کی سہولت نے حفاظت حدیث کے بوجھ کو بڑی حد تک ہم سے ہلکا کر دیا ہے۔

روایت حدیث کے طریقے

حسب اصطلاح محدثین اخذ حدیث کے طریقہ ہائے ہشت گانہ روایت حدیث کے احوال کی منظر کشی کر سکتے ہیں۔

۱ اداء

استاد جب شاگرد کو حدیث سناتا ہے تو اس کو محدثین کی اصطلاح میں ''اداء'' کہتے ہیں۔

---

[1] التدریب ص ۱۴۹۔ بلقینی کا نام عبد الرحمٰن بن عمر بن ارسلان کنیت ابو الفضل اور لقب جلال الدین ہے۔ آپ فقہ و اصول عربیت اور تفسیر میں ماہر تھے آپ کی تصانیف میں سے ایک کا نام ''الافہام لما فی صحیح البخاری من الابہام'' ہے آپ نے ۸۲۴ھ میں وفات پائی۔ [شذرات الذہب ج ۷۔ ص ۱۶۶]

[2] الباعث الحثیث ص ۱۴۴

Marfat.com

۲ مُوَدِّی

مودی اس شخص کو کہتے ہیں جو شاگرد کو حدیث سناتا ہے۔

۳ مُتَحَمِّل

متحمل وہ ہے جو استاد سے حدیث اخذ کرتا ہے۔

نظر بریں ایک ہی شخص بیک وقت متحمل بھی ہو سکتا ہے اور مودی بھی۔ اگر استاد کا لحاظ کیا جائے تو اس کو متحمل (شاگرد) کہیں گے اور اگر اس کے شاگرد کا اعتبار کریں تو اسے مودی (شیخ) کہیں گے۔ مثلاً ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت کریں تو وہ تلمیذ (شاگرد) ہوں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شیخ ٹھہریں گے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ یہی روایت علی رضی اللہ عنہ کو سنائیں گے تو اس صورت میں ابوبکر شیخ اور مودی (استاد) ہوں گے اور علی تلمیذ اور متحمل (شاگرد) کہلائیں گے۔

اس لحاظ سے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ حدیث کی روایت حدیث کے اخذ و تحمل کے لئے مفید ہے۔ جو شخص اخذ حدیث کے طریقہ ہائے ہشت گانہ میں سے کسی طریقہ سے بھی حدیثیں اخذ کر سکتا ہے۔ اس پر لازم ہے کہ ان ہی طریقوں میں سے کسی طریقہ کے مطابق ان کو دوسروں تک پہنچا دے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی ایسی بات نہ پائی جاتی ہو جو روایت حدیث کی صلاحیت کو روک دے یا کمزور کر دے۔

Marfat.com

باب: ۲

علوم الحدیث پر تصانیف

Marfat.com

فصل: ۱

علم حدیث

روایت و درایت کے اعتبار سے

علم حدیث کی دو قسمیں ہیں۔ [۱] روایت حدیث [۲] درایت حدیث

[۱] روایت حدیث

یہ علم ان احادیث کی نقل و روایت پر مبنی ہے جو نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب ہوں۔ خواہ قولی ہوں یا فعلی یا تقریری یا آنحضور ﷺ کی کسی صفت پر مبنی ہوں۔ قول مختار کی بناء پر اس میں اقوال صحابہ و تابعین بھی شامل ہیں۔[۱]

[۲] درایت حدیث

درایت حدیث مباحث و مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جس سے راوی اور مروی (حدیث) کا قبولیت یا عدم قبولیت کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔[۲]

[۳] راوی

جو شخص اپنی سند سے حدیث روایت کرتا ہو خواہ مرد ہو یا عورت اس کو راوی کہتے ہیں۔[۳]

---

۱ المنہل الحدیث ... التدریب ص ۳
۲ التدریب ص ۳-۴ یہ تعریف حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے کی ہے۔
۳ الکفایہ ص ۹۷

Marfat.com

۴ مروی

روایت کردہ حدیث یا قول کو ''مروی'' کہتے ہیں۔ اس لئے مروی عام ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کی جانب منسوب ہو یا صحابہ و تابعین کی طرف۔

۵ احوال الراوی

راوی کے حالات جن کو اس کی روایت کی قبولیت یا عدم قبولیت میں معتبر سمجھا جاتا ہے' یہ ہیں کہ اس نے کس طرح حدیث سنی اور کیسے روایت کی؟ کیا وہ ثقہ راوی ہے یا اس پر نقد و جرح کی جا چکی ہے؟ وہ کہاں کا رہنے والا ہے اور کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے؟ کب پیدا ہوا اور کب وفات پائی؟

۶ احوال المروی

احوال المروی سے مراد وہ شرائط ہیں جن کا تعلق حدیث کے اخذ و روایت اور سند کے متصل یا منقطع یا معضل ہونے کے ساتھ ہوتا ہے۔ (اگلی فصلوں میں ان کا ذکر آ رہا ہے۔)

جب ہم راوی یا مروی کو مقبول یا مردود کہتے ہیں تو اس سے یہ مراد نہیں لیتے کہ مقبول وہ ہے جس پر عمل جائز ہو۔ اور مردود وہ جس پر عمل ناجائز ہو۔ بخلاف ازیں ان کو صرف نقل و روایت کے اعتبار سے مقبول یا مردود کہا جاتا ہے راوی کے مقبول ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کی روایت قبول کرتے ہیں اور مردود ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی روایت ہمارے یہاں قابل قبول نہیں ہے۔

اسی طرح مروی (روایت۔ حدیث) کے مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثابت اور درست ہے اور مردود ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مشکوک اور غیر صحیح ہے۔

درایت حدیث کے علم کو ''علم اصول الحدیث'' بھی کہتے ہیں [۱]

حدیث نبوی کے متن و عبارت کا درس و مطالعہ اور کتب روایت کا حفظ و اہتمام

---

[۱] المختصر فی علم رجال الاثر از عبد الوہاب عبد اللطیف ص ۸

Marfat.com

اس وقت تک بے کار ہے جب تک اس کے پہلو بہ پہلو درایت حدیث پر غور وفکر نہ کیا جائے۔ درایت حدیث ہی کا وہ فن ہے جس میں حضور ﷺ کے اقوال وافعال کا تاریخی وتحلیلی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

یہ امر پیش نظر رہے کہ درایت حدیث کا دقیق وعمیق مطالعہ ہی ہماری اس کتاب کا موضوع ہے۔ درایت حدیث کا علم حدیث نبوی کی عبارت سے وہی تعلق رکھتا ہے جو علم تفسیر کو قرآن کریم سے ہے یا احکام کو واقعات کے ساتھ۔ درایت حدیث سے متعلق مباحث حدیث کے ابتدائی دور میں جداگانہ حیثیت رکھتے تھے۔ موضوع غرض وغایت اور طرز وانداز کے اعتبار سے یہ بالکل الگ تھلگ تھے جب تدوین حدیث اور تصنیف و تالیف کا دور آیا تو ہر عالم نے علم کے ایک الگ گوشے کو اپنا لیا اور اس طرح درایت حدیث سے متعلق علوم کئی قسموں میں بٹ گئے۔ مگر "علوم الحدیث" کا نام ان سب اقسام کو حاوی ہے۔ اب ہم ان میں سے اہم علوم کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں۔

۱ علم جرح وتعدیل

ان علوم میں سے جرح وتعدیل کا علم بھی ہے یہ وہ علم ہے جو خاص الفاظ کے ذریعے راویوں کی عدالت وثقاہت یا ان کے عیب وضعف سے بحث کرتا ہے جرح و تعدیل کا علم درایت حدیث کے فن کا ثمرہ اور اس کی بہت بڑی سیڑھی ہے۔[۱] بہت سے علماء اس فن میں عصر صحابہ سے لے کر متاخرین کے عہد تک گفتگو کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ ترتیب ادوار کے مطابق ان کے اسمائے گرامی ذیل ہیں۔

۱. صحابہ میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما (۶۸ھ) انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۹۳ھ)
۲. تابعین میں شعبی (۱۰۴ھ) ابن سیرین (۱۱۰ھ)
۳. عصر تابعین کے آخر میں اعمش (۱۴۸ھ) شعبہ (۱۶۰ھ) امام مالک (۱۷۹ھ) ان کے قریبی طبقہ میں مندرجہ ذیل اصحاب شامل ہیں۔
۴. ابن المبارک (۱۸۱ھ) ابن عیینہ (۱۹۷ھ) عبد الرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ)

[۱] جیسا کہ الحاکم نے معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۲ اٹھارہویں قسم میں بیان کیا ہے۔ نیز دیکھئے الکفایہ باب الکلام علی العدالہ واحکامہا ص ۸۱۔۱۰۱ باب الکلام فی الجرح واحکامہ ص ۱۰۱

Marfat.com

علم جرح وتعدیل مندرجہ ذیل اصحاب کے عہد میں اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گیا۔

۵ • یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) ابن حنبل (۲۴۱ھ)

جرح وتعدیل کے فن میں ابن سعد زہری بصری متوفی ۲۳۰ھ کی طبقات ابن سعد نہایت جامع کتاب ہے۔ یہ پندرہ جلدوں میں ہے۔ امام سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے ''ایجاز الوعد المنتقی من طبقات ابن سعد'' کے نام سے اس کو مختصر کیا۔

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے جرح و تعدیل کے فن میں تین تاریخیں مرتب کیں۔[۱]

علی بن المدینی (۲۳۴ھ) نے دس اجزاء میں ایک تاریخ لکھی۔

محدث ابن حبان (۳۵۴ھ) نے ایک کتاب ''فی اوہام اصحاب التواریخ'' کے موضوع پر دس اجزاء میں لکھی۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر (۷۷۴ھ) نے ایک کتاب ''کتاب التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل'' نامی مرتب کی۔

بعض علماء نے جرح وتعدیل کے ایک خاص دائرہ میں محدود رہ کر کتابیں تالیف کیں۔ مثلاً العجلی (۳۶۱ھ) اور زین الدین قاسم (۳۸۹ھ) نے صرف ثقہ راویوں پر کتابیں لکھیں۔

امام بخاری، نسائی اور ابن الجوزی نے ضعفاء اور متروک راویوں پر کتابیں مرتب کیں۔ حسین بن علی کرابیسی صاحب الشافعی نے سب سے پہلے مدلسین پر کتاب لکھی پھر امام نسائی دارقطنی اور سیوطی نے کتابیں لکھیں۔

محمد بن طاہر مقدسی نے صرف بخاری و مسلم کے راویوں کے بارے میں ایک کتاب ترتیب دی۔ محدث ذہبی نے ایک کتاب ''الکاشف'' نامی صحاح ستہ کے رواۃ و رجال پر لکھی۔

---

[۱] ان میں سے التاریخ الصغیر ہند میں ۱۳۲۵ھ میں طبع ہو چکی ہے۔ التاریخ الکبیر کی پہلی اور چوتھی جلد ہند میں ۱۳۶۰ھ اور ۱۳۶۱ھ میں طبع ہوئی۔

Marfat.com

۲ علم رجال الحدیث

اس علم میں حدیث نبوی کے راوی ہونے کے اعتبار سے رواۃ حدیث کا حال معلوم کیا جاتا ہے۔[1]

اس علم میں مشغول ہونے والے اولین شخص امام بخاری (۲۵۶ھ) تھے۔ طبقات ابن سعد (۲۳۰ھ) میں بھی اس کا بہت مواد موجود ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں عزالدین بن الاثیر (۶۳۰ھ) نے ''اسد الغابہ فی اسماء الصحابہ'' جمع کی۔ البتہ انہوں نے اس میں صحابہ کے علاوہ دیگر رواۃ حدیث کا حال بھی بیان کر دیا۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) نے ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' تصنیف کی جس کو ان کے شاگرد سیوطی (۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب ''عین الاصابہ'' میں مختصر کر دیا۔

۳ علم مختلف الحدیث

اس علم میں ان احادیث سے بحث کی جاتی ہے جن میں بظاہر تناقض نظر آتا ہے۔ اس علم کے ذریعے ان کے مابین جمع وتطبیق دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جمع وتطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ مطلق احادیث کو مقید اور عام کی تخصیص کر دی جائے یا ان کو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے اس کو ''تطبیق حدیث'' کا علم بھی کہا جاتا ہے۔[2]

امام نووی رحمہ اللہ التقریب میں لکھتے ہیں:

''یہ حدیث کا ایک نہایت اہم فن ہے۔ سب علماء کو اس کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اس فن کا مقصد یہ ہے کہ دو بظاہر متضاد المعنی احادیث میں جمع وتوفیق کی کوشش کی جائے یا ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیا جائے۔ اس فن میں وہ علماء دسترس رکھتے ہیں جو حدیث وفقہ کے جامع ہوں یا ماہر

---

[1] المنہل الحدیث للزرقانی ص ۱۰ نیز الرسالۃ المستطرفہ ص ۹۶۔ ۱۰۰ فصل کتب فی تواریخ الرجال و احوالہم۔

[2] المنہل الحدیث ص ۱۱ نیز توضیح الافکار۔ ص ۴۲۳

Marfat.com

اصول ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث کے معانی میں مہارت رکھتے ہوں۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فن میں تصنیف کا آغاز کیا مگر تکمیل کی نوبت نہ آئی۔
البتہ انہوں نے اس پر کام کرنے کی راہ کھول دی۔"[1]

مثلاً ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "لَا عَدْوٰی" (بیماری متعدی نہیں ہوتی) دوسری حدیث میں فرمایا "کوڑھی سے یوں بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو" یہ دونوں صحیح حدیثیں ہیں۔ ان دونوں کے مابین جمع و تطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ بیماریاں بذاتِ خود متعدی نہیں ہوتیں۔ البتہ مریض کے تندرست سے ملنے کو اللہ تعالیٰ نے اس کی بیماری کے متعدد ہونے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ بعض اوقات تندرست آدمی بیمار سے ملتا ہے اور بیمار نہیں ہوتا۔ جس طرح دوسرے اسباب میں بھی ایسا ہوتا ہے۔[2]

امام شافعی (۲۰۴ھ) ابن قتیبہ (۲۷۶ھ) ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ ساجی (۳۰۷ھ) اور ابن الجوزی (۵۹۷ھ) نے مختلف الحدیث کے موضوع پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔

۴ علل الحدیث

اس علم میں ان پوشیدہ اور دقیق علل و اسباب سے بحث کی جاتی ہے جن کی بناء پر حدیث کی صحت میں قدح وارد ہوتی ہے۔ مثلاً حدیث منقطع کا موصول ہونا' موقوف کا مرفوع ہونا اور ایک حدیث کو دوسری میں داخل کرنا اور علاوہ ازیں[3] جہاں ہم ضعیف احادیث کی قسموں میں سے "معلل" کا ذکر کریں گے وہاں بتائیں گے کہ وہ کون سے اہم علل ہیں جن کی بناء پر حدیث ضعیف قرار پاتی ہے۔ اگرچہ بظاہر اس میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔

علل الحدیث کے موضوع پر ابن المدینی (۲۳۴ھ) امام مسلم (۲۶۱ھ) ابن ابی

---

۱ التدریب ص ۱۹۷

۲ التدریب ص ۱۹۸ نیز شرح نخبہ لابن حجر ص ۱۵

۳ المنہل الحدیث ص ۱۱ نیز الرسالہ بحث الکتب المؤلفہ فی علل الحدیث۔

Marfat.com

حاتم (۳۲۷ھ) علی بن عمر دارقطنی (۳۷۵ھ) محمد بن عبداللہ حاکم (۴۰۵ھ) اور ابن الجوزی (۵۹۷ھ) نے کتابیں تحریر کیں۔

۵ غریب الحدیث

یہ علم ان احادیث سے بحث کرتا ہے جن کا مطلب و مفہوم بہت سے لوگوں پر عربی زبان کے بگڑ جانے کی وجہ سے واضح نہیں ہوتا۔[1]

اس علم میں سب سے پہلے ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ بصری (۲۱۰ھ) نے ایک مختصر کتاب تصنیف کی۔ پھر ابوالحسن نضر بن شُمَیل مازنی (۲۰۴ھ) نے اس سے بڑی کتاب لکھی۔ بعد ازاں ابوعبید قاسم بن سلام (۲۲۳ھ) نے ایک ایسی کتاب لکھی جس کی تصنیف میں پوری عمر کھپا دی۔ علاوہ ازیں ابن قتیبہ (۲۷۶ھ) اور پھر زمخشری (۵۳۸ھ) نے اپنی کتاب ''الفائق فی غریب الحدیث'' مرتب کی۔ اس کے بعد مجد الدین المعروف ابن الاثیر (۶۰۶ھ) نے ''النہایہ فی غریب الحدیث والاثر'' تحریر کی۔ الارموی نے نہایہ کا ایک ضمیمہ لکھا۔ امام سیوطی (۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب ''الدر النثیر تلخیص نہایہ ابن الاثیر'' میں نہایہ کا خلاصہ تحریر کیا۔

۶ ناسخ و منسوخ

یہ علم ان احادیث متعارضہ سے بحث کرتا ہے جن میں جمع و تطبیق کا امکان نہ ہو اور بعض احادیث کو ناسخ اور بعض کو منسوخ قرار دیا جائے۔[2] حدیث ناسخ کا علم بعض اوقات نبی اکرم ﷺ سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ جیسے آپؐ نے فرمایا:

''میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا اب ان کی زیارت کیجیے۔''

نیز فرمایا:

''میں تمہیں قربانی کے گوشت کا تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے منع کیا

۱۔ الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۱۵ و توضیح الافکار ج ۲ ص ۳۱۲

۲۔ المنہل الحدیث ص ۱۱ نیز الرسالۃ المستطرفہ ص ۶۰

Marfat.com

کرتا تھا اب اجازت ہے کہ جتنا چاہو کھاؤ۔"

یہ حدیث مسلم بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔[۱]

ناسخ کا پتہ بعض اوقات علم سیرت و تاریخ سے بھی چلتا ہے آپ نے فرمایا "پچھنے لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔" یہ حدیث آپ نے فتح مکہ سے پہلے جعفر بن ابی طالب کے حق میں فرمائی۔ دوسری حدیث کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں کہ "آپ نے بحالت روزہ و احرام پچھنے لگوائے۔" حضرت ابن عباس اپنے والد کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے تھے۔

ناسخ و منسوخ احادیث مندرجہ ذیل علماء نے کتابیں تحریر کیں۔

"احمد بن اسحاق دیناری (۳۱۸ھ) محمد بن بحر اصبہانی (۳۲۲ھ) ہبۃ اللہ بن سلامہ (۴۱۰ھ) محمد بن موسیٰ حازمی[۲] (۵۸۴ھ) اور ابن الجوزی (۵۹۷ھ)"

---

۱ شرح نخبہ ص ۱۶

۲ الحازمی کی کتاب حیدر آباد مصر اور حلب میں شائع ہو چکی ہے اس کا نام "الاعتبار فی بیان الناسخ و المنسوخ من الآثار" ہے۔

Marfat.com

فصل : ۲

کتب حدیث اور ان کے مراتب

کتب حدیث میں فرق مراتب

حدیث نبوی کے سلسلہ میں بہت سی کتابیں مرتب کی گئی تھیں۔ جن میں سے بعض ہم تک پہنچیں اور بعض نہ پہنچ سکیں۔ ابھی تک دنیا کے کتب خانوں میں حدیث کی بہت سی کتابیں غیر مطبوعہ پڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اکابر علماء کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ ان مخطوطوں کی گرد جھاڑ کر ان کو زیور طبع سے آراستہ کریں اور اس عظیم اسلامی ورثہ کو زندہ کریں۔ کتب حدیث کی یہ فراوانی ایک طبعی امر ہے۔ اس لئے کہ تمام احادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک کتاب میں یکجا نہیں کیا جا سکتا وہ کتاب کتنی ہی عظیم و ضخیم کیوں نہ ہو۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند سات لاکھ پچاس ہزار احادیث میں سے منتخب کی تھی۔[1] حالانکہ اس میں چالیس ہزار احادیث بھی موجود نہیں ہیں۔[2] امام سیوطی نے جمع الجوامع میں اپنے علم و جہد کی حد تک تمام احادیث جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ایک لاکھ احادیث درج کر چکے تھے کہ کتاب کی تکمیل سے قبل ہی وفات پا گئے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ سیوطی کہا کرتے تھے:

''کائنات ارضی پر قولی و فعلی احادیث کل دو لاکھ سے کچھ زائد پائی جاتی ہیں۔''[3]

۱۔ خصائص المسند لابی موسیٰ المدینی۔ دیکھئے مسند احمد بحاشیہ شاکر المقدمہ ج ا ص ۲۱

۲۔ علامہ شاکر فرماتے ہیں کہ ''مسند میں تیس ہزار سے زیادہ اور چالیس ہزار سے کم احادیث پائی جاتی ہیں ہم اس کے خاتمہ پر احادیث کی صحیح تعداد بیان کریں گے'' مگر مسند احمد کی ترتیب و تہذیب سے قبل ہی علامہ شاکر اپنے رب سے جا ملے۔

۳۔ امام سیوطی اس کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''میں نے اس کا نام جمع الجوامع رکھا اور اس میں جملہ احادیث نبویہ یکجا کرنے کا ارادہ کیا۔'' المناوی اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں ''یہ تعداد مصنف کے اپنے علم کے مطابق ہے یہ نہیں کہ احادیث کی تعداد فی الواقع اتنی ہے۔''

Marfat.com

ظاہر ہے اس قدر کثیر التعداد احادیث جو مختلف کتابوں سے جمع کی گئی تھیں اور جن کی جمع و تالیف مختلف زمانوں میں ہوئی۔ یہ ممکن نہیں کہ ان کے سب مصادر ہر لحاظ سے ہم رنگ و ہم آہنگ ہوں۔ بالفاظ دیگر یہ نہیں ہو سکتا کہ حدیث کے مختلف مصادر ایک ہی طبقہ و مرتبہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس لئے علماء نے یہ اصطلاح مقرر کی ہے کہ صحت و حسن اور ضعف کے اعتبار سے کتب حدیث کے کئی طبقات ہیں۔[1]

طبقہ اول

یہ طبقہ صحیح بخاری صحیح مسلم اور موطا مالک میں محصور و محدود ہے۔ ان میں متواتر صحیح اور حسن ہر قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔

طبقہ دوم

اس میں جامع ترمذی سنن ابی داؤد مسند احمد بن حنبل اور نسائی شامل ہیں۔ ان میں مندرج احادیث اگرچہ طبقہ اول کے درجہ کی نہیں۔ تاہم ان کے جامعین نے حسب شرائط خود ان میں تساہل سے کام نہیں لیا۔

متاخرین نے ان کو قبول عام کی سند دے دی اور ضعف کے باوجود ان سے کثیر علوم و احکام اخذ کیے۔ محدثین طبقہ اول و دوم کی کتب حدیث پر زیادہ اعتماد کرتے اور ان سے عقائد و شریعت کے اصول استنباط کرتے ہیں۔

طبقہ سوم

اس طبقہ میں وہ کتب شامل ہیں جن میں ضعیف حدیث کی تمام قسمیں مثلاً شاذ منکر اور مضطرب حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ ان کے اکثر راوی مستور الحال ہیں اور ان میں ذکر کردہ شاذ اور منفرد احادیث عوام میں رائج نہیں ہیں۔ مثلاً مسند ابن ابی شیبہ مسند طیالسی مسند عبد بن حمید مصنف عبد الرزاق بیہقی طبرانی اور طحاوی۔ ان کتب سے صرف جید علمائے حدیث استفادہ کر سکتے ہیں جنہوں نے اپنی ساری عمر علم حدیث کی خدمت اور تحصیل میں گزار دی ہو۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۱۰۵ طبع قاہرہ ۱۳۲۲ھ

Marfat.com

طبقہ چہارم

اس طبقہ میں وہ نا قابل اعتماد کتب شامل ہیں جو پچھلے ادوار میں افسانہ گو واعظوں صوفیوں مورخین اور غیر عادل اصحاب بدعت سے حدیثیں سن کر تصنیف کی گئی ہیں۔ مثلاً ابن مردویہ ابن شاہین اور ابو الشیخ کی تصانیف۔ علم حدیث میں مہارت رکھنے والے اس طبقہ کی کتب پر اعتماد نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ بدعات واہواء کا مصدر ومآخذ ہیں۔

اہم کتب روایت ومسانید

جس طرح کتب حدیث کے متعدد طبقات ہیں اسی طرح ان کی مختلف قسمیں ہیں۔ ان میں کتب صحاح، معاجم، مسانید، مستدرکات، مستخرجات اجزاء سب شامل ہیں۔

(الف) کتب صحاح

کتب صحاح میں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ شامل ہیں۔[1] البتہ بعض علماء نے ابن ماجہ کے بجائے کتب صحاح میں موطا امام مالک کو شامل کیا ہے محدث رزین اور ابن الاثیر کی یہی رائے ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ دارمی کو صحاح ستہ میں شامل کرتے ہیں۔

''الکتب الخمسہ'' (پانچ کتب) سے کتب صحاح ماسوائے ابن ماجہ مراد لی جاتی ہیں جب ذکر احادیث کے دوران ہم دیکھتے ہیں کہ "رَوَاهُ الْخَمْسَةُ" تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کی ہے۔ صحیحین کا اطلاق بخاری[2]

---

[1] الرسالۃ المستطرفۃ ص ۱۰۔ ۱۱

[2] امام بخاری رحمہ اللہ کا نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم اور کنیت ابوعبداللہ ہے دس سال سے کم عمر کے تھے کہ حدیثیں یاد کرنا شروع کر دیں زائد از ایک ہزار شیوخ سے حدیثیں سنیں۔ ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد تھیں۔ آپ کی کتاب "الجامع الصحیح" قرآن کریم کے بعد صحیح ترین کتاب ہے۔ ستر ہزار سے زیادہ طلبہ نے صحیح بخاری آپ سے سنی۔ اس کی جمع وتالیف میں ۱۶ سال مشغول رہے۔ صاحب کشف الظنون نے بخاری کی ۸۲ شرحوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر حافظ ابن حجر کی ←

Marfat.com

اور مسلم[۱] پر کیا جاتا ہے۔ بخاری و مسلم کو ''شیخین'' اور دونوں کی روایت حدیث کو ''متفق علیہ'' بھی کہتے ہیں۔

چھ کتب کو تغلیباً (غلبہ صحت کی بناء پر) صحاح کہتے ہیں۔ ورنہ سنن اربعہ یعنی ترمذی' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ کا مرتبہ صحیحین (بخاری و مسلم) سے فروتر ہے اور ان میں باریک بینی اور ضبط کی بھی کمی ہے۔[۲]

کتب صحاح ستہ میں سے ہر کتاب اپنی الگ خصوصیات رکھتی ہے۔ جو شخص فقیہ بننا چاہے وہ صحیح بخاری کا مطالعہ کرے۔ جو قلت تعلیقات (بے سند حدیث کو تعلیق کہتے ہیں) کا خواہاں ہو وہ صحیح مسلم کا ہو رہے۔[۳] جو علم حدیث میں زیادہ معلومات حاصل کرنا

← فتح الباری سب سے بہتر ہے۔ امام بخاری کی دیگر تصانیف تاریخ کبیر' تاریخ اوسط' تاریخ صغیر' کتاب الکنیٰ' کتاب الوحدان' کتاب الادب المفرد' اور کتاب الضعفاء ہیں' امام بخاری نے ۲۵۶ھ میں سمرقند کے قریب خرتنک نامی بستی میں وفات پائی۔

[۱] آپ کا نام مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری ہے بنو قشیر عرب کا ایک معروف قبیلہ ہے آپ نیسابور میں مقیم تھے۔ ان کی کنیت ابوالحسین ہے یہ بالاتفاق امام حدیث تھے۔ انہوں نے طلب حدیث میں دور دراز کے سفر کئے۔

امام مسلم متعدد کتب کے مصنف ہیں ان میں صحیح مسلم' کتاب العلل' کتاب اوہام المحدثین' کتاب من لیس لہ الا راو واحد' طبقات التابعین' کتاب المخضرمین' کتاب المسند الکبیر زیادہ مشہور ہیں' امام مسلم نے ۲۶۱ھ میں نیسابور میں بعمر ۵۵ سال وفات پائی۔

[۲] امام سیوطی نے اپنی کتاب جمع الجوامع کے خطبہ میں ذکر کیا ہے کہ ''کتب صحاح'' چھ کتابوں سے علیحدہ کتابیں ہیں۔ کتب صحاح میں مندرجہ ذیل کتب شامل ہیں۔ (ان کو کتب صحاح اور مذکورہ صدر کتب کو صحاح ستہ کہتے ہیں)

1. صحیح ابن خزیمہ ابوبکر محمد بن اسحاق متوفی ۳۱۱ھ
2. صحیح ابی عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم اسفرائنی متوفی ۳۱۶ھ
3. صحیح ابن حبان محمد بن حبان بستی متوفی ۳۵۴ھ
4. الصحاح المختارہ۔ ضیاء المقدسی محمد بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی متوفی ۶۴۳ھ [الرسالۃ المستطرفہ ص۲۱-۱۶]

[۳] بعض کے نزدیک صحیح مسلم میں کل چودہ تعلیقات ہیں جن میں امام مسلم کہتے ہیں ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ'' (اور سند حذف کر دیتے ہیں) حافظ عراقی نے مقدمہ ابن الصلاح کی شرح میں ←

Marfat.com

چاہتا ہو وہ جامع ترمذی کا مطالعہ کرے۔ احادیث احکام کے لئے ابو داؤد[1] کا مطالعہ مفید ہوگا۔ جو فقہی ابواب کی حسن ترتیب کا شائق ہو وہ ابن ماجہ[2] پڑھے۔ جہاں تک نسائی[3] کا تعلق ہے اس میں اکثر ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو صحیح مسلم کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے روایت حدیث میں دو شرطیں مقرر کی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ حدیث کا راوی اپنے شیخ کا معاصر ہو۔ (۲) دوسرے یہ کہ اس کا سماع بھی ثابت ہو۔ بخلاف ازیں امام مسلم معاصرت کو کافی سمجھتے ہیں اور سماع کو ضروری نہیں سمجھتے۔[4]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ صحیح بخاری کی جملہ احادیث مکررات تعلیقات اور متابعات کو شامل کر کے کل ۹۰۸۲ ہیں۔ صحیح بخاری میں موصول احادیث بلا تکرار ۲۶۰۲ ہیں۔ احادیث معلقہ مرفوعہ ۱۵۹ ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے یہ نہیں بتایا کہ صحیح بخاری میں کس قدر اقوال صحابہ و تابعین موجود ہیں۔[5]

← ان چودہ تعلیقات کا ذکر کیا ہے۔ مقدمہ ابن الصلاح طبع حلب ۱۳۵۰ھ ص ۲۰۔۲۱

1. ابو داؤد سلیمان بن اشعث ازدی سجستانی بہت بڑے امام اور حافظ حدیث تھے۔ انہوں نے سنن ابی داؤد میں زیادہ تر احکام پر مشتمل احادیث ذکر کی ہیں۔ انہوں نے مرویات اور رواۃ حدیث پر بہت اچھا تبصرہ کیا ہے۔ آپ ۲۷۵ھ میں فوت ہوئے۔

2. حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی المعروف ابن ماجہ بہت بڑے حافظ حدیث تھے ماجہ ان کے باپ کا لقب ہے دادا کا نہیں۔ سب سے پہلے ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی نے ''اطراف الکتب الستہ'' میں ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شامل کیا۔ ابن ماجہ مشہور قول کے مطابق ۲۷۵ھ میں فوت ہوئے۔

3. حافظ ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی مشہور حافظ حدیث تھے نساء خراسان کا ایک مشہور شہر ہے نسائی میں بخاری و مسلم کے بعد سب سے کم ضعیف حدیثیں پائی جاتی ہیں نسائی نے اپنی سنن کبریٰ میں سے صحیح حدیثیں الگ کر کے ایک کتاب المجتبیٰ مرتب کی۔ المجتبیٰ حدیث کی الامہات الکبریٰ میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ علی الاطلاق کتب صحاح ستہ میں شامل ہے۔ امام نسائی ۳۰۳ھ میں فوت ہوئے۔

4. اختصار علوم الحدیث ص ۲۲۔ البتہ محدث حاکم کے استاذ ابو علی نیسا پوری اور اکثر علمائے مغرب صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ دونوں کتب بالاتفاق سب مسلمانوں کے نزدیک حدیث کی سب کتابوں سے صحیح تر ہیں۔

5. فتح الباری ج ۱ ص ۴۷۰۔ ۴۷۸

Marfat.com

صحیح مسلم میں مکررات کو نظر انداز کر کے کل چار ہزار احادیث ہیں۔[۱]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کے عنوانات ایک خاص طریقہ سے مرتب کئے ہیں جس سے ان کی وسعت علم اور مہارت فقہ کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ باب کا آغاز قرآنی آیات سے کرتے اور ان سے فقہی احکام کا استنباط کرتے ہیں۔ امام مسلم نے احادیث کو ایک خاص طریقہ سے مرتب کیا ہے مگر ان کے عنوانات خود مقرر نہیں کئے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح صحیح مسلم نے اس کتاب کی تبویب کی اور اس کے عنوانات مقرر کئے۔ نتیجہ کے طور پر صحیح مسلم سے استفادہ نہایت آسان ہو گیا۔

صحیح مسلم کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱ صحیح مسلم سے استفادہ بہت آسان ہے۔ اس لئے کہ مسلم ایک حدیث کو صرف ایک ہی جگہ لاتے ہیں اور وہاں اس کے تمام طریق و اسانید کو جمع کر دیتے ہیں۔ صحیح بخاری کا طریقہ اس سے مختلف ہے۔ وہ کسی حدیث کے مختلف طرق کو متفرق و متباعد ابواب میں ذکر کرتے ہیں۔

۲ امام مسلم "حَدَّثَنَا" اور "اَخْبَرَنَا" میں فرق کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں "حَدَّثَنَا" صرف اسی صورت میں کہہ سکتے ہیں جب استاد حدیث کے الفاظ پڑھ رہا ہو اور شاگرد سنتا ہو۔ بخلاف ازیں "اَخْبَرَنَا" اس وقت کہیں گے جب شاگرد نے استاد کو پڑھ کر سنایا ہو۔[۲] اکثر محدثین کا زاویہ نگاہ یہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کے اصحاب اور مشرق کے جمہور اہل علم کا یہی خیال ہے۔

۳ صحیح مسلم کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ امام مسلم رواۃ حدیث کے الفاظ ضبط کر دیتے ہیں۔ مثلاً یوں کہتے ہیں "حَدَّثَنَا فُلَانٌ وَ فُلَانٌ وَ اللَّفْظِ لِفُلَانٍ قَالَ اَوْقَالَا حَدَّثَنَا فُلَانٌ"۔[۳]

---

[۱] اختصار علوم الحدیث ص ۲۵

[۲] شرح صحیح مسلم للنووی ج ا ص ۱۵۱

[۳] مثلاً امام مسلم فرماتے ہیں "مجھے امام احمد بن حنبل اور زُہیر بن حرب نے حدیث سنائی اور لفظ ←

Marfat.com

جب رواۃ حدیث کے درمیان متن حدیث کے ایک حروف یا راوی کی کسی صفت یا نسبت یا کسی اور بات میں اختلاف ہو تو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس کو ذکر کر دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ صرف اتنا معمولی ہو کہ اس کی تبدیلی سے معنی میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔[1] اس سے امام مسلم کی امانت و دیانت اور حفظ و ضبط کا ثبوت ملتا ہے۔

بخاری اور مسلم اختصاراً "حَدَّثَنَا" کے لئے "ثَنَا" اور "اَخْبَرَنَا" کے لئے "انا" لکھتے ہیں۔ اس اصطلاح کا مقصد اختصار ہے اور بس۔ صحیح مسلم میں حرف حاء (ح) بکثرت استعمال کیا گیا ہے اس سے "تحول اسناد" کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی اس جانب اشارہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ایک سند سے دوسری سند کی جانب منتقل ہو رہے ہیں۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب حدیث کی دو یا دو سے زیادہ سندیں ہوں۔ جب قاری اس جگہ پہنچے تو کہے (ح) پھر آئے قرأت جاری رکھے۔[2]

بخاری و مسلم نے ایسی تمام احادیث ذکر کرنے کا التزام نہیں کیا جن کو صحیح سمجھا جاتا ہے معدودے چند احادیث ایسی ہیں جن کی صحت کا اعتراف کرنے کے باوجود بخاری و مسلم نے ان کو اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کیا۔ بلکہ وہ یا تو سنن اربعہ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ) میں مذکور ہیں اور یا دیگر کتب میں جن کو صحیح تصور کیا جاتا ہے۔[3]

جن محدثین نے موطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے ان کی رائے میں اس کا مرتبہ صحیحین کے لگ بھگ ہے بخلاف ازیں جو علماء ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کرتے

← زہیر کے ہیں۔ دونوں نے کہا ہمیں یحییٰ یعنی یحییٰ القطان نے حدیث سنائی۔ دیکھئے کتاب البیوع باب المساقاۃ والمعاملہ ج ۵ ص ۲۶

[1] اس کی مثال یہ حدیث ہے "حدثنا عبداللہ بن معاذ العنبری حدثنا ابی حدثنا شعبة عن قتادة عن ابی ایوب واسمه یحیٰی بن مالك الازدی و یقال المراغی والمراغ حی من الازد ...... عن عبدالله بن عمرو عن النبی ﷺ" [صحیح مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ ج ۲ ص ۱۰۴]

[2] حاء تحویل کے بارے میں دیکھئے علوم الحدیث ص ۱۸۲-۱۸۳

[3] اختصار علوم الحدیث ص ۲۳-۲۴

Marfat.com

ہیں وہ موطا کو ان میں شامل نہیں کرتے۔ وہ موطا کو صحاح ستہ میں شمار نہ کرنے کے دو اسباب بیان کرتے ہیں۔

1. اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ موطا میں مرسل روایتیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔
2. موطا میں فقہی اقوال اس کثرت سے بیان کیے گئے ہیں کہ یہ حدیث سے زیادہ فقہ کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔[1]

(ب) الجوامع

جامع حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جو جملہ ابواب حدیث کو شامل ہو۔ ابواب حدیث حسب اصطلاح محدثین آٹھ ہیں۔ اور وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

باب العقائد، باب الاحکام، باب الرقاق، باب آداب الطعام والشراب، باب التفسیر و التاریخ و السیر، باب السفر و القیام و القعود (اس باب کو باب الشمائل بھی کہتے ہیں) باب الفتن، باب المناقب و المثالب۔[2]

جو کتاب ان آٹھوں ابواب کو شامل ہو اسے جامع کہتے ہیں۔ مثلاً جامع بخاری و جامع ترمذی۔

(ج) المسانید

مسانید کا واحد مسند ہے مسند حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں حدیثیں اسماء صحابہ کی ترتیب سے ان کی اسلامی خدمات[3] کے پیش نظر جمع کی جائیں یا صحابہ کے

---

[1] الباعث الحثیث ص ۳۱۔۳۲

[2] دیکھئے توضیح الافکار ج ۲ ص ۱۵ نیز الرسالۃ المستطرفہ ص ۳۲۔ جب آٹھوں ابواب کو ایک کتاب میں جمع نہیں کیا جاتا تھا اس وقت ہر باب کے مسائل کو ایک مستقل کتاب میں جمع کیا جاتا تھا۔ مثلاً عقائد میں ابن خزیمہ کی کتاب التوحید اسی طرح شرعی احکام کے بارے میں سنن اربعہ یعنی ترمذی' ابو داؤد' نسائی اور ابن ماجہ' باب الرقاق میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب الزہد' آداب میں امام بخاری کی "کتاب الادب المفرد" تفسیر میں ابن مردویہ اور ابن جریر کی کتابیں' سفر و قیام کے بارے میں امام ترمذی کی کتاب الشمائل' الفتن میں نعیم بن حماد کی کتاب۔ دیکھئے توضیح الافکار ج ۲ ص ۱۵

[3] خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ "مسند کی تخریج میں یہ طریقہ ہمیں بہت پسند ہے اس اعتبار سے ←

Marfat.com

حسب ونسب کا لحاظ کیا جاتا ہے۔[1] مثلاً مسند ابی داؤد طیالسی متوفی ۲۰۴ھ۔ یہ اولین مسند ہے۔ نیز مسند بقی بن مخلد[2] متوفی ۲۹۶ھ۔ بقی کی مسند کو مُصَنَّف بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں ہر صحابہ کی مرویات کو فقہی ابواب کی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ تمام مسانید سے زیادہ جامع و کامل مسند امام احمد بن حنبل[3] ہے۔ مسند احمد[4] میں بہت سی احادیث صحیحہ ایسی ہیں جو صحاح ستہ میں موجود نہیں ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ مسند کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یہ کتاب میں نے سات لاکھ پچاس ہزار حدیثوں میں سے منتخب کر کے جمع کی ہے۔ جس حدیث میں اختلاف پیدا ہو اس کے بارے میں مسند کی طرف رجوع کیجئے۔ اگر اس میں موجود ہو تو صحیح ہے۔ ورنہ قابل احتجاج نہیں ہے۔''

[مقدمہ مسند طبع احمد شاکر ص ۲۱]

امام ذہبی اس پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں[5]:

← پہلے عشرہ مبشرہ کی حدیثیں جمع کی جائیں گی پھر اصحاب بدر کی۔'' الجامع ج ۱۰ ص ۱۹۰

۱ اس ترتیب کے پیش نظر پہلے بنی ہاشم صحابہ کی حدیثیں جمع کی جائیں گی بعد ازاں آنحضور ﷺ کے اقارب کی احادیث قربت رسول کی کمی بیشی کے پیش نظر۔ الجامع ج ۱۰ ص ۱۹۰

۲ بقی بن مخلد کے بارے میں دیکھئے نفح الطیب ج ۱ ص ۵۸۱ نیز ج ۲ ص ۱۳۱

۳ آپ کا نام امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی مروزی بغدادی ہے آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے آپ امیر المؤمنین فی الحدیث اور حفظ و ضبط میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کی اہم تصانیف میں سے مسند احمد' کتاب العلل' کتاب الزہد اور کتاب فضائل الصحابہ ہیں آپ ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے۔

۴ مسند احمد مصر میں بڑی بڑی چھ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے علامہ احمد محمد شاکر نے اس کا قابل قدر حاشیہ لکھنا شروع کیا تھا مگر پندرہ جلدیں شائع کرنے کے بعد فوت ہو گئے۔

۵ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ مسند کو اپنے لئے سرمایہ افتخار تصور کرتے تھے۔ وہ اس بات پر کامل یقین رکھتے تھے کہ انہوں نے مسند میں سنت نبوی ﷺ کو یکجا کر دیا ہے۔ امام احمد اپنے بیٹے عبداللہ کو جنہوں نے آپ سے مسند روایت کی ہے فرمایا کرتے تھے ''مسند کو ازبر کر لیجئے ایک روز یہ کتاب لوگوں کی پیشوا قرار پائے گی۔''

Marfat.com

"امام احمد رحمۃ اللہ کا یہ قول اکثریت کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی احادیث صحیحہ جو بخاری و مسلم، سنن اربعہ اور اجزاء میں تو موجود ہیں مگر مسند میں موجود نہیں ہیں۔"

ہم آگے چل کر موضوعات اور اسباب وضع کی بحث میں دیکھیں گے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے ایک رسالہ "القول المسدد فی الذب عن مسند الامام احمد" تصنیف کیا ہے جس میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ مسند میں موضوعات بھی ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب "التوسل و الوسیلہ" میں ایک خاص فصل منعقد کر کے مسند میں موضوعات ثابت کرنے والوں پر تنقید و جرح کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "اگر موضوعات سے مراد وہ حدیثیں ہیں جن کی سند میں کوئی کذاب راوی ہو تو ایسی کوئی حدیث مسند میں موجود نہیں۔ اور اگر موضوع روایت سے وہ حدیث مراد لی جائے جو آپ نے نہیں فرمائی اس کے راوی سے غلطی سرزد ہو گی یا اس میں سوء حفظ کا عیب موجود ہے تو بلاشبہ ایسی روایات مسند اور سنن اربعہ میں بہت ہیں۔"

(د) معاجم

معاجم معجم کی جمع ہے معجم حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں بترتیب حروف تہجی [1] شیوخ بلدان اور قبائل کے ناموں کے مطابق حدیثیں بیان کی جائیں۔ مشہور ترین معجم، طبرانی کی معجم کبیر معجم متوسط اور معجم صغیر ہیں۔

(ھ) مستدرکات

مستدرکات کا واحد مستدرک ہے۔ مستدرک حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں وہ احادیث جمع ہوں جو کسی مصنف کی شرائط کے مطابق ہوں مگر اس کی کتاب میں موجود نہ ہوں۔ امام حاکم نیسابوری کی مستدرك علی الصحیحین سب سے زیادہ مشہور ہے امام ذہبی نے اس کا خلاصہ لکھا ہے۔[2] حاکم نے بخاری و مسلم پر الزام عائد کیا

[1] الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۰۱

[2] یہ دونوں کتابیں ہند میں طبع ہو چکی ہیں۔

Marfat.com

ہے کہ ان کی بعض روایات کے راوی خود بخاری و مسلم کے نزدیک بھی ضعیف ہیں۔[1] اور اس کے باوصف انہوں نے ان کی مرویات اپنی کتابوں میں شامل کر دی ہیں۔ مگر محدث حاکم میں یہ نقص ہے کہ وہ ضعیف احادیث کو بھی صحیح سمجھتے تھے۔ ان پر یہ دھن سوار رہتی تھی کہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق احادیث کی تخریج کریں۔ اگرچہ ان کی دریافت کردہ احادیث صحیح نہیں ہوتی تھیں۔[2]

(و) مستخرجات

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق مستخرج کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مصنف کسی کتاب کی احادیث کو کتاب کے جامع و مولف کے علاوہ اپنی سند سے روایت کرے اور اس کی سند مولف کتاب کے شیخ کے ساتھ یا اس سے اوپر جا کر مل جائے۔[3]

مندرجہ ذیل مستخرجات قابل ذکر ہیں۔

1. مستخرج ابی ابکر اسماعیلی علی البخاری
2. مستخرج ابی عوانہ علی مسلم
3. مستخرج ابی علی طوسی علی الترمذی
4. مستخرج محمد بن عبد المالک بن ایمن علیٰ سنن ابی داؤد

محدث ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ''مختصر علوم الحدیث'' میں رقمطراز ہیں:

''مذکورہ صدر کتب حدیث کے علاوہ بھی چند کتب ہیں جن کے جامعین نے صحت کا التزام کیا ہے۔ مثلاً ابن خزیمہ و ابن حبان البستی یہ مستدرک حاکم سے مقابلۃً بہتر کتابیں ہیں اور سند و متن کے اعتبار سے پاکیزہ تر ہیں۔''[4]

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۲۶

[2] تدریب الراوی ص ۱۰۰

[3] التدریب ص ۳۲

[4] اختصار علوم الحدیث ص ۲۷

Marfat.com

(ز) الاجزاء

حدیث کی جس کتاب میں صرف ایک ہی صحابی یا راوی کی مرویات جمع ہوں اس کو "جزء" کہتے ہیں مثلاً جزء ابی بکر۔ اسی طرح حدیث کی جس کتاب میں ایک ہی مسئلہ سے متعلق احادیث کو یکجا کیا گیا ہو اس کو بھی "جزء" کہتے ہیں۔ مثلاً "جزء فی قیام اللیل للمروزی" نیز "جزء فی صلٰوۃ الضحٰی للسیوطی" علاوہ ازیں وحدانیات ثنائیات اور عشاریات اور امام مسلم کی کتاب الوحدان[1] بھی اسی قبیل سے ہیں۔[2]

جو شخص بھی عمل بالحدیث کے شرائط سے آگاہ ہو اور حدیث کے اخذ و روایات کی اہلیت و صلاحیت سے بہرہ ور ہو وہ حدیث کی کتب صحیحہ مشہورہ کی روایت اور نشر و اشاعت میں حصہ لینے کا مجاز ہے۔

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۲۷

[2] الرسالۃ المستطرفہ ص ۶۴۔۶۵

Marfat.com

فصل : ۳

راوی کے شرائط

محدثین کا مقیاس و معیار

کسی راوی کی روایت قبول کرنے کے لئے اس میں چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱ عقل ۲ ضبط ۳ عدالت ۴ اسلام

اگر راوی میں ان تمام یا بعض شرائط کا فقدان ہو تو اس کی روایت نا قابل قبول ہو گی۔ متقدمین اور متاخرین نقاد حدیث کے اقوال و آراء کا خلاصہ یہی ہے۔ البتہ متاخرین کی وضع کردہ اصطلاحات میں زیادہ باریک بینی پائی جاتی ہے کیونکہ انہوں نے بنظر غائر متقدمین کے افکار و آراء کا جائزہ لیا اور ان میں سے جس کو بہتر سمجھا اختیار کیا۔ متقدمین صرف عملی تطبیق کو کافی سمجھتے تھے۔ شعبہ بن حجاج متوفی ۱۶۰ھ سے پوچھا گیا کہ کس راوی کی حدیث کو قبول نہ کیا جائے؟ جواباً کہا جب کوئی راوی معروف رواۃ حدیث سے اکثر غیر معروف احادیث بیان کرے تو اس کی روایت کو قبول نہ کیا جائے۔ جب وہ متہم بالحدیث ہو یا اکثر غلطیاں کرتا ہو تو اس کی روایت رد کی جائے گی۔ اسی طرح جب وہ کوئی ایسی حدیث روایت کرے جو بالاتفاق غلط ہو تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ ایسے راوی کو چھوڑ کر دوسرے تمام راویوں کی روایات قابل قبول ہوں گی۔[1]

مذکورہ صدر عبارت میں شعبہ نے مقبول الروایت راوی کے لئے دو شرطوں کی تصریح کی ہے۔ ۱ ضبط ۲ عدالت۔ اس لئے کہ کثرت اغلاط ضبط کے خلاف ہے اور متہم فی الحدیث ہونا منافی عدالت ہے۔ شعبہ نے اسلام اور عقل کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اسلام کے بغیر عدالت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح عقل و تمیز کے بغیر ضبط

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۶۲

Marfat.com

کا کوئی وجود نہیں۔

چونکہ متاخرین نقاد حدیث نے وضع اصطلاحات اور مقیاس و معیار میں زیادہ دقت نظر اور وضاحت وصراحت سے کام لیا ہے۔ اس لئے انہوں نے ایسی شرطیں بھی بیان کر دی ہیں جو بدیہیات کے قبیل سے ہیں۔ اور اس فن کی تبویب و تقسیم میں بخل و امساک سے کام نہیں لیا۔

۱۱ عقل

راوی میں عقل کی جو شرط لگائی گئی ہے وہ محدثین کے نزدیک تمیز و شعور کے ہم معنی ہے اس لئے ضمناً اس سے سمجھا جاتا ہے کہ راوی کا اخذ روایت اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کے وقت بالغ ہونا ضروری ہے البتہ جو بچہ تمیز و شعور رکھتا ہو وہ اس عمر میں حدیث اخذ تو کر سکتا ہے البتہ بیان نہیں کر سکتا۔ نظر بریں عقل کی شرط لگانے سے بلوغت کی شرط ضمنی طور پر سمجھی گئی۔ اس لئے کہ بچہ روایت اخذ تو کرے گا مگر اس کو دوسروں تک اس وقت پہنچائے گا جب بالغ ہو جائے۔[1]

حضرت انس بن مالک عبداللہ بن عباس اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم ان صحابہ میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے عالم طفولیت میں حدیثیں سنیں اور بڑے ہو کر بیان کیں۔ یہ بڑے کثیر الروایت صحابہ میں شامل ہیں۔ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کو یہ یاد تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں لٹکے ہوئے ایک ڈول سے پانی لے کر پہلے منہ میں ڈالا اور پھر (از راہ تبرک) ان کے چہرے پر ڈال دیا تھا۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس وقت محمود کی عمر پانچ سال تھی۔[2]

محدثین اس مسئلہ میں مختلف الرائے ہیں کہ کس عمر کو پہنچ کر حدیث بیان کرنی چاہیے۔[3] بعض محدثین پندرہ سال اور بعض تیرہ سال کہتے ہیں۔ جمہور علماء کا زاویہ نگاہ

---

[1] الکفایہ ص ۵۴ باب ماجاء فی صحۃ سماع الصغیر

[2] الکفایہ ص ۵۶

[3] الجامع لاخلاق الراوی ج ۲ ص ۷۱

Marfat.com

یہ ہے کہ حدیث کا سماع اس سے کم عمر میں بھی صحیح ہے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری رائے کو اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ہمارے نزدیک یہی رائے درست ہے۔''[۱]

سماع حدیث میں عمر کی قید و شرط ہمارے خیال میں مختلف بلاد و اقالیم کے زیر اثر عائد کی گئی ہے۔ اہل بصرہ کا دستور تھا کہ بچہ جب دس سال کی عمر کو پہنچتا تو اس کو حدیثیں لکھنے اور سننے کی اجازت دے دیتے۔[۲] کوفہ والے بیس سال کی عمر میں روایت حدیث کی اجازت دیتے تھے۔ اس سے پہلے وہ حفظ قرآن اور عبادات سیکھنے میں مشغول رہتا۔[۳] اہل شام تیس سال والے سے چھوٹی عمر کے شخص کو حدیثیں لکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[۴]

۲ ضبط

محدثین کے نزدیک ضبط سے مراد یہ ہے کہ اس نے حدیث کو سنا' بہت اچھی طرح سے سمجھا اور ایسے طریقہ سے ذہن میں محفوظ رکھا ہو جس میں شک و شبہ کی کوئی مجال نہ ہو۔ نیز یہ کہ وقت سماع سے لے کر روایت کرنے تک اس میں کوئی فرق نہ آیا ہو۔[۵] خلاصہ یہ کہ ضبط میں دو چیزیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ ① قوت حافظہ ② غور و فکر اور دقت نظر۔

---

۱ الکفایہ ص ۵۴

۲ الکفایہ ص ۵۵

۳ الکفایہ ص ۵۴

۴ الکفایہ ص ۵۵

۵ محدثین کسی راوی کی قدیم و جدید روایات میں فرق کرتے ہیں اس لئے کہ بعض اوقات آخری عمر میں آدمی کا حافظہ خراب ہو جاتا ہے اس صورت میں محدثین کہتے ہیں ''اس کا حافظہ عمر کے آخری حصہ میں بدل گیا'' دیکھئے سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۸۵ حدیث نمبر ۲۶۹۵۔ راوی کی حدیث اس لئے قبول نہیں کہ عمر کے آخری حصہ میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور اس نے زیادہ روایتیں آخری عمر میں بیان کیں۔

Marfat.com

راوی کا ضبط معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب اس کی روایت کا مقابلہ اصحاب حفظ وضبط اور ثقہ راویوں کی روایت کے ساتھ کیا جائے تو اس کی روایت ان کے مطابق ہو۔ اگر اس کی روایت کردہ حدیث صرف معنی میں ہی ضابط راویوں کے مطابق ہو اگرچہ الفاظ مختلف ہوں تو اس کو ضابط راوی قرار دیں گے۔ تھوڑی بہت خلاف ورزی چنداں قابل اعتناء نہیں ہے۔ اگر یہ راوی ضابط و ثقہ راویوں کی اکثر مخالفت کرتا ہو اور تطابق و توافق کے مواقع کم ہوں تو اس کا ضبط خلل پذیر سمجھا جائے گا اور اس کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جائے گا۔[1]

سچی بات یہ ہے کہ ثقہ اور ضابط راویوں کی خلاف ورزی جادہ اعتدال سے برگشتہ ہونے اور شذوذ کی ایک قسم ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جو راوی شاذ روایتیں اخذ کرتا ہے وہ کڑی ذمہ داری مول لیتا اور شر کثیر کا ارتکاب کرتا ہے۔[2]

شعبہ بن حجاج فرماتے ہیں۔

"حدیث شاذ وہی شخص روایت کرتا ہے جو خود بھی شاذ ہوتا ہے۔"[3]

خداوند کریم نے فن حدیث کی خدمت کے لئے ایسے علماء پیدا کر دیئے جنہوں نے تحفظ حدیث میں سختی سے کام لیا۔ مگر ان کا تشدد بھی حکمت و مصلحت پر مبنی تھا۔ انہوں نے صرف صحیح حدیثیں نقل کیں۔ حدیث صحیح کی پہچان صرف روایت کرنے ہی سے نہیں ہوتی بلکہ حفظ و فہم اور کثرت سماع سے ہوتی ہے۔[4]

نظر بریں عبداللہ بن مبارک کا یہ ارشاد ایک فطری امر ہے کہ ایک کثیر الغلط جھوٹے اور بدعتی شخص کی روایت اخذ نہ کی جائے جو بدعت کی دعوت بھی دیتا ہو اور جو حافظہ نہ ہونے کے باوصف زبانی حدیثیں روایت کرتا ہو۔[5]

---

1. التدریب ص ۱۱۰
2. الکفایہ ص ۱۴۰
3. الکفایہ ص ۱۴۱
4. معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۹
5. الکفایہ ص ۱۴۳

Marfat.com

۱۳ عدالت

عدالت راوی سے مراد یہ ہے کہ وہ دینی امور میں استقامت کی راہ پر گامزن اور فسق اور غیر اخلاقی و غیر شرعی امور سے کنارہ کش ہو۔[۱] خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے عدالت کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے۔

"عادل وہ شخص ہے جو فرائض و اوامر کی تعمیل کرتا منکرات و فواحش سے گریزاں رہتا افعال و معاملات میں حق کا طالب اور غیر شرعی و غیر اخلاقی امور سے بچنے والا ہو۔ جس آدمی میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں وہ دین میں عادل اور روایت حدیث میں صادق کہلانے کا مستحق ہے۔"[۲]

محدثین راوی کی عدالت ثابت کرنے اور گواہ کی صفائی پیش کرنے میں فرق کرتے ہیں۔ گواہ کی صفائی کے سلسلہ میں دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف ایک ہی ناقد حدیث کی شہادت سے راوی کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے قطع نظر اس سے کہ تعدیل کرنے والا (راوی کی عدالت ثابت کرنے والا) مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام بشرطیکہ وہ بذات خود پسندیدہ آدمی اور متصف بالعدالت ہو۔[۳]

امام فخر الدین رازی[۴] اور سیف الدین آمدی[۵] کی یہی رائے ہے۔ بخلاف ازیں

---

۱ توضیح الافکار ج ۲ ص ۱۱۸

۲ الکفایہ ص ۸۰

۳ توضیح الافکار ج ۲ ص ۱۲۱ نیز الفروق للقرافی ۱/۵۔۲۲ طبع تیونس

۴ امام فخر الدین رازی کا نام محمد بن عمر بن حسین اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ معقولات و منقولات کے بہت بڑے امام تھے۔ آپ کی تفسیر کبیر بہت مشہور ہے آپ کثیر التصانیف تھے ان میں سے "نہایۃ العقول" "المحصول فی علم الاصول" اور "کتاب الاربعین فی اصول الدین" بہت مشہور ہیں۔ آپ نے ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔

۵ سیف الدین آمدی کی کنیت ابو الحسن اور نام علی بن محمد بن سالم آمدی ہے آپ علم الاصول کے جید عالم تھے آپ کی تقریباً بیس تصانیف ہیں۔ ان میں سے "منتہی السول فی الاصول" اور "دقائق الحقائق" اور "ابکار الافکار" علم الکلام میں مشہور کتابیں ہیں۔ آمد دیار بکر میں ایک شہر کا نام ہے اس کی طرف نسبت کر کے ان کو آمدی کہا جاتا ہے۔ ۶۳۱ھ میں فوت ہوئے۔

Marfat.com

بعض علماء کے نزدیک شاہد و راوی کے مابین چنداں فرق نہیں۔ چنانچہ ایک ہی شخص اگر دونوں کی صفائی پیش کر دے تو ان کی تعدیل ثابت ہو جاتی ہے۔[1]

قاضی ابوبکر نے اس رائے کی تائید کی ہے۔[2] ظاہر ہے کہ شاہد کی صفائی پیش کرنا بھی ایک طرح کی شہادت ہی ہے۔ اس لئے دو گواہوں کا ہونا جملہ علماء کے نزدیک ضروری ہے۔ البتہ راوی کا تعدیل و تزکیہ ایک متنازع امر ہے کہ آیا اس کے اثبات کے لئے ایک شخص کافی ہے یا دو آدمیوں کی ضرورت ہے۔

کسی راوی کی تعدیل کرنے والے محدث میں جس بلند نظری اور عالی حوصلگی کی ضرورت ہے اس کو انسانی اخلاق کے مقیاس و معیار پر پرکھا گیا ہے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ ذیل حدیث سے احتجاج کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

"جس نے لوگوں سے معاملہ کیا اور ان پر ظلم نہ ڈھایا۔ لوگوں سے بات چیت کی مگر جھوٹ سے احتراز کیا۔ وعدہ کیا اور اس کی خلاف ورزی نہ کی۔ تو ایسا آدمی کامل الاخلاق اور ظاہر العدالت ہے۔ اس کے ساتھ بھائی چارہ واجب اور اس کی غیبت حرام ہے۔"[3]

مذکورہ صدر معیار کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ راویوں کے ایسے عیوب سے چشم پوشی ضروری ہے جن سے کسی انسان کا دامن بھی پاک نہیں۔ ہر راوی اور عالم کی اکثر باتیں لوگوں سے پوشیدہ اور بہت کم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

---

[1] توضیح الافکار ج ۲ ص ۱۲۱

[2] ان کا نام محمد بن طیب بن محمد بن جعفر ہے۔ یہ قاضی باقلانی کے نام سے مشہور تھے' اشاعرہ کی قیادت و سیادت ان کی ذات پر ختم ہو گئی تھی۔ اعجاز القرآن آپ کی مشہور تصنیف ہے آپ نے ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔

[3] الکفایہ ص ۷۸

Marfat.com

''کوئی شریف آدمی ہو یا عالم دین ہو یا تخت سلطنت پر فائز ہو ہر ایک میں کوئی نہ کوئی عیب ضرور ہو گا۔ مگر بات یہ ہے کہ لوگوں میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے عیوب ذکر نہیں کیے جاتے۔''[1]

حضرت سعید بن مسیب[2] فرماتے ہیں۔

''جس آدمی کے محاسن نقائص و معائب سے زیادہ ہوں تو اس کے عیوب فضائل کی وجہ سے معاف کر دیئے جائیں گے۔''

راوی کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی بناء پر بعض علماء مستور الحال راوی کی روایت کے بارے میں سہل انگاری سے کام لیتے تھے۔ مستور الحال اس صاحب علم اور محنتی شخص کو کہتے ہیں جو طلب علم میں معروف ہو۔ ایسے شخص کو ثقہ اور قابل اعتماد سمجھا جائے گا۔ بجز اس صورت کے کہ اس پر جرح و نقد کا پتہ چل جائے۔[3]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''بعد میں آنے والے اصحاب عدالت اس علم کے حامل ہوں گے وہ مبالغہ آمیزی کرنے والوں کی تعریف کو دور کریں گے۔ اور غلط کاروں کی بے راہ روی کو درست کریں گے۔''[4]

مگر محققین علمائے اصول کا نقطہ نظر یہ ہے کہ دفع فساد کے لئے مستور الحال راوی کی روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔[5] بنا بریں راوی کا ثابت العدالت ہونا ضروری ہے۔ راوی کے عیوب کے کشف و اظہار کی ہر ممکن کوشش کی جائے یہ الگ بات ہے کہ

---

1. الکفایہ ص ۷۹
2. سعید بن مسیب سید التابعین اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار ہوتے تھے یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صادر کردہ احکام کے سب سے بڑے عالم تھے اس لئے ان کو ''راوی عمر'' کہا جاتا تھا حدیث و فقہ میں مشغول رہنے کے باوجود زیتون کے تیل کی تجارت کرکے اپنا پیٹ پالتے تھے بقول اکثر محدثین آپ ۱۰۵ھ میں فوت ہوئے امام حاکم کا قول بھی یہی ہے۔ [تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵۶]
3. توضیح الافکار ج ۲ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷
4. الجامع لاخلاق الراوی ج ۱ ص ۱۵
5. تدریب الراوی ص ۱۱۵

Marfat.com

راوی کے باطنی امور سے پردہ چاک کرنا محدثین کے دائرۂ عمل سے خارج ہے۔

اس امر میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ عدالت کا وصف دین وتقویٰ کا مظاہرہ کرنے سے ایک الگ بات ہے۔ کسی شخص کی عدالت کا پتہ اس کے اعمال وافعال اور تصرفات و معاملات کی آزمائش کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔

جو آدمی کسی راوی کی تعدیل وتوثیق کرتا ہے اس کی عدالت کی بحث وتحقیق اسی طرح ضروری ہے جس طرح شاہد کی عدالت معلوم کرنے کے لئے گہری طلب وتلاش ناگزیر ہے۔ بلکہ روایت کردہ حدیث کو اسی صورت میں معتبر سمجھا جائے گا جب تعدیل کرنے والا راوی کی توثیق کر دے۔ مندرجہ ذیل واقعہ قابل ملاحظہ ہے۔

> ''کسی شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں گواہی دی آپ نے فرمایا ''میں تمہیں پہچانتا نہیں۔ کوئی ایسا شخص لاؤ جو تجھے پہچانتا ہو۔'' ایک شخص نے حاضرین میں سے کہا ''میں اسے پہچانتا ہوں۔'' آپ نے فرمایا ''کیا یہ شخص تمہارا پڑوسی اور رشتہ دار ہے، جس کو تم شب وروز جانتے ہو اس کی آمد ورفت سے پوری طرح باخبر ہو؟'' اس نے کہا ''نہیں'' آپ نے فرمایا ''کیا اس نے تمہارے ساتھ روپے پیسے کا معاملہ کیا ہے جس سے آدمی کے ورع وتقویٰ کا پتہ چلتا ہے؟'' اس نے کہا ''نہیں'' آپ نے فرمایا ''کیا یہ شخص تمہارا رفیق سفر رہا ہے کہ تم اس کے اخلاق سے باخبر ہو؟'' اس نے کہا ''نہیں'' آپ نے فرمایا ''تو تم اسے نہیں پہچانتے'' پھر اس آدمی سے کہا ''کوئی ایسا شخص لاؤ جو تجھے جانتا ہو۔''[1]

مذکورہ صدر بیان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ محدثین کا اہل بدعت[2] کی روایات کو قبول نہ کرنا قرین عقل وقیاس ہے۔ اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ اسی طرح بدکردار اور آزاد منش[3] لوگوں کی روایات بھی ناقابل قبول ہیں۔ البتہ مشاہیر

---

[1] الکفایہ ص ۸۴

[2] الجامع لاخلاق الراوی ج ۱ ص ۱۸

[3] الکفایہ ص ۱۵۶

Marfat.com

کی روایات کسی نقد و جرح کے بغیر قبول کر لی جاتی ہیں۔ چنانچہ محدثین میں جو شخص عام طور سے معروف ہو اور سب لوگ اس کی مدح و ستائش میں رطب اللسان ہوں تو وہ تعدیل سے بے نیاز ہوتا ہے۔ مثلاً امام مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری[1]، امام اوزاعی[2]، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، لیث بن سعد[3] شعبہ بن حجاج، عبداللہ بن مبارک، وکیع بن الجراح، علی بن المدینی، یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہم۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب اسحاق بن راہویہ[4] کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''اسحاق جیسے شخص کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا جا رہا ہے۔''

اسی طرح محدث یحیٰی بن معین سے جب ابوعبید کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

''میرے جیسے آدمی سے ابوعبید کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے لوگ تو ابوعبید سے دوسروں کے بارے میں رائے پوچھتے ہیں۔''[5]

نقد و جرح کے بارے میں محدثین کا طرز و انداز تعدیل کی نسبت زیادہ سخت

---

[1] شیخ الاسلام وسید الحفاظ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری۔ آپ کی وفات ۱۶۱ھ یا ۱۶۰ھ میں ہوئی۔ [الرسالۃ المستطرفۃ ص ۳۱]

[2] شیخ الاسلام حافظ عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد۔ یہ اوزاعی کے نام سے مشہور تھے ولید بن مزید آپ کی تعریف میں فرماتے ہیں:
''سلاطین و ملوک بھی اولاد کو ایسے آداب نہیں سکھلاتے جو امام اوزاعی نے بذات خود سیکھ لئے تھے''
آپ نے ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۸۔۱۸۳]

[3] امام حافظ فقیہ اور متقی دیار مصر کے استاذ محترم لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن الفہمی ابوالحارث۔ آپ نے ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔

[4] امام حافظ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد، ابن راہویہ کے نام سے معروف تھے آپ کی کنیت ابویعقوب ہے آپ کو ستر ہزار احادیث زبانی یاد تھیں۔ آپ نے ایک بڑی مسند مرتب کی۔ ۲۳۸ھ میں فوت ہوئے۔ [الرسالۃ المستطرفۃ ص ۴۹]

[5] تدریب الراوی ص ۱۰۹۔

Marfat.com

ہے۔ صحیح اور مشہور مذہب کے مطابق محدثین تعدیل کو اس کا سبب بیان کیے بغیر قبول کر لیتے ہیں۔ مگر جرح بلا وجہ وسبب قبول نہیں کی جاتی۔[۱] اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو ساقط العدالت یا فاسق قرار دینے میں سب لوگ یکساں نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں بڑا فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ نقد و جرح کا کام بہت گہرا اور دقیق ہے۔ بعض اوقات محدثین کسی راوی میں معمولی سا عیب دیکھتے ہیں اور اس کی بناء پر روایت کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ عیب اس قابل نہ ہو کہ اس کے پیش نظر راوی کی روایت کو رد کر دیا جائے۔ یا کسی کو ساقط العدالت قرار دیا جائے۔[۲]

اس ضمن میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جو شخص مباحات کا ارتکاب کرتا ہو اس کی روایت کے بارے میں محدثین نے تشدد سے کام لیا ہے مثلاً سڑکوں پر سیر و تفریح کرنا' بازاروں میں کھاتے پھرنا' ہنسی مذاق میں حد سے بڑھ جانا۔[۳] باقی رہا شطرنج یا موسیقی کے آلات سے تفریح کا معاملہ تو یہ اور بھی زیادہ سخت ہے۔

شعبہ بن حجاجؒ کہتے ہیں:

''میں ناجیہ سے ملا جس سے ابواسحاق حدیثیں روایت کرتے تھے' میں نے دیکھا کہ وہ شطرنج کھیل رہا ہے۔ چنانچہ میں نے ان سے روایت کرنی ترک کر دی اور ایک آدمی کے واسطہ سے ان سے حدیثیں روایت کرنے لگا۔''

شعبہ مزید فرماتے ہیں:

''میں منہال بن عمرو کے گھر میں آیا تو اس میں طنبورہ کی آواز سنی اور واپس

۱۔ امام سیوطی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ تعدیل کے اسباب اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا ذکر د بیان دشوار ہے مثلاً تعدیل کرنے والا یوں کہے گا کہ اس نے فلاں فلاں گناہ کے کام نہیں کیے۔ اور اس طرح تمام ایسے افعال قبیحہ کا ضرور کرے گا جو کفر وفسق کے موجب ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑا کٹھن مرحلہ ہے۔ [التدریب ص ۱۱۱]

۲۔ الکفایہ ص ۱۰۹

۳۔ الکفایہ ص ۱۱۱

Marfat.com

لوٹ آیا۔ افسوس! میں نے یہ نہ سوچا کہ مبادا اسے علم نہ ہو۔"[۱]

کتب جرح و تعدیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مولفین اسباب جرح و نقد بیان نہیں کرتے تھے بلکہ صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتے کہ "فلاں ضعیف ہے" "فلاں کچھ بھی نہیں" "فلاں متروک الحدیث" ہے" وغیر ذالک۔ لوگ ان پر اعتماد کرتے اور ایسے راویوں کی روایات کو قبول نہیں کرتے تھے۔ البتہ ان کتب کا تحقیقی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی پر جرح و نقد کرنے کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ جرح پر اعتماد کر کے اس کی روایت کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ جارح و ناقد کا نقطہ نگاہ صرف راوی کو مشکوک قرار دینا اور اس کی روایت میں توقف کرنا ہوتا ہے چنانچہ اس کی روایت اس وقت قبول کی جائے گی جب یہ شک و شبہ دور ہو جائے اور اسے قابل اعتماد راوی قرار دے دیا جائے۔[۲]

بہر کیف کچھ بھی ہو قبولیت حدیث میں محدثین کا انتہائی تشدد' حد درجہ کا ورع و تقویٰ اور باریک بینی اس بات کی شاہد عدل ہے کہ صرافان حدیث نبوی اس کی قدر و قیمت اور اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ آخر حدیث کوئی عاصیانہ کلام یا اشعار و افسانہ جات کے قبیل کی چیز تو نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ حدیث دین ہے اس لئے اس ضمن میں ناقل کا امین اور سماع کا صحیح ہونا شرط ہے۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے:

"روایت حدیث کا معاملہ دین ہے۔ پہلے یہ دیکھ لیا کرو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔"[۳]

بعض علماء نے اس ضمن میں ایک مرفوع حدیث بھی روایت کی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "اے عمر کے بیٹے دین کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو یہ تمہارا گوشت اور خون ہے (گوشت پوست اور خون کی طرح تمہارے رگ و ریشہ میں رچا بسا ہوا ہے) اس لئے یہ دیکھتے رہو

---

۱ الکفایہ ص ۱۱۱-۱۱۲

۲ التدریب ص ۱۱۱

۳ الجامع لاخلاق الراوی ج ۱ ص ۱۵

Marfat.com

کہ تم یہ دین کس سے لیتے ہو یہ ان لوگوں سے لو جو (دین میں) ثابت قدم رہے اور ان سے نہ لو جو منحرف اور برگشتہ ہو گئے۔[1]

مذکورہ صدر ہدایات کے پیش نظر جب اساتذہ حدیث کے اوصاف و فضائل یکساں نہ ہوتے[2] تو طالبان حدیث صرف انہی شیوخ سے سماع کرتے جو سیرت و کردار کے اعتبار سے ان میں مقابلۃً بہتر ہوتے۔ چنانچہ وہ اصحاب امانت و دیانت سے حدیثیں سنتے اور ضعفاء کو نظر انداز کر دیتے۔[3] وہ سند عالی کو اس لئے ترجیح دیتے کہ اس میں آنحضور ﷺ کا قرب پایا جاتا ہے اور اسنادی قرب تقرب الی اللہ کی دلیل ہے۔[4] جب آنحضور ﷺ تک پہنچنے والی قریبی سند نہ ملتی تو صحابہ و تابعین یا ائمہ عظام تک پہنچنے والی قریبی اسناد ڈھونڈتے۔

محدثین اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ صحابہ و تابعین کے عصر و عہد میں علم تروتازہ تھا۔ علم کے رنگ میں رنگ جانا ہر شخص کو عزیز تھا۔ علم کے دواعی و محرکات عام اور اس کا ذوق و شوق بے پناہ تھا۔[5] سند عالی کے حصول کے لئے ان کی سعی و جہد اس لئے نہ تھی کہ اس میں بذات خود کوئی خوبی پائی جاتی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس کے الفاظ و متن کی صحت یقینی ہوتی ہے جب کسی حدیث کے رواۃ و رجال میں شبہ کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو اس کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہ دیتے۔ اس لئے کہ ضعف رجال کا لازمی نتیجہ ضعف حدیث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کے نزدیک جس حدیث کے راوی ثقہ ہوں مگر اس کی سند نازل ہو اس حدیث کے مقابلہ میں لائق ترجیح ہے جو اگرچہ عالی ہو مگر

---

[1] الکفایہ ص ۱۲۱

[2] الجامع ج ۱ ص ۱۴

[3] الکفایہ ص ۱۳۲

[4] چنانچہ الجامع ج ۱ ص ۳ پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے "سند عالی کی طلب و تلاش سنت ہے" ہم آگے چل کر سند عالی و نازل پر بحث کریں گے۔

[5] الجامع ج ۱ ص ۱۱

Marfat.com

اس کے راوی غیر ثقہ ہوں۔[1]

اس ضمن میں ابو بکر بن الانباری[2] کے اشعار ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں[3]

علمُ النزول اکتبوہ فھو ینفعکم
وَتَرکُکُم کَتبَۃً ضَربٌ مِّنَ العَنَتِ
اِنَّ النُّزُوْلَ اِذَا مَا کَانَ عَنْ ثَبَتٍ!
اَعْلٰی لَکُمْ مِّنْ علوٍ غَیْرِ ذِیْ ثَبَتٍ

''نازل حدیث کو لکھ لو کہ وہ تمہیں فائدہ دے گی۔ اس کو نہ لکھنا ایک طرح کی سختی اور ضد ہے۔ جب حدیث نازل ثقہ راویوں سے مروی ہو۔ تو وہ ایسی اعلیٰ سند سے افضل ہے جس کے راوی غیر ثقہ ہوں۔''

بعض نقاد حدیث کے نزدیک سند نازل میں ایک ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے جو سند عالی میں نہیں پائی جاتی اس لئے سند نازل کا سماع افضل ہے۔ وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جتنے راوی اس سند میں موجود ہوں گے حدیث کی روایت کرنے والا ان سب کی چھان بین اور جرح و تعدیل کا پتہ چلائے گا۔ اور اس طرح اسے سند نازل (جس میں سند عالی کی نسبت زیادہ راوی ہوتے ہیں) میں زیادہ محنت کرنا پڑے گی۔ اس لئے اس میں اجر و ثواب بھی زیادہ ہو گا۔[4]

محدثین کے احساس نقد و جرح کا یہ عالم تھا کہ وہ معاصرت (ہم زمانہ ہونا) کو تنقید کی راہ میں ایک رکاوٹ سمجھتے تھے۔ ان کا احساس تنقید نقطہ عروج و کمال کو پہنچ گیا

---

1. الجامع ج ا ص ۱۴
2. محمد بن محمد بن بشار المعروف ابوبکر بن الانباری بہت بڑے نحوی اور حفاظ حدیث میں شمار ہوتے تھے یہ بڑے کثیر التصانیف تھے۔ بغداد میں ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔
3. الجامع ج ا ص ۱۴۔ مذکورہ صدر اشعار میں ''علم النزول'' سے سند نازل کا علم مراد ہے۔ سند نازل نبی کریم ﷺ یا ائمہ حدیث سے زیادہ دور ہوتی ہے کیونکہ اس میں درمیانی واسطے زیادہ ہوتے ہیں۔
4. الجامع ج ا ص ۱۱

Marfat.com

تھا۔ اس کی حد یہ ہے کہ جو لوگ بقید حیات تھے وہ ان سے روایت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔[۱] وہ سمجھتے تھے کہ معاصرین کے ساتھ باہم الفت و محبت کے مراسم بسا اوقات حسن ظن کے موجب ہوتے ہیں۔ اسی طرح معاصرانہ چشمک بدظنی کی موجب بھی بن سکتی ہے۔ نظر بریں معاصرین کی جرح و تعدیل کسی صورت میں بھی صحیح بنیادوں پر مبنی قرار نہیں دی جاسکتی۔

ابن عبدالحکم فرماتے ہیں:

''میں ابھی بچہ ہی تھا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حدیث کا ذکر آیا۔ انہوں نے دریافت کیا یہ حدیث آپ نے کس سے سنی؟ میں نے کہا آپ سے۔ فرمایا میں جو حدیث آپ کو سناؤں وہ ٹھیک ہے۔ البتہ زندہ لوگوں سے روایت نہ کیجئے۔''[۲]

ابن عون کا قول ہے:

''میں نے شعبی سے کہا کیا میں آپ کو حدیث نہ سناؤں؟'' کہنے لگے ''کیا تم زندوں سے روایت کرو گے یا فوت شدگان سے؟'' میں نے کہا ''زندوں سے'' شعبی نے کہا ''مجھے ان لوگوں کی حدیثیں نہ سناؤ جو بقید حیات ہیں۔''[۳]

حدیث کے قدر شناس جوہریوں نے نقد و جرح اور تعدیل کی متعدد اصطلاحات مقرر کی ہیں ان کے تنوع و تغایر سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ حدیث کے سب راوی ضعف و ثقاہت میں یکساں مرتبہ و مقام نہیں رکھتے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیب وار بارہ اصطلاحات مقرر کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ الکفایہ ص ۱۳۹

۲۔ الکفایہ ص ۱۴۰

۳۔ الکفایہ ص ۱۳۹

۴۔ دیکھئے خطبہ تقریب التہذیب۔ ہم نے اختصاراً اسے ذکر کیا ہے نیز دیکھئے الباعث الحثیث ص ۱۱۸۔ ۱۱۹ و توضیح الافکار ج ۲ ص ۲۶۱۔ ۲۷۱ نیز مقدمہ کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم

Marfat.com

① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

② جس کا ذکر صیغہ افعل التفضیل سے کیا جائے مثلاً ''اوثق الناس'' (سب لوگوں سے زیادہ قابل اعتماد)

یا جس راوی کی صفت مکرر لائی جائے۔ مثلاً ثِقَةٌ ثِقَةٌ

یا الگ الگ دو صفات مذکور ہوں مثلاً ثِقَةٌ حَافِظٌ وغیرہ۔

③ جس راوی کی صرف ایک ہی صفت بیان کی گئی ہو مثلاً ''ثِقَةٌ'' یا ''ثَبتٌ'' یا ''متقن''

④ اس قسم کے الفاظ جیسے ''صدوق'' یا ''لا باس به'' یا ''لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ'' وغیرہ۔

⑤ جو مندرجہ بالا رواۃ کے درجہ سے قدرے کم ہو اس کے حق میں یوں کہتے ہیں: ''صَدُوْقٌ سَيِّئُ الْحِفْظِ'' ''صَدُوْقٌ يَهِمُ'' لَهُ أَوْهَامٌ'' ''يُخطِئُ'' ''تَغَيَّرَ بِأٰخِرَةٍ''

⑥ جس راوی سے بہت کم احادیث مروی ہوں اور اس میں کوئی ایسی بات نہ پائی جاتی ہو جس کی بنا پر اس کی روایت ترک کی جائے تو اس کے حق میں ''لَيِّنُ الْحَدِيْثِ'' کہتے ہیں۔

⑦ وہ راوی جس سے ایک سے زیادہ آدمیوں نے روایت کی ہو مگر اس کی توثیق نہ کی گئی ہو اس کو مستور یا مجہول الحال کہتے ہیں۔

⑧ جس راوی کی توثیق کسی نے نہ کی ہو اور اس کو وجہ بیان کیے بغیر ضعیف قرار دیا گیا ہو تو اصطلاحاً اس کو ''ضعیف'' کہتے ہیں۔

⑨ جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو اور اس کی توثیق بھی نہ کی گئی ہو تو اس کو مجہول کہتے ہیں۔

⑩ وہ راوی جس کی توثیق نہ کی گئی ہو اور سبب قادح بیان کر کے اس کو ضعیف قرار دیا گیا ہو۔ اس کو ''متروک یا متروک الحدیث'' یا ''واہی الحدیث'' یا ''ساقط''

Marfat.com

کہتے ہیں۔

⑪ جس پر جھوٹ کی تہمت لگائی گئی ہو اس کو "مُتَّهَمْ" یا "مُتَّهَمْ بِالْكِذْبِ" کہتے ہیں۔

⑫ اس قسم میں وہ راوی شامل ہیں جن پر کذب یا وضع کا اطلاق کیا گیا ہو ایسے لوگوں کو "كَذَّابْ" یا "وَضَّاعْ" کہتے ہیں بعض اوقات "يَضَعُ الْحَدِيْثَ" (حدیثیں وضع کرتا ہے) یا "مَا اَكْذَبَهٗ" اور اس قسم کے الفاظ بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔

نقاد حدیث کی وضع کردہ اصطلاحات کے پیش نظر رواۃ حدیث کی شرائط میں باریک بینی اور احتیاط کا سلسلہ تیسری صدی ہجری کے اختتام تک بڑی سختی کے ساتھ جاری رہا۔ اس لئے کہ اس دور میں سماع حدیث میں آسانیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ یہ اصطلاحات عام طور سے شیوخ و تلامذہ کی زبانوں پر جاری تھیں۔ تیسری صدی ہجری کے بعد رواۃ حدیث نے ان شرائط میں سہل انگاری برتنا شروع کر دی۔ چنانچہ وہ کسی راوی کی تعدیل کے لئے صرف عقل و بلوغ اسلام حفظ و ضبط اور عدم فسق کو کافی تصور کرنے لگے۔ اس دور میں روایت بالمشافہ شیوخ حدیث سے سن کر نہیں بلکہ کتابوں سے دیکھ کر کی جاتی تھی۔[1]

رواۃ حدیث میں اسلام کی شرط محتاج تشریح نہیں۔ اسی طرح اس شرط کی غایت و مقصد بھی پوشیدہ نہیں اس لئے کہ راوی ایسی احادیث و اخبار بیان کرتا ہے جو دین کے احکام کے تشریعات اور حکم و مصالح سے متعلق ہوتی ہیں۔ بنا بریں احتیاط کا تقاضا ہے کہ ان کا بیان کرنے والا بھی ایسا شخص ہونا چاہئے جو جانتا ہو کہ ان احکام کا لوگوں تک پہنچانا اور سمجھانا کس حد تک ضروری ہے۔ البتہ اسلام کی شرط کا راوی میں پایا جانا روایت کے پہچاننے کے وقت ضروری ہے استاد سے روایت اخذ کرتے وقت نہیں۔[2]

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی یہ روایت قبول کر لی گئی تھی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۱۱۹

[2] الکفایہ ص ۷۶

Marfat.com

مغرب کی نماز میں سورۃ الطور پڑھتے سنا تھا۔ حالانکہ وہ اساری بدر میں شامل تھے اور جنگ بدر تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ اور جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا ''یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں ایمان کے احساس نے کروٹ لی۔''

Marfat.com

باب:۳

اصلاحات حدیث

Marfat.com

فصل : ۱

اقسام حدیث

حدیث کی دو قسمیں ہیں۔

① مقبول: صحیح حدیث کو مقبول کہتے ہیں۔

② مردود: ضعیف حدیث کو مردود کہا جاتا ہے۔

یہ حدیث کی طبعی تقسیم ہے جس کے تحت بہت سی قسمیں داخل ہیں اور جن کے درجات میں صحت وضعف احوال رواۃ اور متون حدیث کے اعتبار سے بہت زیادہ فرق مدارج پایا جاتا ہے۔

مگر محدثین نے حدیث کی ایک ثلاثی (سہ گانہ) تقسیم بھی کی ہے جس کو وہ تقسیم سابق کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے کوئی حدیث ایسی نہیں جو ان تین عظیم اقسام میں شامل نہ ہو۔ وہ تین قسمیں یہ ہیں:

① صحیح ② حسن ③ ضعیف[1]

ظاہر ہے کہ حدیث حسن پہلے قول کے مطابق سابق الذکر دونوں قسموں (صحیح و ضعیف) میں سے ایک ضرور شامل ہوگی۔ چنانچہ امام بخاری و مسلم[2] اور محدث ذہبی حسن کو حدیث صحیح کی ایک قسم قرار دیتے ہیں۔ بخلاف ازیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حسن

---

[1] التدریب ص ۱۳۔ نیز توضیح الافکار ج ۱ ص ۷

[2] امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے جن راویوں سے حدیثیں روایت کی ہیں ان میں کم درجے کے راوی تو ہو سکتے ہیں مگر ان میں کوئی راوی متہم بالکذب نہیں ہے۔ مگر کم درجہ راوی ہونے کی صورت میں بخاری و مسلم نے یہ شرط عائد کی ہے کہ اس کی تائید ایسی حدیث سے ہونی ضروری ہے جو بالکل صحیح ہو۔ چنانچہ ان دونوں کتب میں صرف احادیث صحیحہ ہی پائی جاتی ہیں جو اس لئے جن احادیث پر کہ صفت حسن کا غلبہ ہے ان کو بھی احادیث صحیحہ میں شمار کرنا چاہئے۔

Marfat.com

کو ایسی ضعیف حدیث تصور کرتے ہیں جس پر عمل کرنا جائز ہوتا ہے۔[1] بلکہ وہ قیاس کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہوتی ہے۔ دوسری رائے کے مطابق حدیث حسن' حدیث کی ایک جداگانہ مستقل قسم ہے۔ وہ صحیح سے کم درجہ اور ضعیف سے افضل ہوتی ہے۔

موضوع

موضوع وہ حدیث ہے جو خود گھڑ کر آنحضور ﷺ یا صحابہ کی طرف منسوب کر دی جائے۔ ہم نے موضوع کو حدیث کی قسموں میں اس لئے شمار نہیں کیا کہ موضوع نفس الامر اور واقع میں حدیث نہیں ہوتی۔ البتہ اس کا واضع اس کو حدیث کے حکم میں شامل کرتا ہے۔[2] موضوع روایت کے بارے میں جب ثابت کر دیا جائے کہ وہ موضوع ہے تو اسے حدیث نہیں کہہ سکتے۔ البتہ اثبات وضع سے پہلے بحث و تحقیق کے نتیجہ کے انتظار میں اس کو موضوع کہہ سکتے ہیں۔ بعد از تحقیق یا تو اس میں ضعف ثابت ہو جائے گا تو اس کو ضعیف حدیث کہیں گے اور ضعف کا سبب بیان کر دیا جائے گا۔ یا اس کا موضوع ہونا واضح ہو جائے گا اور اس صورت میں وہ حدیث نہیں رہے گی۔ جب ''حدیث موضوع'' کا لفظ پڑھا یا سنا جائے تو اس میں حدیث کا لفظ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی نقل و روایت حرام ہے۔

پھر ان اقسام ثلاثہ (صحیح۔ حسن۔ ضعیف) کے تحت حدیث کی بہت سی قسمیں ہیں ان میں کچھ تو خالص صحیح' حسن یا ضعیف ہیں اور بعض صحیح و حسن میں مشترک ہیں۔ اور

---

[1] اس لئے کہ محدثین نے ضعیف حدیث کو دو قسموں میں منقسم کیا ہے۔ (۱) وہ ضعیف حدیث جو متروک العمل ہوتی ہے اور اس کا راوی متہم بالکذب اور کثیر الغلط ہوتا ہے۔ (۲) وہ ضعیف حدیث جو متروک العمل نہیں ہوتی۔ اس کو حسن بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کا راوی متہم بالکذب اور کثیر الغلط نہیں بلکہ صرف حفظ و ضبط میں کمزور ہوتا ہے۔

[2] امام سیوطی فرماتے ہیں ہم نے موضوع کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ اصطلاحاً حدیث نہیں ہوتی۔ البتہ واضع اس کے حدیث ہونے کا مدعی ہوتا ہے۔ [التدریب ص ۱۴۳] اس سے ہمارے سابق الذکر قول کی تائید ہوتی ہے کہ موضوع حدیث' حدیث نہیں ہوتی۔

Marfat.com

بعض وہ ہیں جو مساوی طور پر تینوں میں مشترک ہیں۔ پھر حدیث کی ان خالص یا مشترک اقسام کے لئے بہت سی اصطلاحات وضع کی گئی ہیں۔ ان جداگانہ اصطلاحات کو علوم بھی کہتے ہیں اور انواع بھی۔ علمائے حدیث اس امر میں متفق ہیں کہ یہ اقسام خارج از حصر وعدد ہیں [۱]

امام حازمی رحمۃ اللہ علیہ [۲] فرماتے ہیں:

''علم حدیث کی قسمیں سو تک پہنچتی ہیں۔ ہر نوع ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر طالب علم اپنی پوری عمر بھی اس نوع میں کھپا دے تو اس کی انتہاء کو نہیں پاسکتا۔'' [۳]

محدث ابن الصلاح نے اپنی کتاب ''علوم الحدیث'' میں علم حدیث کی ۶۵ اقسام کا ذکر کیا ہے اور تحریر کیا ہے کہ یہ آخری حد نہیں ہے' بلکہ اس کی لاتعداد قسمیں ہوسکتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ راویان حدیث اور مرویات کے احوال وصفات کا کچھ ٹھکانا نہیں۔'' [۴]

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''علوم الحدیث'' کا جو اختصار لکھا ہے اس میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جن اقسام کا ذکر ابن الصلاح نے کیا ہے وہ ایک دوسری میں مدغم ہوسکتی ہیں اس لئے اقسام حدیث کا یہ پھیلاؤ درست نہیں۔ انہوں نے اپنے نکتہ خیال کے مطابق انواع حدیث کو از سر نو مرتب کیا ہے۔ [۵] آگے چل کر ہم ابن کثیر کی ترتیب جدید پر نقد وتبصرہ کریں گے۔ ہماری کتاب کا ماخذ بڑی حد تک اگرچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کتاب ہے' تاہم ہم نے ہر جگہ ان سے اتفاق نہیں کیا بلکہ اختلاف بھی کیا ہے۔

---

۱ التدریب ص ۹

۲ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن حازم ھمدانی بہت بڑے امام' حافظ حدیث اور ماہر انساب تھے۔ آپ نے بغداد میں ۵۸۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔ آپ کی کتاب ''الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ فی الآثار'' مشہور ہے۔ آپ کی ایک تصنیف ''العجالہ'' بھی ہے۔

۳ التدریب ص ۹

۴ اختصار علوم الحدیث ص ۱۹۔۲۰

۵ حوالہ مذکور

Marfat.com

ہمارے خیال میں علامہ جمال الدین قاسمی[۱] نے ''قواعد التحدیث'' میں احادیث کی جو تقسیم کی ہے وہ عقل و منطق سے قریب تر ہے۔ علامہ مذکور نے حدیث کے ایسے القاب کا ذکر کیا ہے جس میں صحیح و حسن سب شامل ہیں۔[۲] حدیث کی بعض قسمیں وہ ہیں جن میں صحیح، حسن اور ضعیف سب شریک ہیں۔[۳] بعض قسمیں ضعیف کے ساتھ خاص ہیں چونکہ یہ تقسیم ہمیں پسند ہے، اس لئے ہماری یہ تصنیف بڑی حد تک ''قواعد التحدیث'' سے متاثر نظر آتی ہے مگر قاری کو اس حقیقت سے باخبر رہنا چاہئے کہ ہم نے اپنی اصطلاحات و تقسیمات میں ہر جگہ علامہ شام جمال الدین قاسمی کے ساتھ اتفاق ہی نہیں بلکہ اختلاف بھی کیا ہے۔ اور متقدمین تو کہہ چکے ہیں کہ ''لا مشاحة فی الاصطلاح'' (نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی) چنانچہ ہم نے اس ضمن میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ہمیں نہایت روشن عبارت میں اصطلاحات حدیث پیش کرنے کی توفیق بخشے۔ اس تقسیم میں نہ تو کوئی التباس باقی رہے، اور نہ ہی حدیث کی بعض قسمیں دیگر اقسام میں مدغم و متداخل ہوں۔ ہم صرف اہم مباحث و مسائل کے ذکر و بیان پر اکتفاء کریں گے اور بے فائدہ مباحث اور جدل و نزاع میں الجھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

۱۔ شام کے مشہور علامہ جمال الدین قاسمی صاحب تصانیف تھے۔ آپ نے ۱۳۳۲ھ میں وفات پائی۔

۲۔ قواعد التحدیث ص ۸۸

۳۔ کتاب مذکور ص ۱۰۴

Marfat.com

فصل : ۲

حدیث صحیح

حدیث صحیح کی تعریف یہ ہے:

''اَلْحَدِیْثُ الْمُسْنَدُ الَّذِیْ یَتَّصِلُ اِسْنَادُهٗ بِنَقْلِ الْعَدْلِ الضَّابِطِ عَنِ الْعَدْلِ الضَّابِطِ حَتّٰی یَنْتَهِیَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَوْ اِلٰی مُنْتَهَاهُ مِنْ صَحَابِیٍّ اَوْ مِنْ دُوْنَهٗ وَلَا یَکُوْنُ شَاذًّا وَلَا مُعَلَّلًا''[1]

''صحیح اس مسند حدیث کو کہتے ہیں جس کو صاحب العدالت اور ضابط راوی دوسرے عادل اور ضابط راوی سے روایت کرے۔ یہاں تک کہ وہ نبی ﷺ یا صحابی و تابعی تک پہنچ جائے اور وہ معلل اور شاذ بھی نہ ہو۔''

مذکورہ صدر تعریف میں چند امور قابل غور ہیں:

1. پہلی بات یہ ہے کہ صحیح حدیث مسند[2] ہوتی ہے۔ مسند وہ حدیث ہوتی ہے جو اپنے راوی سے لے کر آخر تک مربوط و متصل ہو (اور اس میں کوئی کڑی ٹوٹی ہوئی نہ ہو) مسند کو موصول اور متصل بھی کہتے ہیں۔ بنابریں حدیث مرسل جس میں صحابی کا نام مذکور نہ ہو متصل نہ ہوگی۔ اس لئے وہ مذہب راجح کے مطابق ضعیف ہوگی، صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ اس کی سند سے کوئی راوی ساقط ہو گیا ہوتا

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۲۱

[2] بعض اوقات محدثین کرام رحمہم اللہ مسند و متصل میں فرق بھی کرتے ہیں۔ وہ فرق یہ ہے کہ مسند لازماً حدیث مرفوع ہوتی ہے جو ذات نبوی ﷺ تک پہنچ کر ختم ہوتی ہے۔ بخلاف ازیں متصل وہ حدیث ہے جس کی تمام کڑیاں ملی ہوئی ہوں۔ یعنی ہر راوی نے اپنے اوپر والے راوی سے سنا ہو۔ خواہ وہ حدیث مرفوع ہو یا موقوف ہو اور صرف صحابی تک پہنچتی ہو۔ یا مقطوع ہو اور تابعی تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہو۔ [التدریب ص ۶۰]

Marfat.com

ہے۔ یا اس کی سند میں کسی مبہم شخص کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور ابہام وسقوط میں چنداں فرق نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس حدیث معضل جس کی سند سے دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہوتے ہیں صحیح حدیث نہ ہوگی۔

۲ دوسری بات یہ ہے کہ صحیح حدیث شاذ نہیں ہوتی۔ شاذ اس روایت کو کہتے ہیں جس میں ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہو جیسا کہ آگے چل کر ہم شذوذ کی بحث میں بیان کریں گے۔

۳ حدیث صحیح مُعَلَّل بھی نہیں ہوتی۔ معلل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی ایسی علت قادحہ پائی جاتی ہو جس سے حدیث کی صحت مخدوش ہو جاتی ہو۔ اگرچہ بظاہر اس میں کوئی عیب نظر نہ آتا ہو۔

۴ حدیث صحیح کی سند کے تمام راوی صاحب العدالت و الضبط ہوتے ہیں اگر کسی ایک میں بھی ضبط وعدالت کا وصف مفقود ہو تو وہ حدیث صحیح نہیں رہتی۔ ہم فصل ''شروط الراوی'' میں بیان کر چکے ہیں کہ ضبط وعدالت سے کیا مراد ہے۔

صحیح کی دو قسمیں

۱ صحیح لذاتہ: جو نہایت اعلیٰ درجہ کی صفات قبول کو شامل ہو۔

۲ صحیح لغیرہ: وہ حدیث ہے جس میں اعلیٰ صفات تو موجود نہ ہوں' البتہ کسی اور وصف کی بنا پر اس کو صحیح قرار دیا جائے۔ مثلاً حدیث حسن جب متعدد طرق سے مروی ہو تو وہ حسن کے درجہ سے ترقی کر کے حدیث صحیح کے درجہ پر فائز ہو جاتی ہے۔[۱]

جس طرح حدیث حسن کو مسند و متصل کہتے ہیں اسی طرح اسے متواتر' آحاد اور مشہور وغریب[۲] بھی کہا جاتا ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ حدیث کے بہت سے اوصاف ایسے بھی ہیں جن میں صحیح اور حسن دونوں شریک ہیں۔ علاوہ ازیں کچھ اصطلاحات ایسی بھی ہیں جو صحیح' حسن اور ضعیف تینوں قسموں کو شامل ہیں۔

---

۱ قواعد التحدیث ص ۵۶ ۲ اختصار علوم الحدیث ص ۲۱

Marfat.com

حدیث متواتر

متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو ایک ایسی جماعت روایت کرتی ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً و عادۃً محال ہو۔ اور وہ جماعت جس دوسری جماعت سے روایت کرتی ہو وہ بھی اسی طرح کی ہو۔ اور یہ وصف سند کے آغاز، وسط اور آخر میں موجود رہے[1]

متواتر کی تعریف میں یہ قید کہ "عقل ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کو محال سمجھتی ہو" ہم نے اس لئے عائد کی ہے کہ ان متعارض و متخالف نظریات سے بچ سکیں جو اس جماعت کی عددی تعیین کے بارے میں بلا برہان و دلیل پیش کیے گئے ہیں۔ مثلاً بعض علماء نے آیت قرآنی "لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ"[2] سے جو زنا کی شہادت کے بارے میں وارد ہوئی ہے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ کم از کم چار راویوں کی روایت کو متواتر کہتے ہیں۔

بعض علماء نے آیت لعان[3] کے پیش نظر پانچ راویوں کو کافی قرار دیا بعض نے دس کو کافی سمجھا۔ اس لئے کہ دس سے کم پر جمع کا اطلاق نہیں کیا جاتا بلکہ ان کو "آحاد" کہتے ہیں۔

بعض نے آیت قرآنی "وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا"[4] سے استدلال کرتے ہوئے بارہ کی تعداد مقرر کی۔

---

۱ شرح نخبہ ص ۳

۲ سورہ نور ص ۱۳

۳ یہ آیت سورہ نور میں ہے۔ فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [آیت ۶ تا ۹]

۴ سورہ مائدہ آیت ۱۱

Marfat.com

بعض نے متواتر کے راویوں کی کم از کم تعداد بیس مقرر کی اور دلیل میں یہ آیت پیش کی: "اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ" [۱]

بعض نے چالیس کہا اور دلیل میں یہ آیت پیش کی: "یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" [۲]

جب یہ آیت کریمہ اتری تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی بنا پر مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی تھی۔

بعض ستر کہتے ہیں اور دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں: "وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَہٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا" [۳]

بعض نے تین سو تیرہ مرد اور دو عورتیں کہا اور دلیل یہ دی کہ اصحاب بدر کی تعداد یہ تھی۔

مذکورہ صدر دلائل اگرچہ قرآن سے ماخوذ و مستنبط ہیں' مگر ان میں سے کوئی بھی اپنے مقصد پر صراحۃً دلالت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ ان تمام آیات میں جس گنتی کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق ایک خاص واقعہ کے ساتھ ہے۔ اس لئے حدیث متواتر کی تعریف میں قول راجح یہ ہے کہ جماعت کی تعداد معین کرنے کے بجائے یہ کہا جائے کہ عقل ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کو محال تصور کرتی ہو' حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"صحیح قول کے مطابق عدد متعین کرنے کا کوئی مقصد نہیں ہے۔" [۴]

حدیث متواتر کی دو قسمیں ہیں: ① متواتر لفظی۔ ② متواتر معنوی۔

متواتر لفظی

متواتر لفظی وہ حدیث ہے جس کو مذکورہ جماعت سند کے اول' وسط اور آخر میں ایک ہی قسم کے الفاظ کے ساتھ روایت کرتی ہو' جیسا کہ محدث ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ

---

[۱] سورۃ الانفال۔ آیت ۶۵

[۲] سورۃ الانفال۔ آیت ۶۴

[۳] سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۵۵

[۴] شرح نخبہ ص ۳

Marfat.com

فرماتے ہیں:

''متواتر لفظی نادر الوجود بلکہ معدوم ہے۔ اس کی مثال طلب و تلاش پر بھی کہیں نہیں مل سکتی۔''[۱]

اکثر علماء کا خیال ہے کہ اگر متواتر میں لفظی مطابقت و مماثلت کی شرط لگائی جائے تو قرآن کریم کے سوا اس کی مثال دوسری کوئی نہیں مل سکتی۔ بخلاف ازیں بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ بہت سی حدیثیں متواتر لفظی ہیں۔ مثلاً مندرجہ ذیل احادیث نبویہ:

۱ وہ حدیث جس میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲ حدیث نبوی ''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا......''

۳ حدیث ''مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا''

۴ وہ حدیث جس میں آپ کی شفاعت کا ذکر کیا گیا ہے۔

۵ وہ حدیث جس میں کھجور کے اس تنے کے رونے کا ذکر کیا گیا ہے جس کے ساتھ سہارا لگا کر آپ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

۶ موزوں پر مسح کی حدیث۔

۷ واقعہ معراج۔

۸ وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ آپ کی انگلیوں سے پانی پھوٹنے لگا اور سب لشکر سیراب ہو گیا۔

۹ قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ واپس دلانا۔

۱۰ تھوڑے سے کھانے سے سب لشکر کو سیر کرنا۔[۲]

امام جلال الدین سیوطی[۳] نے اپنی کتاب ''الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ''[۴]

---

۱ مگر ابن الصلاح حدیث ''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا'' کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ ۶۲ صحابہ سے مروی ہے۔ [تدریب ص ۱۹۰]

۲ التدریب ص ۱۹۰

۳ علامہ عبد الرحمٰن جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ صاحب تصانیف کثیرہ۔ آپ نے حدیث و تفسیر اور لغت پر کتابیں لکھیں۔ حدیث میں الفیہ اور تدریب الراوی مشہور کتابیں ہیں۔

۴ التدریب ص ۱۹۰

Marfat.com

اور قاضی عیاض نے ''الشفاء'' میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ کچھ یوں نظر آتا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان ومیلان بھی اسی جانب ہے۔ چنانچہ شرح نخبہ میں فرماتے ہیں:

''جس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ متواتر احادیث بکثرت موجود ہیں یہ بات ہے کہ جو مشہور ومعروف کتب حدیث عام طور سے شرق وغرب میں لوگوں کے ہاتھوں میں متداول ہیں اور جن کی نسبت ان کے جامعین کی جانب بالکل قطعی ہے، جب یہ کتب کسی حدیث کے روایت کرنے میں متفق و متحد ہوں، اس حدیث کے طرق واسانید بھی اس قدر متعدد ہوں کہ عقل عادۃً ان کے کذب پر جمع ہونے کو محال سمجھتی ہو۔ تو ایسی حدیث یقینی علم کا فائدہ دے گی اور اس کی نسبت اس کے قائل کی جانب صحیح ہوگی۔''[1]

حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں تحریر کیا ہے کہ حدیث مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا کو چالیس سے زائد صحابہ نے روایت کیا ہے ان میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔[2]

---

[1] شرح نخبہ ص ۴-۵

[2] عشرہ مبشرہ کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام، عبد الرحمن بن عوف، ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہم

بعض علماء کا قول ہے کہ اس حدیث کو سو سے زائد راویوں نے روایت کیا ہے۔ امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں ''اس کو دو صد اشخاص نے روایت کیا ہے۔'' حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ سب روایات متحد الالفاظ نہیں ہیں البتہ یہ جھوٹ کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔ البتہ صرف ان الفاظ کی روایت کرنے والے ستر سے زائد صحابہ ہیں۔ ان میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ امام سیوطی نے تدریب میں ان کے نام ذکر کیے ہیں۔ [تدریب ص ۱۹۰]

Marfat.com

متواتر معنوی

متواتر معنوی میں حدیث کے الفاظ کا یکساں ہونا شرط نہیں ہے بلکہ مفہوم متحد ہونا چاہئے اگرچہ روایات کے الفاظ مختلف ہوں۔ متواتر معنوی کی راوی بھی ایسی جماعت ہوتی ہے جس کا جھوٹ پر جمع ہونا عقلاً محال ہو۔ متواتر معنوی احادیث بکثرت موجود ہیں۔ اور کسی کو اس سے مجال انکار نہیں۔ مثلاً دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کی حدیث۔ رفع الیدین فی الدعا کے بارے میں تقریباً یک صد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اگرچہ ان کے مواقع مختلف ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث کو ایک رسالہ میں جمع کیا ہے یہ درست ہے کہ ان میں سے جو حدیث کسی موقع پر وارد ہوئی ہے وہ موقع بذات خود متواتر نہیں۔ مگر ان کا قدر مشترک...... یعنی رفع الیدین فی الدعا...... مجموعی اعتبار سے متواتر ہے۔[1]

بعض محدثین کا خیال ہے کہ جن احادیث سے علماء نے متواتر لفظی کے وجود پر استدلال کیا ہے دراصل وہ متواتر معنوی ہیں۔ البتہ ان کے معنی و مفہوم کی شہرت نے لفظی اختلاف کو مٹا دیا (اور علماء ان کو متواتر لفظی سمجھنے لگے۔)

بعض علماء حدیث اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے کہ متواتر معنوی ابتدائی دور میں خبر واحد[2] ہو پھر آگے چل کر اس کو شہرت حاصل ہو جائے۔ نظر بریں وہ حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" کو متواتر معنوی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس کے راوی صرف حضرت فاروق اعظم ہیں۔ ان سے صرف علقمہ نے روایت کی ہے۔ اور علقمہ سے روایت کرنے والے صرف محمد بن ابراہیم تیمی تھے اور ان سے صرف یحییٰ انصاری نے روایت کی۔ البتہ یحییٰ سے روایت کرنے والے بہت لوگ تھے۔ اور اس طرح یحییٰ کے

---

[1] التدریب ص ۱۹۱

[2] خبر واحد اصطلاحاً وہ حدیث ہے جو شروط تواتر کی حامل نہ ہو۔ اگر اس کا راوی صرف ایک ہو تو اس کو غریب کہتے ہیں۔ دو راوی ہوں تو وہ حدیث عزیز کہلاتی ہے اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو اس کو مشہور کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر واحد کا راوی ہمیشہ ایک ہی نہیں ہوتا۔ [شرح نخبہ ص ۶]

Marfat.com

زمانہ میں اس حدیث کو شہرت نصیب ہوئی [1]

محدثین متواتر کا ذکر اس کا جداگانہ نام لے کر نہیں کرتے بلکہ اس ضمن میں فقہاء اور علمائے اصول کی پیروی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ تواتر کا اسناد کے مباحث کے ساتھ کچھ تعلق نہیں۔ اسناد کے علم میں حدیث کی صحت وضعف سے اس لئے بحث کی جاتی ہے کہ بصورت صحت اس پر عمل کیا جائے۔ اور ضعیف ہونے کی حالت میں اس پر عمل نہ کیا جائے۔ لیکن متواتر کے رواۃ ورجال سے نقد وجرح نہیں کی جاتی بلکہ جدل ونزاع کے بغیر اس پر عمل کیا جاتا ہے۔[2]

خبر واحد سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے

اس امر میں محدثین کے یہاں سرے سے کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ متواتر لفظی ہو یا معنوی دونوں سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے۔ متنازع فیہ یہ بات ہے کہ آیا صحیح خبر واحد سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے یا یقینی؟ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ تقریب میں کہتے ہیں کہ خبر واحد ظنی الثبوت ہوتی ہے اس لئے اس سے علم بھی ظنی حاصل ہوتا ہے اکثر محدثین کا خیال ہے کہ خبر واحد اگر بخاری ومسلم کی روایت کردہ ہو تو اس سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے۔ بعض علماء نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ خبر واحد اگر صحیح ہو تو خواہ اسے شیخین (بخاری ومسلم رحمہما اللہ) نے روایت کیا ہو یا دیگر محدثین نے' وہ حدیث متواتر کی طرح یقینی علم کا فائدہ دیتی ہے۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ [3] فرماتے ہیں:

"ایک صاحب العدالت راوی جب دیگر اصحاب عدالت سے روایت کرتا ہو

---

[1] التدریب ص ۱۸۹ نیز توضیح الافکار ج ۱ ص ۲۴

[2] شرح نخبہ ص ۴۔

[3] علی بن احمد بن سعید بن حزم ظاہری اپنے وقت میں اندلس کے یگانہ روزگار فاضل اور محدث تھے۔ آپ کی مشہور کتب "المحلی" اور "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" ہیں۔ آپ نے ۴۵۶ ہجری میں وفات پائی۔

Marfat.com

تو ایسی حدیث واجب العلم والعمل ہوتی ہے۔“[1]

امام ابن حزم کی رائے لائق اتباع ہے۔ اس لئے کہ صرف بخاری و مسلم کی احادیث کو افادہ یقین کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ جب دیگر کتب حدیث میں واردشدہ روایات کی صحت ثابت ہو جائے تو ان کا درجہ و حکم بھی وہی ہونا چاہئے جو بخاری و مسلم کی احادیث کا ہے۔ بخاری و مسلم کو مسلمانوں کے دلوں میں جو قدر و منزلت حاصل ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسری کتب کی احادیث صحیحہ کا مقام و مرتبہ گھٹا دیا جائے۔ اسی طرح یہ بات بھی عقل و منطق کے خلاف ہے کہ جب احادیث احاد کی صحت ثابت ہو جائے تو پھر بھی ان سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اثبات صحت کے لئے جو شرائط مقرر ہیں۔ ان کے پائے جانے سے ظن کے جملہ امکانات ختم ہو جاتے ہیں اور وہ حدیث یقینی علم کی موجب ہوتی ہے۔[2]

غریب

جب صرف ایک ہی ثقہ راوی کوئی روایت بیان کرے تو اس کی روایت کردہ حدیث صحیح کو غریب کہتے ہیں اس کی غرابت کبھی حدیث کے متن میں ہوتی ہے اور کبھی سند میں۔[3]

حدیث مشہور

جب رواۃ حدیث کی ایک جماعت ثقہ راوی سے روایت کرنے میں شریک ہو تو ان کی روایت کردہ حدیث کو مشہور کہتے ہیں۔[4]

---

1. الاحکام فی اصول الاحکام ج ۱ ص ۱۱۹۔ ۱۳۷ نیز اغاثۃ اللہفان لابن القیم ص ۱۶۰ مطبع میمنیہ قاہرہ
2. الباعث الحثیث ص ۳۴
3. حدیث غریب کا بیان آگے آ رہا ہے۔
4. ہم آگے چل کر حدیث مشہور کے سلسلہ میں مزید تفصیلات بیان کریں گے۔

Marfat.com

یہ عجیب بات ہے کہ بعض محدثین نے یہ شرط ٹھہرائی ہے کہ حدیث صحیح عزیز ہو۔[۱] امام حاکم نے علوم الحدیث میں اس جانب اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''حدیث صحیح کی تعریف یہ ہے کہ اس کو روایت کرنے والا صحابی گمنام نہ ہو۔ جس کی صورت یہ ہے کہ دو تابعی اس سے روایت کرتے ہوں۔ بعد ازاں رواۃ حدیث عام طور سے اس کو دور حاضر تک روایت کرتے چلے آئے ہوں۔ جس طرح گواہ کے حق میں شہادت دینے سے اس کی تائید و توثیق ہو جاتی ہے۔''[۲]

ظاہر ہے کہ اس مخصوص اصطلاح کی کوئی ضرورت نہیں ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ راوی حدیث کی تعدیل اور گواہ کی صفائی پیش کرنے کے مابین بہت فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اولین محدث تھے جنہوں نے مرسل، منقطع اور بلاغات کے بغیر ''خالص احادیث صحیحہ'' کی جمع و تالیف کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے صحیح بخاری میں جو تعلیقات درج کی ہیں وہ مقصود بالذات نہیں بلکہ ان کو صرف استشہاد اور دوسری احادیث کی تائید و توثیق کے لئے لایا گیا ہے۔ اس لئے تعلیقات کو بخاری میں شامل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بخاری شریف خالص احادیث صحیحہ پر مشتمل نہیں ہے۔[۳]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو احادیث صحیحہ کے اولین جامع و مولف نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ انہوں نے محض احادیث صحیحہ کی جمع و تالیف کا اہتمام نہیں کیا بلکہ اپنی کتاب میں مرسل اور مقطوع روایات اور بلاغات کو بھی جمع کر دیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد

---

[۱] عزیز اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو کم از کم دو راوی دو راویوں سے بیان کرتے ہوں۔ ایسی حدیث گویا تو نادر الوجود ہونے کی وجہ سے عزیز کہتے ہیں یا اس لئے کہ ایک کے بجائے دو راوی ہونے کی بنا پر وہ عزیز یعنی قوی تر ہو جاتی ہے۔ [شرح نخبہ ص ۵]

[۲] معرفۃ علوم الحدیث ص ۶۲۔ نیز شرح نخبہ ص ۵

[۳] التدریب ص ۲۴۔ ۲۵

Marfat.com

آپ کے شاگرد عزیز امام مسلم نے آپ کی پیروی میں احادیث صحیحہ[۱] کی جمع و تالیف کا بیڑا اٹھایا۔ پھر اس کے بعد عام طور سے تدوین حدیث کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم فصل ''اہم کتب الروایہ'' میں اس کی تفصیلات بیان کریں گے۔

یاد رہے کہ جن احادیث کو صحیح کہا جاتا ہے ان کا مرتبہ صحت میں یکساں نہیں ہوتا' علاوہ ازیں جن کتب میں احادیث صحیحہ کو جمع کرنے کا التزام کیا گیا ہے اس کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان میں مندرج احادیث صحت میں مساوی الدرجہ ہیں۔ بخلاف ازیں محدثین کے نزدیک بعض حدیثیں ''صحیح'' اور بعض ''اصح'' (صحیح تر) ہوتی ہیں۔ اسی طرح بعض حدیثیں ضعیف اور بعض ''اضعف'' (ضعیف تر) ہوتی ہیں۔

محدثین کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ جس طرح صحت کے مقتضی اوصاف میں قوت و ضعف کے اعتبار سے درجہ بندی ہوتی ہے اسی طرح حدیث صحیح کے درجات بھی ان اوصاف کے اعتبار سے مختلف و متنوع ہوتے ہیں۔[۲]

درجات کے اسی تفاوت کے پیش نظر امام نووی رحمہ اللہ نے حدیث صحیح کو سات قسموں میں منقسم کیا ہے:

1. وہ متفق علیہ حدیث جو بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہو۔
2. جو حدیث صرف بخاری میں ہو۔
3. جو صرف مسلم نے روایت کی ہو۔
4. جو حدیث بخاری و مسلم میں نہ ہو مگر کسی محدث نے اس حدیث کو ان دونوں کی شرط کے مطابق روایت کیا ہو۔
5. جو حدیث صرف بخاری کی شرط کے مطابق ہو۔
6. جو حدیث صرف مسلم کی شرط کے مطابق ہو۔
7. وہ حدیث جس کو بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث نے صحیح قرار دیا ہو۔[۳]

---

۱ التدریب ص ۲۵

۲ شرح نخبہ ص ۹

۳ قواعد التحدیث ص ۵۹ نیز التدریب ص ۳۷

Marfat.com

حدیث صحیح کے درجات و مراتب میں تفاوت کی ایک وجہ وہ بلاد و امصار بھی ہیں جہاں کے راویوں نے وہ حدیثیں روایت کیں۔ چنانچہ اکثر علماء بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ اہل مدینہ کی روایات سب سے زیادہ صحیح ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ مدینہ طیبہ حدیث وسنت کا گھر تھا۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ[1] فرماتے ہیں:

''محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحیح ترین احادیث وہ ہیں جن کو اہل مدینہ نے روایت کیا۔ اس کے بعد اہل بصرہ کا درجہ ہے پھر اہل شام کا۔''

خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

''صحیح ترین احادیث وہ ہیں جن کو اہل حرمین (مکہ و مدینہ) نے روایت کیا۔ ان کے یہاں تدلیس نہایت کم ہے اور دروغ بیانی اور وضع احادیث کا وہاں گزر نہیں۔ اہل یمن کی روایات نہایت صحیح مگر قلیل ہیں۔ حجاز حدیث نبوی کا مرکز و محور ہے۔ اہل بصرہ اسانید واضحہ کے ساتھ بہت صحیح حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ ان کی مرویات بکثرت ہیں۔ اہل کوفہ کی روایات بھی کثیر التعداد ہیں، مگر ان کے یہاں دروغ گوئی کی فراوانی ہے۔ اس لئے ان کی بہت کم مرویات علل سے پاک ہیں۔ اہل شام کی روایات میں مرسل اور مقطوع کی بھرمار ہے۔ البتہ ثقات کی متصل روایات قابل احتجاج ہیں۔ اور زیادہ تر وعظ و نصیحت سے تعلق رکھتی ہیں۔''[2]

ائمہ حدیث اس ضمن میں مختلف الرائے ہیں کہ کون سی سند اصح الاسانید کہلانے کی مستحق ہے۔ ہر ایک نے جداگانہ خیال کا اظہار کیا ہے۔ ہر صحابی سے تابعین کی ایک جماعت روایت کرتی ہے پھر تابعین سے اتباع تابعین روایت کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ثقہ راوی ہیں اس لئے کسی خاص صحابی کی روایت کے بارے میں

---

[1] امام مجدد شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ حرانی دمشقی۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔ ۷۲۸ھ میں وفات پائی۔ فرانسیسی مستشرق ہنری لاؤست نے آپ کی سیرت و افکار پر ایک قابل قدر کتاب تحریر کی ہے۔

[2] قواعد التحدیث للقاسمی ص ۵۸

Marfat.com

''اصح الاسانید'' کا حکم لگانا درست نہیں ہے[1]

بعض اوقات محدثین ''حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ'' کے بجائے ''صحیح الاسناد'' کہتے ہیں اس سے ان کا مقصد یہ واضح کرنا ہوتا ہے کہ اس حدیث کی سند اگرچہ صحیح ہے مگر متن کا حال معلوم نہیں۔ ممکن ہے متن حدیث میں کوئی علت یا شذوذ موجود ہو۔ جب سند و متن دونوں کو صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں تو علی الاطلاق هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ کہتے ہیں۔ یہ عبارت ''صحیح الاسناد'' کہنے سے ارفع و اولیٰ ہے۔ امام سیوطی الفیہ میں فرماتے ہیں:

و الحكم بالصحة للاسناد

و الحسن دون المتن للنقاد

لعلة او لشذوذ و احكم

للمتن ان اطلق ذو حفظ نمى

[الفیہ سیوطی ص ۱۰۴۔۱۰۵]

جب محدثین کسی حدیث کے بارے میں ''اصحُّ شَیْءٍ فِی الْبَابْ'' کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس حدیث کو صحیح ٹھہراتے ہیں۔ بسا اوقات یہ الفاظ ضعیف حدیث کے بارے میں بھی کہے جاتے ہیں۔ محدثین کا مقصد اس عبارت سے صرف اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں جس قدر احادیث وارد ہوئی ہیں یہ ان سب میں راجح ہے یا اس میں دوسری روایات کی نسبت کم ضعف پایا جاتا ہے۔

[قواعد التحدیث بحوالہ نووی ص ۵۹]

---

1. معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۴۔۵۵ نیز توضیح الافکار ج ۱ ص ۳۳۔ علامہ احمد محمد شاکر نے چند اسانید کو جمع کیا ہے جن کو اصح الاسانید کہا جاتا ہے۔ [الباعث الحثیث ص ۲۲۔۲۵]

Marfat.com

فصل : ۳

حدیث حسن

حدیث حسن کی تعریف یہ ہے:

((هُوَ مَا اتَّصَلَ سَنَدُهُ بِنَقْلِ عَدْلٍ خَفِيفِ الضَّبْطِ وَسَلِمَ مِنَ الشُّذُوْذِ وَالْعِلَّةِ))

”حدیث حسن وہ ہے جس کی سند متصل ہو اور جس کا راوی صاحب العدالت مگر قلیل الضبط ہو اور اس میں شذوذ وعلت بھی نہ ہو۔“

حدیث حسن اور صحیح کے مابین فرق و امتیاز کے لئے اس تعریف کا اہم پہلو یہ ہے کہ حدیث حسن کے راوی میں ضبط کی کمی ہوتی ہے۔ بخلاف ازیں حدیث صحیح کا راوی کامل الضبط ہوتا ہے۔ البتہ صحیح وحسن دونوں میں شذوذ وعلت کا وجود نہیں ہوتا۔ یہ دونوں قسمیں قابل احتجاج ہوتی ہیں۔

حدیث حسن کی دو قسمیں ہیں:

① حسن لذاتہ ② حسن لغیرہ

جب کسی قید وشرط کے بغیر حدیث حسن کہا جائے تو اس سے حسن لذاتہ مراد ہوتی ہے اس لئے اس کی جداگانہ تعریف کی حاجت نہیں ہے۔ حسن لذاتہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں جو خوبی پائی جاتی ہے وہ اس کی ذاتی ہے کسی خارجی سبب کی بنا پر نہیں۔[۲] اس میں حدیث صحیح کے سب شرائط پائے جاتے ہیں۔ البتہ اس کے رواۃ و رجال میں ضبط کی کمی ہوتی ہے۔

حسن لغیرہ وہ حدیث ہے جس کی سند میں ایسا مستور راوی ہوتا ہے جس کی

---

۱ شرح نخبہ ص ۱۱ نیز حاشیہ الفیہ سیوطی ص ۴۲

۲ شرح نخبہ ص ۱۱

Marfat.com

صلاحیت اور عدم صلاحیت کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ البتہ وہ زیادہ غفلت پیشہ، کثیر الخطاء اور متہم بالکذب نہیں ہوتا۔ نیز کسی دوسری حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ تائید کرنے والی حدیث کو متابع اور شاہد[1] کہتے ہیں۔ حسن کی دونوں قسموں میں کافی جدل و بحث کی گنجائش ہے البتہ ہم ان بے کار مباحث میں الجھنا نہیں چاہتے۔[2]

جامع ترمذی حدیث حسن کی پہچان میں اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہے[3] اگرچہ علماء نے ان کی تعریف پر اعتراضات کیے ہیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اولین محدث تھے جنہوں نے حسن کو شہرت دی اور سب سے پہلے حدیث کو تین قسموں...... صحیح، حسن اور ضعیف...... میں تقسیم کیا۔ محدثین کے نزدیک ضعیف کی دو قسمیں ہیں:

1. وہ ضعیف حدیث جس پر عمل جائز ہوتا ہے۔ یہ امام ترمذی کی اصطلاح حدیث حسن سے ملتی جلتی ہے۔
2. وہ ضعیف حدیث جس پر عمل جائز نہیں، اور جس کو واہی (بیکار) بھی کہتے ہیں۔[4]

جامع ترمذی کی دو اصطلاحات ہیں جن کا فہم و ادراک بے حد ضروری ہے ورنہ قاری کے التباس و ابہام میں پڑ جانے کا خطرہ ہے:

پہلی اصطلاح حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ ہے۔

اور دوسری حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ ہے۔

پہلی اصطلاح کا بہترین جواب یہ ہے کہ جس روایت کو حسن کہا گیا ہے وہ دوسری

---

1. توضیح الافکار ج ا ص ۱۸۸۔ ہم آگے چل کر متابع اور شاہد کا ذکر کریں گے۔ سردست یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ حسن لغیرہ کی تائید کسی اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو الفاظ و معانی میں اس کے مطابق ہوتی ہے۔ تائید کرنے والی روایت کو متابع اور شاہد کہتے ہیں۔
2. اس جدل و نزاع میں یہ امر شامل ہے کہ حسن کی منطقی تعریف کیا ہے؟ اور اس پر علماء نے کون سے اعتراضات وارد کیے ہیں؟ نیز حسن کی وہ تعریف جو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور اس پر نقد و جرح، پھر دونوں تعریفوں میں جمع و تطبیق [التدریب ص ۴۹۔۵۲]
3. اختصار علوم الحدیث و شرحہ ص ۴۳
4. یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے [قواعد التحدیث ص ۸۳]

Marfat.com

سند کے مطابق صحیح ہے کیونکہ اس میں صحت کے شرائط پائے جاتے ہیں لہٰذا جس سند کے بارے میں ترمذی ''حَسَنٌ صَحِیْحٌ'' کہتے ہیں وہ ترمذی کے نزدیک حسن سے اعلیٰ اور صحیح سے کم درجہ ہوتی ہے۔[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا ایک جامع جواب دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''امام ترمذی کا یہ قول اسی طرح ہے جیسے نقاد حدیث کسی راوی کے بارے میں کہتے ہیں ''صَدُوْقٌ'' اور کسی کے بارے میں ''صَدُوْقٌ ضَابِطٌ'' ظاہر ہے کہ پہلا وصف حدیث صحیح کے رواۃ و رجال کے مقابلہ میں کم درجہ اور دوسرا ان کے مساوی ہے۔ لہٰذا جس طرح ان دونوں اوصاف کے جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح صحیح اور حسن کا اطلاق بھی ایک ہی حدیث پر کیا جا سکتا ہے۔''[2]

حدیث حسن صحیح کو غریب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صحیح حدیث بعض اوقات ایک ہی سند سے مروی ہونے کی وجہ سے غریب ہوتی ہے لہٰذا حسن جو کہ صحیح سے کم درجہ ہوتی ہے بالاولیٰ غریب ہو سکتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک اور وجہ بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام ترمذی نے حسن مطلق (بلا قید و شرط) کی تعریف نہیں کی بلکہ حسن کی ایک خاص قسم کی تعریف کی ہے جس کا ذکر ان کی کتاب میں آیا ہے اور وہ حسن (مُعَرَّف) وہ ہے جہاں اس کے ساتھ کوئی دوسری صفت مذکور نہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ترمذی بعض احادیث کو ''حسن'' بعض کو ''صحیح'' اور بعض کو ''غریب'' کہتے ہیں اسی طرح بعض احادیث کو ''حسن صحیح'' بعض کو ''حسن غریب'' اور بعض کو ''حسن صحیح غریب'' کہتے ہیں۔ نظر بریں انہوں نے جس ''حسن'' کی تعریف کی ہے اس سے مراد وہ حسن ہے جس کے ساتھ کوئی دوسری صفت مذکور نہ ہو

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۴۷

[2] التدریب ص ۵۳

Marfat.com

چنانچہ ان کی عبارت سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ امام ترمذی کتاب کے آخر میں فرماتے ہیں:

''جس حدیث کے بارے میں ہم نے اپنی کتاب میں ''حدیث حسن'' کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سند ہمارے نزدیک حسن ہے۔ جس حدیث کا راوی متہم بالکذب نہ ہو وہ کسی اور سند سے بھی مروی ہو اور شاذ بھی نہ ہو تو ہمارے نزدیک وہ حدیث حسن ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس ''حسن'' کی تعریف کی ہے جس کے ساتھ کوئی دوسری صفت مذکور نہ ہو جس حدیث کے بارے میں وہ ''حسن صحیح'' یا ''حسن غریب'' یا ''حسن صحیح غریب'' کہتے ہیں اس کی تعریف نہیں کی۔ اسی طرح جہاں وہ صرف ''صحیح'' یا ''غریب'' کہتے ہیں عام شہرت کی وجہ سے اس کو بھی نظر انداز کر دیا۔ صرف ''حسن'' کی تعریف یا تو اس لئے کی کہ یہ غامض اور دقیق ہے اور یا اس لئے کہ یہ ایک جدید اصطلاح ہے۔ اسی لئے ''عندنا'' فرمایا اور محدث خطابی[1] کی طرح اس کو دیگر علمائے حدیث کی جانب منسوب نہ کیا۔[2]

حدیث حسن لذاتہ جب کسی اور سند سے بھی مروی ہو تو وہ حسن کے درجہ سے ترقی کر کے صحیح کے درجہ پر فائز ہو جاتی ہے اس لئے کہ دونوں سندوں کے مل جانے سے حدیث پہلے کی نسبت قوی تر ہو جاتی ہے کیونکہ حدیث حسن کے راوی میں حفظ و ضبط کی کمی ہوتی ہے اگرچہ وہ راست گوئی اور عیوب کے ڈھکے چھپے ہونے میں مشہور ہوتا ہے جب اس کی روایت کردہ حدیث کسی اور سند سے بھی منقول ہو گی تو اس تائید کی وجہ سے اس میں قوت پیدا ہو جائے گی اور اس طرح راوی میں حفظ و ضبط کی جو کمی تھی اس کا

---

1. محدث خطابی کا نام حمد بفتح الحا بلا ہمزہ ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں: میں نے خطابی سے ان کا نام پوچھا تو انہوں نے کہا میرا نام حمد ہے جب لوگ عام طور سے احمد کہنے لگے تو میں نے بھی نام رہنے دیا۔ امام خطابی بہت بڑے ادیب، فقیہ اور محدث تھے۔ آپ کی کتاب معالم السنن شرح ابی داؤد چھپ چکی ہے۔ آپ نے ''اعلام السنن'' کے نام سے بخاری کی شرح بھی لکھی تھی۔ ۳۸۸ھ میں بمقام بُست وفات پائی۔ اسی لئے آپ کو بستی بھی کہا جاتا ہے۔
2. شرح نخبہ ص ۱۲

Marfat.com

ازالہ ہو جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حدیث حسن کے درجہ سے ترقی کر کے صحیح کے درجہ پر فائز ہو جائے گی۔

اس کی مثال یہ حدیث ہے:

((لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ))

''اگر مجھے اپنی امت پر تکلیف کا احساس نہ ہوتا تو ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم صادر کرتا۔''

یہ حدیث محمد بن عمرو نے ابوسلمہ سے اور انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے محمد بن عمرو حفظ وضبط میں متہم ہے اگرچہ بہت سے محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہے اس لئے کہ حدیث محمد بن عمرو کے استاد اور ان کے شیخ الشیخ سے ایک اور طریقہ سے بھی نقل کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے لوگوں نے یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے جن میں اعرج بن ہرمز اور سعید مقبری کے اسماء بھی شامل ہیں۔[1]

امام ترمذی اولین محدث تھے جنہوں نے حدیث حسن کو شہرت عطا کی تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ امام ترمذی سے پہلے محدثین کا جو طبقہ موجود تھا مثلاً امام بخاری اور امام احمد بن حنبل ان کے اساتذہ کے یہاں بھی ایسی حدیثیں موجود تھیں جن پر حدیث حسن کی صفات غالب تھیں[2] اور وہ حدیث صحیح سے فروتر اور ضعیف سے اعلیٰ وارفع تھیں جب ہم امام ذہبی کی یہ تصریح ذکر کر چکے ہیں کہ حدیث حسن صحیح کی ایک قسم ہے تو اس سے ہمیں کوئی حیرت نہیں ہوتی کہ حسن کی صفات سے متصف احادیث نہ صرف مسند احمد بلکہ صحیح بخاری تک میں موجود ہیں۔

محدث ابن الصلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حسن حدیثیں سنن ابی داؤد میں بھی موجود ہیں امام ابوداؤد سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

---

[1] التدریب ص ۵۷

[2] اختصار علوم الحدیث وشرحہ ص ۴۳

Marfat.com

''میں نے احادیث صحیحہ کے پہلو بہ پہلو وہ حدیثیں بھی اس کتاب میں درج کر دیں جو ان سے ملتی جلتی ہیں۔ جس میں زیادہ ضعف پایا جاتا تھا وہ ذکر کر دیا جس حدیث پر میں نے کوئی جرح نہیں کی وہ قابل احتجاج ہے میری کتاب میں بعض حدیثیں دوسری احادیث کی نسبت صحیح تر ہیں۔''[۱]

ابن الصلاح ابوداؤد کی مذکورہ صدر عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جو حدیث ہم ابوداؤد میں پائیں اور وہ نہ بخاری و مسلم میں موجود ہو اور نہ کسی نے اس کو صحیح قرار دیا ہو تو وہ ابوداؤد کے نزدیک حدیث حسن ہوگی۔''[۲]

محدث ابن الصلاح کا مذکورہ صدر نقد و تبصرہ ان کے اس منہج و مقصد پر مبنی ہے کہ جب کوئی حدیث بخاری و مسلم میں موجود نہ ہو اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی اس کی تصحیح نہ کی ہو تو متاخرین اس حدیث کو صحیح قرار نہیں دے سکتے۔ اسی لئے ابن الصلاح کی رائے یہ ہے کہ محدث حاکم نے جن احادیث کی تصحیح کی ہے اور دیگر محدثین سے ان کے بارے میں تصحیح یا تضعیف منقول نہیں تو ہم ان احادیث کو حسن قرار دیں گے (یعنی احادیث صحیحہ میں شمار نہیں کریں گے) بجز اس صورت کے کہ ان میں کوئی ایسی علت پائی جائے جو ان کے ضعیف ہونے کی موجب ہو۔ (تو اس صورت میں ان کو ضعیف قرار دیا جائے گا)

مگر اس ضمن میں حافظ عراقی[۳] کا زاویہ نگاہ زیادہ قرین صحت و صواب نظر آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''جو شخص اسانید و علل میں ماہرانہ بصیرت رکھتا ہو وہ کسی حدیث کی صحت یا

---

۱ التدریب ص ۵۵ نیز توضیح الافکار ج ۱ ص ۱۹۱

۲ اختصار علوم الحدیث ص ۴۴

۳ علامہ حافظ عبدالرحیم بن حسین زین الدین بغدادی عراقی۔ آپ بہت بڑے امام، قاری، فقیہ اور اصولی تھے۔ آپ شافعی المذہب تھے۔ علوم الحدیث پر آپ نے بہت سی کتب تصنیف کیں۔ آپ کا الفیہ مشہور ہے۔ ۸۰۶ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

ضعف کا حکم صادر کر سکتا ہے۔"[۱]

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ[۲] نے اپنی کتاب "مصابیح السنۃ" میں صحیح اور حسن احادیث میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے ایک خاص اصطلاح مقرر کی ہے۔ چنانچہ وہ صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کی نقل کردہ حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں جس حدیث کو ترمذی' ابوداؤد اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہو اس کو حسن کہتے ہیں۔ اکثر علماء نے اس پر اعتراض کیا ہے ان کے خیال میں اس اصطلاح کا سبب جواز کچھ نہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ بقول امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مصابیح السنۃ میں منکر روایات بھی موجود ہیں جن کی روایت ایسے راویوں نے کی ہے جو عادل و ضابط نہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی روایت میں منفرد بھی ہیں۔[۳]

حدیث کے القاب عامہ جن میں صحیح و حسن سب شامل ہیں

جب ناقدین حدیث کسی حدیث کو صحیح یا حسن کہتے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ چند اور القاب سے بھی یاد کرتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حدیث قابل احتجاج ہے۔ مثلاً حدیث مقبول کو مندرجہ ذیل القاب سے بھی ملقب کیا جاتا ہے:

جید' مجود' قوی' ثابت' محفوظ' معروف' صالح' مستحسن

کچھ یوں نظر آتا ہے کہ مندرجہ بالا القاب میں محدثین کی اصطلاح کی نسبت لغوی مفہوم کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ پہلے چار الفاظ میں تعبیر و بیان کا تنوع خصوصی طور سے نمایاں ہے۔ اس کی تائید امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"زہری کی سالم اور سالم کی اپنے والد سے روایت اجود الاسانید ہے۔"

مذکورہ صدر قول میں امام احمد نے متعارف لفظ "اصح الاسانید" کے بجائے "اجود الاسانید" فرمایا۔[۴] ابن الصلاح اور امام حاکم نے یہ عبارت امام احمد سے نقل کی ہے۔

۱۔ الباعث الحثیث ص ۲۹

۲۔ حافظ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی ۵۱۶ھ

۳۔ التدریب ص ۵۵

۴۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۴۔ ان القاب پر لغوی مفہوم کے غلبہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے ←

Marfat.com

اس سے بعض علماء نے یہ نتیجہ نکالا کہ ابن الصلاح ''جید'' اور ''صحیح'' میں فرق نہیں کرتے بلکہ ان کو مساوی قرار دیتے ہیں۔[۱]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات اپنے مشہور الفاظ ''حَسَنٌ صَحِیْحٌ'' کے بجائے ''ھٰذَا حَدِیْثٌ جَیِّدٌ حَسَنٌ'' کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ خاص حدیث امام ترمذی کی نگاہ میں حسن لذاتہ کے درجہ سے ارفع ہوتی ہے البتہ انہیں اس امر میں شبہ لاحق ہوتا ہے کہ آیا وہ حدیث صحیح کے درجہ پر فائز ہے یا نہیں۔ تو گویا وہ حدیث حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہوتی ہے۔ نظر بریں جید کا لفظ تصحیح و حسن دونوں کو شامل ہے۔

کچھ یوں نظر آتا ہے کہ مندرجہ ذیل عبارت میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جانب اشارہ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''علمائے کبار جب حدیث صحیح کے بجائے ''جید'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو یہ بلاوجہ نہیں ہوتا بلکہ کسی نکتہ پر مبنی ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ مخصوص حدیث محدث کے نزدیک حسن لذاتہ سے بلندتر درجہ کی ہو۔ مگر اس کا صحیح ہونا مشتبہ ہو۔ اس لئے جید کا مقام و مرتبہ صحیح سے بہرحال کم ہے۔ قوی کی اصطلاح کا بھی یہی حال ہے۔''[۲]

ہم نے مذکورہ صدر عبارت میں ''قوی'' کا جو لفظ نقل کیا ہے اس سے اس جانب اشارہ کرنا مقصود ہے کہ امام سیوطی جودت (عمدگی) اور قوت میں کوئی فرق و امتیاز روا

← کہ محدثین اپنی پسندیدہ روایات کو ''جیاد الاحادیث و عیونھا'' کہتے تھے [الجامع ج ۷ ص ۱۲۷] بعض محدثین کہتے ہیں ''لا حدیث اجود من ھذا'' [الجامع ج ۷ ص ۱۳۴] بعض محدثین پسندیدہ افکار و آراء کے بارے میں کہتے ہیں: ''ھٰذَا جَیِّدٌ حَسَنٌ'' [توضیح الافکار ج ۱ ص ۲۲۷] حالانکہ تدلیس کا شمار ضعف حدیث کے اسباب میں ہوتا ہے محدثین اس میں بھی جید وغیرہ ایسے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔ جب کوئی راوی ضعیف راویوں کو ساقط کر دیتا تو وہ کہتے ''جَوَّدَ السَّنَدَ'' [توضیح الافکار ص ۶۱]

۱ التدریب ص ۵۸

۲ حوالہ مذکور

Marfat.com

نہیں رکھتے۔ نظر بریں ہم ''تجوید'' اور ''جودت'' اور ثبوت وقوت کے درمیان کوئی فرق و امتیاز قائم نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ یہ سب حدیث مقبول کے اوصاف ہیں۔ خواہ وہ حدیث صحیح ہو یا حسن کے درجہ کی ہو۔

ہم حدیث صحیح وحسن کی تعریف میں بتا چکے ہیں کہ وہ دونوں شذوذ سے پاک ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی نہ منکر ہوتی ہے نہ شاذ۔ بلکہ ان کو محفوظ اور معروف کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث صحیح وحسن کے راوی کی زیادت مقبول ہوتی ہے بشرطیکہ وہ ثقہ تر راوی کی روایت کے خلاف نہ ہو۔ اگر وہ ارجح روایت کے خلاف ہو تو راجح کو محفوظ اور مرجوح کو شاذ کہیں گے۔ اور اگر ایک ضعیف حدیث دوسری ضعیف حدیث کے خلاف ہو تو راجح کو معروف اور مرجوح کو منکر کہا جائے گا۔''[1]

حدیث صحیح وحسن کو ''صالح'' کہنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ روایت صالح الاحتجاج ہے جس طرح محدثین سنن ابوداؤد کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی روایات ''صالح'' ہیں کیونکہ ان میں صحیح وحسن ہر قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔[2]

جب محدثین کسی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ''مستحسن'' (پسندیدہ) ہے[3] تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حدیث حسن اصطلاحی ہے۔ بلکہ اس میں صحیح و حسن دونوں کا احتمال ہوتا ہے اس لئے کہ حسن جودت (عمدگی) کو کہتے ہیں اور استحسان (پسندیدگی) کے معنی ہیں استجادہ (کسی چیز کی عمدگی اور خوبصورتی کی طلب و تلاش) محدثین کا انداز تعبیر بہت نازک اور دقیق ہوا کرتا تھا۔ یہ بات عوام میں نہیں پائی جا سکتی۔

1۔ شرح نخبہ ص ۱۲۔۱۴ نیز الفیہ سیوطی برحاشیہ ص ۹۳

2۔ بعض اوقات ''صالح'' کا اطلاق ایسی ضعیف حدیث پر بھی کیا جاتا ہے جو کسی حد تک قابل قبول ہو [التدریب ص ۵۸]

3۔ الجامع ج ۷ ص ۱۳۵

Marfat.com

محدث علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہم سفیان بن عیینہ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث سنائی۔ ایک آدمی نے کہا یہ حدیث کس قدر خوبصورت ہے؟ سفیان نے کہا ''آپ نے یوں کیوں نہ کہا کہ یہ حدیث جواہر موتیوں اور یاقوت بلکہ سب دنیا سے زیادہ خوبصورت ہے۔''[1]

حدیث صحیح وحسن میں جو مباحث مشترک ہیں ان میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ جب ہم کسی سند پر صحیح یا حسن ہونے کا حکم لگاتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کا متن بھی اسی صفت سے موصوف ہے۔ بخلاف ازیں ہو سکتا ہے کہ اس کا متن شاذ یا معلل ہو۔ یہ بات ہم حدیث صحیح کی بحث میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اس کے دہرانے سے مقصود آپ کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا ہے کہ حدیث حسن وصحیح میں کس حد تک یک رنگی وہم آہنگی پائی جاتی ہے ہم محدثین کا مقیاس ومعیار بھی پیش کرنا چاہتے ہیں جو اس راہ پر گامزن ہوتے ہیں کہ منڈی میں پیش کرنے سے پہلے جواہرات کو جانچا پرکھا جائے اور ظاہری شکل وصورت سے پہلے باطنی اوصاف کو دیکھا جائے۔

محدثین کا قول ہے:

''جو حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہو ضروری نہیں کہ اس کا متن بھی صفت صحت سے موصوف ہو۔''[2]

---

[1] الجامع، ج ۷ ص ۱۳۵

[2] توضیح الافکار ج ۱ ص ۱۹۳ نیز اختصار علوم الحدیث ص ۴۶

Marfat.com

فصل: ۴

حدیث ضعیف

حدیث کی تیسری قسم حدیث ضعیف ہے' اس کی بہترین تعریف مندرجہ ذیل ہے:

((مَا لَمْ يَجْتَمِعْ فِيْهِ صِفَاتُ الصَّحِيْحِ وَلَا صِفَاتُ الْحَسَنِ[1]))

''ضعیف حدیث وہ ہے جس میں حدیث صحیح و حسن کی صفات نہ پائی جاتی ہوں۔''

بعض علماء کا قول ہے کہ حدیث صحیح و حسن کی صفات کے فقدان کی بناء پر حدیث ضعیف کی عقلی اعتبار سے ۳۸۱ صورتیں بن سکتی ہیں لیکن ان میں سے اکثر صورتیں موجود نہیں اور اس لئے غیر واقعی ہیں۔ علاوہ ازیں محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث کے اقسام میں ان کا کوئی اصطلاحی نام معین نہیں ہے۔[2]

محدث ابن الصلاح کا خیال ہے کہ حدیث ضعیف کی وقوع پذیر قسمیں ۴۲ سے زیادہ نہیں ہیں۔ ابن الصلاح نے ان کی وضاحت کی ہے اور ان کی تخریج کا طریقہ بھی بتایا ہے' حافظ عراقی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے مگر ہم صرف انہی اقسام کا ذکر کریں گے جن کا کوئی خاص نام ہے' ضعف حدیث کی جس حالت کا کوئی جداگانہ نام نہیں ہے ہم اس کی طرف صرف اجمالی اشارہ کریں گے۔

حدیث ضعیف کی اقسام

۱ مرسل

حدیث مرسل کی مشہور تعریف یہ ہے:

۱۔ التدریب ص ۵۹

۲۔ اس تقسیم کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں ''تَعَبٌ لَيْسَ وَرَاءَهُ أَرَبٌ'' (یہ ایک عبث تھکان ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں) [الفیہ سیوطی حاشیہ ص ۵۸]

Marfat.com

''مرسل وہ حدیث ہے جس سے صحابی کا نام ساقط ہو گیا ہو۔''

مثلاً نافع کہتے ہیں:

((قال رسول الله ﷺ کذا' اوفعل کذا' او فعل بحضرته کذا))[1]

''آپؐ نے یوں فرمایا' یا یوں کہا' یا آپ کی موجودگی میں اس طرح کیا گیا''

حالانکہ نافع تابعی ہیں۔ گویا اس حدیث میں صحابی کا نام مذکور ہی نہیں۔

اس اعتبار سے مرسل حدیث مرفوع تابعی ہوتی ہے۔ خواہ تابعی چھوٹی عمر کا ہو یا بڑا ہو۔[2]

مرسل حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اتصال نہیں ہوتا۔ اس کو مرسل اس لئے کہتے ہیں کہ حدیث کا راوی اس کو مطلق (بلا قید) چھوڑ دیتا ہے اور اس صحابی کا ذکر نہیں کرتا جس نے اس کو نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔[3]

حدیث مرسل حجت نہیں

حدیث مرسل دین میں حجت نہیں ہے۔ حدیث نبوی کے حفاظ و نقاد کی آخری و حتمی رائے یہی ہے اور اسی فیصلہ کو انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔[4]

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

''ہمارے اور محدثین کے قول کے مطابق مرسل حجت نہیں ہے۔''

اکثر علماء مراسیل صحابہ کو ضعیف نہیں سمجھتے اور ان سے احتجاج کرتے ہیں۔ اس لئے کہ جو صحابی روایت کرتا ہے اس نے وہ حدیث براہ راست نبی اکرم ﷺ سے نہیں سنی بلکہ کسی اور صحابی سے سنی اور اس صحابی نے براہ راست آپ ﷺ سے اخذ کی۔ بنا بریں سند سے صحابی کے ساقط ہو جانے سے حدیث کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ جس طرح

---

1. قواعد التحدیث ص ۱۱۴
2. شرح نخبہ ص ۱۷
3. توضیح الافکار ۱ ص ۲۸۴
4. اختصار علوم الحدیث ص ۵۲

Marfat.com

صحابی کے مجہول الحال ہونے سے حدیث کی صحت بدستور رہتی ہے۔ اس لئے کہ صحابی ہونے کے اعتبار سے جو شرف وعظمت اس کو حاصل ہے وہ اس کی تعدیل کے لئے کافی ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تدریب الراوی میں رقم طراز ہیں:

''بخاری ومسلم میں لاتعداد مراسیل صحابہ موجود ہیں۔ اس لئے کہ اکثر روایات صحابہ سے منقول ہیں۔ اور صحابہ سب عدول ہوتے ہیں۔ صحابہ کے علاوہ دوسروں کی مرویات شاذ ونادر ہیں جب صحابہ کے علاوہ کسی اور سے روایت کرتے ہیں تو وہ ذکر کر دیتے ہیں کہ یہ حدیث صحابہ کے علاوہ دوسروں سے منقول ومروی ہے صحابہ نے تابعین سے جو روایات بیان کی ہیں وہ مرفوع احادیث نہیں بلکہ اسرائیلیات قصے کہانیاں یا موقوف روایات ہیں۔''[1]

حقیقت یہ ہے کہ مراسیل صحابہ سے انکار کرنا بہت مشکل کام ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اکثر روایات مرسل ہیں کیونکہ عہد رسالت میں ان کی عمر چھوٹی تھی۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے تشریف لے گئے تو ابن عباس کی عمر اس وقت تیرہ سال سے زیادہ تھی۔[2]

حدیث مرسل کے مختلف مراتب ہیں۔ سب سے اعلیٰ مرسل حدیث وہ ہے جس کو ایسا صحابی مرسل بیان کرے جس کا سماع آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔ ان کے بعد اس صحابی کی مرسل کا درجہ ہے جس نے آپ کو دیکھا ہو مگر سماع ثابت نہ ہو۔ پھر مُخَضرَم

---

[1] التدریب ص ۱۷ نیز شرح التنقیح للقرافی ص ۱۶۴ مطبع الخیریہ ۱۳۰۶ھ قاہرہ۔ ابن الصلاح کا قول ہے کہ صحابہ ایک دوسرے سے مرسل روایتیں بیان کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ صحابہ کی اکثر روایات ایسی ہوتی ہیں سب کی سب نہیں۔ دیکھئے توضیح الافکار ج ۱ ص ۳۱۷۔ بعض علماء مراسیل صحابہ میں تشدد سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس تعبیر وبیان میں مجاز سے کام لیا جاتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں صحابہ کی کوئی روایت مرسل ہے ہی نہیں [توضیح الافکار ج ۱ ص ۲۹۵]۔

[2] توضیح ج ۱ ص ۲۹۱۔ بعض علماء نے سہل انگاری سے کام لیا ہے۔ وہ معتبر ائمہ حدیث کی مراسیل کو بھی قبول کرتے ہیں [توضیح' ج ۱ ص ۲۸۷]

Marfat.com

(وہ صحابی جس نے کفر و اسلام کے دونوں زمانے دیکھے ہوں) صحابی کی مرسل روایات۔
اس کے بعد ثقہ تابعین مثلاً سعید بن مسیب کی روایات۔ پھر ان راویوں کی روایات جو ایسے اساتذہ وشیوخ کا انتخاب بڑی سوچ و بچار کے بعد کرتے ہوں' مثلاً شعبی اور مجاہد' اس کے بعد ان راویوں کی مرسل روایات ہیں جو کسی سے روایت اخذ کرتے ہیں' مثلاً حسن بصری' جہاں تک کم عمر تابعین کا تعلق ہے مثلاً قتادہ' زہری' حُمید الطویل' یہ زیادہ تر تابعین سے روایت کرتے ہیں۔[1]

حدیث مرسل جب ثقہ راویوں سے سنداً نقل کی گئی ہو تو اس میں قوت آ جاتی ہے اور اسکی صحت واضح ہو جاتی ہے کیونکہ اس وقت دو صورتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ (۱) صورت ارسال' (۲) صورت اسناد۔ جب کوئی دوسری حدیث مسند ان دونوں سے معارض ہو گی تو ان کو راجح قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ مرسل ایسی مسند سے مل کر قوت حاصل کر لیتی ہے جو اپنے آخری نقطہ تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔[2]

۲ منقطع

حدیث منقطع کی شہرہ آفاق تعریف یہ ہے:

اَلْحَدِیْثُ الَّذِیْ سَقَطَ مِنْ اَسْنَادِہٖ رَجُلٌ اَوْ ذُکِرَ فِیْہِ رَجُلٌ مُّبْھَمٌ۔[3]

"منقطع وہ حدیث ہے جس کی سند سے کوئی راوی ساقط ہو' یا اس میں کوئی مبہم راوی ذکر کیا گیا ہو۔"

حدیث منقطع اس لئے ضعیف ہوتی ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہوتی۔ گویا اس اعتبار سے یہ حدیث مرسل کی طرح ہوتی ہے۔

---

[1] قواعد التحدیث ص ۱۲۵۔ ۱۲۶ بحوالہ فتح المغیث للسخاوی برحاشیہ الفیہ عراقی طبع دہلی۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو تابعین صغار میں شمار کرنا درست نہیں۔ اس لئے کہ وہ تیرہ صحابہ سے مل چکے تھے ابن خلکان کہتے ہیں کہ "زہری نے دس صحابہ کو دیکھا تھا۔" [التوضیح ج ا ص ۲۸۸]

[2] التوضیح ج ا ص ۲۸۹

[3] اختصار علوم الحدیث ص ۵۳

Marfat.com

سقوط راوی کی مثال وہ حدیث ہے جسے عبد الرزاق نے ثوری سے' انہوں نے ابواسحاق سے' انہوں نے زید سے اور انہوں نے حذیفہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اگر تم ابو بکر کو خلیفہ بنا دو تو وہ قوی بھی ہے اور امانت دار بھی۔"

اس حدیث کی اسناد میں ثوری اور ابواسحاق کے درمیان ایک راوی شریک نامی گر گیا ہے۔ اس لئے کہ ثوری نے براہ راست ابواسحاق سے نہیں سنا بلکہ شریک سے سنا اور شریک نے یہ حدیث ابوسحاق سے سنی۔

حدیث میں مبہم راوی مذکور ہونے کی مثال حدیث نبوی:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ"

یہ حدیث ابوالعلاء بن عبد اللہ نے دو آدمیوں سے روایت کی اور انہوں نے شداد بن اوس سے۔[1]

اب سوال یہ ہے کہ یہ دو آدمی کون ہیں؟ بظاہر یہ دونوں مبہم آدمی ہیں اس بات پر محدثین کا اتفاق ہے کہ یہاں دو آدمی مبہم ہیں بعض روایات میں ایک راوی مبہم ہوتا ہے اس وقت صرف یہ بتانا پیش نظر ہے کہ سند کے کسی حصہ میں بعض اوقات کوئی مبہم راوی بھی ہوتا ہے۔

بعض اوقات کسی حدیث میں کوئی راوی ایسا بھی ہوتا ہے جس کا نام مذکور نہیں ہوتا اور وہ حدیث منقطع بھی نہیں ہوتی اس کی مثال یہ حدیث ہے کہ:

((حَدَّثَنَا شَیْخٌ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ))۔

"ہمیں ایک شیخ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث سنائی۔"

ظاہر ہے کہ شیخ کسی آدمی کا نام نہیں۔ حدیث کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ آدمی کو اختیار دیا جائے گا کہ یا تو وہ عجز و تقصیر کا اعتراف کرے اور یا گناہ کا مرتکب ہو۔ جس کی زندگی میں یہ زمانہ آجائے وہ عجز و تواضع کو اختیار کرے اور گناہ کا مرتکب ہونے سے بچے۔"

جس آدمی کو اس روایت میں شیخ کہا گیا ہے دوسری روایت میں اس کا نام ابوعمرو

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۵۴ نیز معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۲۷

Marfat.com

جدلی مذکور ہے۔ منقطع کی اس قسم کی پہچان بہت دشوار ہے بہت بڑا حافظ اور متبحر عالم حدیث ہی اس کو پہچان سکتا ہے۔[1]

حدیث منقطع اور مرسل سبب ضعف کے اعتبار سے باہم مشابہ و مماثل ہیں ان دونوں میں ضعف کا سبب اتصال کا فقدان ہے۔ بنا بریں خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الکفایہ فی علم الروایہ'' میں فرماتے ہیں:

''حدیث منقطع مرسل کی مانند ہے مگر یہ اصطلاح وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں تابعی سے نچلے درجہ کا راوی صحابہ سے روایت کرے مثلاً امام مالک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کریں۔ یا سفیان ثوری جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یا شعبہ بن حجاج انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے' وغیر ذالک۔''[2]

جس غالب استعمال کی جانب خطیب بغدادی نے مذکورہ صدر عبارت میں اشارہ کیا ہے وہ منقطع کی اس تعریف سے میل نہیں کھاتا جو ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں ہم نے جو تعریف ذکر کی ہے وہ ایک خاص اصطلاح ہے جس میں ایک ایسے وصف کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو اکثر احادیث منقطعہ میں پایا جاتا ہے۔

۳ مُعْضَل

معضل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں دو یا دو سے زیادہ راوی پے در پے ساقط ہو گئے ہو۔[3] معضل کی پہچان منقطع سے بھی زیادہ دشوار ہے۔ کیونکہ منقطع کی نسبت اس میں زیادہ اخفاء و ابہام پایا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کو معضل (دشوار۔ مشکل) کہتے ہیں۔[4]

حدیث معضل کو منقطع کی ایک خاص قسم سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ ہر معضل

---

۱ معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۸

۲ الکفایہ ص ۲۱

۳ التدریب ص ۷۳۔ اگر راوی پے در پے ساقط نہ ہوئے ہوں تو اس کو منقطع کہتے ہیں جیسا کہ ہم قبل ازیں دو مبہم راویوں کی شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت میں دیکھ چکے ہیں۔ [شرح نخبہ ص ۱۸]

۴ توضیح الافکار ج ۱، ص ۳۲۷

Marfat.com

حدیث منقطع ہوتی ہے مگر ہر منقطع معضل نہیں ہوتی۔[۱] اس کے ضعف کا سبب فقدان اتصال ہے۔ مرسل و منقطع کے ضعیف ہونے کا سبب بھی یہی ہے۔

معضل کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ اتباع تابعین میں سے کوئی مرسلا روایت کرے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اعمش شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ''آدمی سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں کام کئے؟ وہ کہے گا ''نہیں'' پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔

یہ روایت اس لیے معضل ہے کہ شعبی نے انس سے روایت کی اور انس نے نبی کریم ﷺ سے۔ تو گویا اعمش نے انس رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ کو سند سے ساقط کر کے حدیث کو معضل بنا دیا۔[۲]

حدیث معضل کی حالت منقطع سے زیادہ خراب ہوتی ہے اسی طرح منقطع کا درجہ مرسل سے فروتر ہوتا ہے اور ادھر مرسل کا یہ حال ہے کہ اسے قابل احتجاج نہیں سمجھا جاتا۔ مگر معضل اس صورت میں منقطع سے فروتر ہوتی ہے جب انقطاع سند کے صرف ایک حصہ میں ہو۔ جب انقطاع سند کے دو یا دو سے زیادہ جگہوں میں ہو تو وہ معضل کے برابر ہوتی ہے۔[۳]

۴ مُدَلَّس

حدیث مدلس کی دو قسمیں ہیں:[۴]

مدلس الاسناد

یہ وہ حدیث ہے جو راوی ایسے شخص سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر ہو اور اس سے مل چکا ہو مگر اس سے اس کا سماع ثابت نہ ہو۔ یا ایسے ہم عصر سے روایت کرے

---

۱ کتاب مذکور ج ۱۔ ص ۳۲۴

۲ اختصار علوم الحدیث ص ۵۵

۳ التوضیح ج ۱ ص ۳۲۹

۴ التوضیح ج ۱ ص ۱۱۱۔۱۱۲

Marfat.com

جسے ملا نہ ہو مگر دوسرے کو یہ تاثر دے کہ اس نے اپنے معاصر سے سن کر یہ روایت بیان کی ہے۔

اس کی مثال علی بن خشرم کا یہ قول ہے:

''ہم سفیان بن عیینہ کے یہاں حاضر تھے۔ سفیان نے کہا ''زہری نے یوں فرمایا۔'' سفیان سے پوچھا گیا ''کیا آپ نے زہری سے سنا ہے؟'' سفیان نے کہا ''مجھے عبدالرزاق نے بتایا' اس نے معمر سے سنا اور معمر نے زہری سے سنا۔''[1]

مذکورہ صدر اسناد میں سفیان زہری کے ہمعصر تھے اور ان سے مل چکے تھے مگر انہوں نے زہری سے کوئی روایت نہیں سنی۔ بخلاف ازیں سفیان نے یہ روایت عبدالرزاق سے سنی' عبدالرزاق نے معمر سے اور معمر نے زہری سے اخذ کی۔ بنا بریں اس سند میں تدلیس یہ ہے کہ سفیان نے عبدالرزاق اور معمر دونوں کا نام حذف کر دیا اور ایسے الفاظ سے روایت کی جن سے متوہم ہوتا ہے کہ انہوں نے براہ راست یہ حدیث زہری سے سنی۔

یہ تدلیس کی نہایت بدترین قسم ہے اور صریح دروغ گوئی پر مبنی ہے۔ شعبہ فرماتے ہیں:

''میں تدلیس کا مرتکب ہونے کی نسبت زنا کاری کو ترجیح دیتا ہوں۔''[2]

مزید فرماتے ہیں:

''تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے۔''[3]

جو راوی ایک دفعہ بھی تدلیس کا ارتکاب کرتا تو امام شافعی رحمہ اللہ اس کی روایت کو رد کر دیتے۔ مگر اکثر علماء کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ جو راوی تدلیس کی جانب منسوب ہو وہ جس

---

۱ اختصار علوم الحدیث ص ۵۸

۲ التوضیح ج ۱ ص ۳۶۶

۳ الباعث الحثیث ص ۵۸

Marfat.com

روایت میں سماع کی تصریح کرے وہ روایت قبول کی جائے گی۔ اور جو روایت مبہم ہوگی اس کو رد کر دیا جائے گا۔[1]

امام حاکم نے ان بلاد و امصار کا اچھی طرح جائزہ لیا ہے جن کے رہنے والے تدلیس کے مرض میں مبتلا تھے ان کا خیال ہے کہ حجاز' حرمین' مصر' عوالی' خراسان' اصبہان' بلاد فارس' خوزستان اور ماوراء النہر کے باشندوں میں سے کوئی بھی تدلیس میں معروف نہیں ہے۔ کوفہ مدلسین کا مرکز و مامن تھا۔ باغندی اولین شخص تھا جس نے تدلیس کو رواج دیا۔[2]

۲۔ تدلیس الشیوخ

تدلیس الشیوخ سے مراد یہ ہے کہ راوی بڑھا چڑھا کر اپنے شیخ کے القاب بیان کرے یا کنیت کے بغیر اس کا نام ذکر کرے اور مقصد یہ ہو کہ اس کی پہچان نہ ہو سکے۔ مثلاً یوں کہے:

"یہ حدیث مجھے فلاں علامہ امام ضابط اور حافظ نے سنائی۔"

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو ابوبکر بن مجاہد المقری نے ابوبکر بن ابی داؤد سے روایت کی۔ اس نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن ابی عبداللہ نے حدیث سنائی' اس نے ابوبکر محمد بن حسن نقاش مفسر سے سنا اس نے کہا ہمیں محمد بن سند نے بتایا۔

اس اسناد میں راوی کے والد کے بجائے اس کی نسبت اس کے دادا کی طرف کر دی گئی ہے حالانکہ اس کی نسبت والد کی جانب مشہور تر ہے۔[3]

ابن الصلاح کا خیال ہے کہ خطیب بغدادی کی تصانیف میں تدلیس کی یہ دوسری قسم پائی جاتی ہے۔[4] ابن الصلاح نے اس کی چند مثالیں بھی بیان کی ہیں۔ مثلاً خطیب

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۵۸

[2] معرفۃ علوم الحدیث' ص ۱۱۱-۱۱۲

[3] اختصار علوم الحدیث ص ۵۹

[4] التوضیح ج ۱' ص ۳۶۰

Marfat.com

اپنی تصانیف میں ابو القاسم ازہری سے روایت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ عبید اللہ بن ابی الفتح الفاسی اور عبید اللہ بن احمد بن عثمان الصیرفی سے بھی حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تینوں ایک ہی شخص کے نام ہیں اور تین جداگانہ آدمیوں کے نام نہیں ہیں۔

اسی طرح خطیب حسن بن محمد خلال اور حسن بن ابی طالب اور ابو محمد خلال سے بھی روایت کرتے ہیں۔ یہ تینوں ایک ہی شخص کے نام ہیں۔

خطیب ابو قاسم التنوخی اور علی بن محسن اور قاضی ابو قاسم علی بن محسن التنوخی اور علی بن ابی علی المعدل سے روایت کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک ہی شخصیت کے چاروں نام ہیں۔

ہماری نگاہ میں خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند ہے کہ آپ کا مقصد اپنے شیخ کی شخصیت کو چھپانا ہو۔ مگر ہم اس امر پر اپنی حیرت کو چھپا نہیں سکتے کہ آخر انہوں نے ایسے نام کیوں ذکر کیے جن سے شیخ کی شخصیت کا پوری طرح اظہار نہیں ہوتا؟ حالانکہ یہ ایک شخصیت کے سب نام ہیں اور محدث مذکور جانتے بھی ہیں کہ یہ ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ بخلاف ازیں بہت سے لوگوں کو یہ بات معلوم بھی نہیں کہ یہ ایک شخص کے متعدد نام ہیں یا ان کی شخصیات متعدد ہیں۔

تدلیس العطف

بعض علماء نے تدلیس کو متعدد انواع میں تقسیم کر دیا ہے جن میں سے ایک تدلیس العطف بھی ہے۔ مثلاً راوی کہے "حَدَّثَنَا فُلَانٌ وَّ فُلَانٌ" حالانکہ اس نے اس دوسرے شخص سے کچھ بھی نہ سنا ہو جس کا ذکر وہ واؤ عطف کے بعد بصورت معطوف کرتا ہے۔[1]

تدلیس السکوت

تدلیس سکوت کا مطلب یہ ہے کہ راوی کہے "سَمِعْتُ" یا "حَدَّثَنَا" یا "حَدَّثَنِیْ"

1. الباعث الحثیث ص ۶۰

Marfat.com

اس کے بعد تھوڑی دیر خاموش رہے پھر کہے "اَعْمَشُ" اس سے سننے والا یہ تاثر لے گا کہ اس نے اعمش سے سنا' حالانکہ یہ درست نہیں۔

تدلیس تسویہ

تدلیس تسویہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی راوی کے شیخ کا نام اسلئے ذکر نہ کیا جائے کہ وہ ضعیف یا صغیر السن ہے۔ اس کے بجائے یہ ظاہر کیا جائے کہ یہ حدیث صرف ثقات سے مروی ہے تا کہ اسے صحیح اور مقبول قرار دیا جائے۔ یہ تدلیس کی بدترین قسم ہے کیونکہ اس میں شدید ترین دھوکہ پایا جاتا ہے۔

ولید بن مسلم اس قسم کی تدلیس میں مشہور تھے چنانچہ وہ اوزاعی کے ضعیف شیوخ کو حذف کر کے صرف ثقات کا نام ذکر کرتے جب اس ضمن میں ولید سے سوال کیا گیا تو اس نے کہا "اوزاعی کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند ہے کہ وہ ایسے ضعیف راویوں سے حدیث روایت کریں۔"

پھر ولید سے کہا گیا "جب اوزاعی ان ضعیف راویوں سے منکر روایتیں نقل کریں اور آپ ان کو حذف کر کے ان کی جگہ ثقہ راویوں کے نام ذکر کر دیں تو پھر اوزاعی کو ضعیف راوی قرار دینا چاہیے۔" ولید نے یہ سن کر کچھ جواب نہ دیا۔

مدلسین کے الفاظ ان کے خبث باطن کی غمازی کرتے ہیں۔ مثلاً بعض مدلسین اپنے شیخ کی تعظیم کے لئے ایک مبہم اور متشابہ لفظ بولتے ہیں اور اس طرح کسی شہر یا قبیلہ کی عظمت و فضیلت کے پردہ میں شیخ کی عظمت جتانا چاہتے ہیں مثلاً ایک مصری شخص کہے کہ "حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ بِالْاَنْدُلُسْ" (مجھے اندلس کے فلاں شخص نے حدیث سنائی) اور اندلس سے مراد وہ مقام ہو جو "القرافہ" میں واقع ہے یا "زقاق حلب" کہے اور قاہرہ کی ایک جگہ مراد لے۔ یا ایک بغدادی شخص کہے "حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ بِمَاوَرَاءَ النَّهْرِ" (یعنی ماوراء النہر کے شخص نے مجھے حدیث سنائی) اور اس سے مراد یہ لے کہ دریائے دجلہ[1] کے پار اس نے مجھے حدیث سنائی۔

---

[1] ماوراء النہر کے بارے میں سمعانی کا واقعہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

Marfat.com

یا یوں کہے کہ ”رقہ“ میں مجھے حدیث سنائی اور رقہ (ایک شہر کا نام) سے دریائے دجلہ کے کنارہ پر ایک باغ مراد لے۔ یا دمشق کا رہنے والا یوں کہے کہ ”مجھے فلاں شخص نے کرک میں حدیث سنائی“ اور کرک سے ”کرک نوح“ مراد لے جو دمشق کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔

ان تمام الفاظ سے سامع کے ذہن میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ شخص طلب حدیث میں کافی سفر و سیاحت کر چکا ہو گا حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس طمع سازی اور دجل وفریب کو ”تدلیس البلاد“ سے تعبیر کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ ”تدلیس الشیوخ“ سے ملتی جلتی ایک اصطلاح ہے۔[1]

بعض تدلیس پیشہ محدثین تدلیس میں لطف و لذت محسوس کرتے تھے انہیں مذاق کا یہ انداز بڑا پسند آتا تھا کہ سہل انگاری سے ایک مبہم روایت بیان کرتے پھر اس پر ندامت کا اظہار کرنے لگتے۔ ہُشیم بن بشیر[2] سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو تدلیس پر کیا چیز آمادہ کرتی ہے؟ ہشیم نے کہا ”تدلیس میں بڑی لذت ہے۔“[3]

ایک روز ہشیم کے تلامذہ نے اتفاق کیا کہ ان کی تدلیس کو قبول نہیں کریں گے ہشیم کو پتہ چل گیا وہ جو حدیث بھی ذکر کرتا اس کی سند یوں بیان کرتا:

”مجھے حصین اور مغیرہ نے ابراہیم سے حدیث سنائی۔“

جب فارغ ہوا تو پوچھا کیا آج میں نے تدلیس سے کام لیا یا نہیں؟ وہ کہنے لگے

---

[1] التوضیح ج ۱ ص ۳۷۲

[2] ہشیم بن بشیر بہت بڑے حافظ تھے۔ ہشیم نے امام زہری، عمرو بن دینار، منصور بن زاذان، حصین بن عبدالرحمٰن، ابو بشر ایوب سختیانی اور بہت سے لوگوں سے حدیثیں سنیں۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

”ہشیم کے حافظ ہونے میں شبہ کی مجال نہیں۔ البتہ اس میں تدلیس کا عیب پایا جاتا تھا۔ اس نے ایسے لوگوں سے روایت کی جن سے اس کا سماع ثابت نہیں۔“

ہشیم نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی [تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۴۸]

[3] الکفایہ ص ۳۶۱

Marfat.com

"نہیں"، ہشیم نے کہا "میں نے جو حدیثیں ذکر کیں ان میں سے مغیرہ سے ایک حرف بھی نہیں سنا میں نے یوں ہی بلا سماع مغیرہ کا نام ذکر کر دیا تھا۔"[۱]

مذکورہ صدر واقعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ہشیم نے محسوس کر لیا تھا کہ تدلیس کا مذاق کرنے کی کچھ حدود ہیں اسی لئے اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے یہ روایتیں مغیرہ سے نہیں سنیں۔

مدلسین عام طور سے تدلیس کا اعتراف کر لیا کرتے تھے خصوصاً جب کہ کوئی شخص ان کے اس عیب کا کھوج لگانے میں کامیاب ہو جاتا۔[۲] اکثر یوں ہوتا کہ تدلیس پیشہ محدثین اپنی مبہم عبارتوں سے رجوع کر کے اپنے حقیقی سماع کی تصریح صاف صاف لفظوں میں کر دیا کرتے تھے اور لوگوں کو تدلیس پر مبنی احادیث روایت کرنے سے روک دیتے۔

علی بن خشرم کہتے ہیں "ہم ابن عیینہ[۳] کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے زہری سے حدیث بیان کی تو کسی نے پوچھا "کیا زہری نے خود تمہیں حدیث سنائی تھی؟" علی بن خشرم نے کہا "میں نے زہری سے سنا اور نہ اس شخص سے جس نے زہری سے براہ راست سنا ہو۔ یہ حدیث مجھے عبدالرزاق نے معمر سے اور معمر نے زہری سے سن کر بتائی تھی۔"[۴]

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۵ نیز التدریب ص ۷۹۔ اس قسم کی تدلیس کو "تدلیس العطف" کہتے ہیں جیسا کہ قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں۔ ہشیم نے مذکورہ صدر عبارت میں "حدثنی حصین و مغیرة" کہا حالانکہ اس نے مغیرہ سے ایک حرف بھی نہیں سنا۔ البتہ حصین نے مغیرہ سے بہت حدیثیں سنیں۔ حصین سے یہاں حصین بن عبدالرحمٰن مراد ہے۔ سیوطی نے التدریب میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔

۲۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۴ نیز التدریب ص ۷۹

۳۔ علامہ حافظ شیخ الاسلام سفیان بن عیینہ بن میمون ابو محمد ہلالی کوفی مشہور محدث تھے عمرو بن دینار، زہری، زیاد بن علاقہ، ابو اسحاق، اسود بن قیس، زید بن اسلم، عبداللہ بن دینار، منصور بن معتمر اور عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہم اللہ سے حدیثیں سنیں۔ سب ائمہ حدیث ان کی روایات سے احتجاج کرنے پر متفق ہیں۔ مگر یہ ثقات کی روایات میں تدلیس کیا کرتے تھے۔ ۱۹۰ھ میں فوت ہوئے۔ [تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۲]

۴۔ التوضیح ج ۱ ص ۳۵ نیز التدریب ص ۷۸، اس کو تدلیس القطع کہتے ہیں کیونکہ راوی روایت کے ←

Marfat.com

بعض اوقات اس پر تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ابن عیینہ اور ہشیم جیسے عظیم محدثین کیونکر تدلیس کے مرتکب ہوئے؟ خصوصاً جب کہ محدثین میں بڑے حافظ و ضابط اور امین سمجھے جاتے تھے۔ دراصل اس میں حیرت واستعجاب کی کوئی بات نہیں کیونکہ بہت کم لوگ تدلیس سے محفوظ رہے تھے۔[1]

اس کی حد یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی تدلیس سے بچ نہ سکے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم اور بقول بعض علماء صرف چار حدیثیں سنی تھیں۔ دیگر احادیث انہوں نے صحابہ سے سنیں۔ مگر بایں ہمہ ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابی کا نام ذکر نہیں کرتے اور صاف کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔[2]

ابن عیینہ اور ہشیم کی عظمت وفضیلت کا خصوصی پہلو یہ ہے کہ یہ دونوں بخاری و مسلم کے رواۃ ورجال میں سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ان کی عظیم خصوصیت ہے۔ اس

← الفاظ میں قطع و برید سے کام لیتا ہے وہ اپنے شیخ کو صرف ''فلاں'' سے تعبیر کرتا ہے جیسے ابن عیینہ کی روایت میں گزر چکا ہے۔ راوی اس قسم کی تدلیس میں شیخ کا نام بتعیین بیان نہیں کرتا۔ ابن عیینہ نے مذکورہ صدر عبارت میں یہ نہیں بتایا کہ زہری نے ان کو یہ حدیث سنائی۔ ہم قبل ازیں ''تدلیس الاسناد'' میں اس کا ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں ایک جدید استنباط کے لئے ہم نے اسے دوہرایا ہے۔

[1] امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''بنا بریں کوئی شخص بھی تدلیس کے عیب سے محفوظ نہیں رہا خواہ امام مالک ہو یا کوئی اور شخص''
[التدریب ص ۷۷]

[2] التوضیح ج ا ص ۳۴۷۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ اس کو تدلیس کے بجائے ''مرسل صحابہ'' سے تعبیر کرنا زیادہ قرین عقل وقیاس ہے۔ علماء مراسیل صحابہ سے احتجاج کرتے ہیں۔ محدثین اس کے ساتھ ساتھ مرسل اور مدلس روایات میں فرق بھی کرتے ہیں جیسا کہ آگے چل کر ہم اس پر روشنی ڈالیں گے اس میں شبہ نہیں کہ حضرت ابن عباس کی اکثر روایات مرسل ہیں۔ البتہ بعض روایتوں میں ایسا اخفاء و اشتباہ پایا جاتا ہے جو تدلیس سے قریب تر ہے اس لئے ہم اپنے الفاظ دہراتے ہیں کہ ''تدلیس سے بہت کم محدثین محفوظ رہے ہیں۔''

Marfat.com

فضیلت کا تقاضا یہ تھا کہ ان پر اور صحیحین کے دیگر رواۃ مثلاً اعمش[1] قتادہ[2] حسن بصری[3] عبد الرزاق[4] اور ولید بن مسلم[5] پر تدلیس کا جو الزام عائد کیا جاتا ہے محدثین ان کی جانب سے اس کا دفاع کرتے۔

---

[1] اعمش رحمہ اللہ کا نام سلیمان بن مہران کرخی ہے۔ آپ علاقہ رے کے رہنے والے تھے اعمش نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان سے حدیثیں یاد کی تھیں۔ آپ تابعین صغار میں شمار کیے جاتے ہیں ان میں تدلیس کا عیب پایا جاتا ہے (المیزان) ذہبی کہتے ہیں "بعض اوقات اعمش ضعیف راویوں کی روایت بھی تدلیس کے ساتھ بیان کرتے ہیں اس وقت پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس سے روایت کر رہے ہیں۔ اعمش جب "حدثنا" کہتے ہیں تو تدلیس کا ڈر نہیں ہوتا اور جب "عن" سے روایت کرتے ہیں تو اس میں تدلیس کا احتمال ہوتا ہے آپ ۱۴۸ھ میں فوت ہوئے۔

[2] قتادہ بن دعامہ بن عزیز دوسی بصری نابینا تھے۔ یہ بڑے حافظ علامہ اور ثقہ راوی تھے یہ عبداللہ بن سرجس انس بن مالک سعید بن مسیب اور ابو الطفیل سے روایت کرتے ہیں۔ قتادہ مشہور مدلس راوی تھے۔ ابن معین کہتے ہیں "قتادہ کا سماع سعید بن جبیر اور مجاہد سے ثابت نہیں۔" شعبہ کہتے ہیں "قتادہ کا سماع ابو رافع سے ثابت نہیں" واسط کے شہر میں طاعون سے ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ ۱۱۷ھ میں فوت ہوئے۔

[3] حسن بن ابی الحسن یسار بصری کبار تابعین اور مشہور عابد و زاہد علماء میں شمار ہوتے تھے المیزان میں لکھا ہے کہ حسن بصری ثقہ راوی تھے مگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بتدلیس روایت کرتے تھے جب "حدثنا" کہہ کر روایت کرتے ہیں تو پھر تدلیس کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

[4] عبد الرزاق بن ہمام صنعانی حسب بیان المیزان بڑے ثقہ راوی تھے مگر تدلیس کے مرض میں گرفتار تھے۔ ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔

[5] ولید بن مسلم ابو العباس دمشقی ثقہ راوی اور شام کے بہت بڑے عالم تھے (المیزان) ابو مسہر کا قول ہے کہ ولید مدلس تھے اور بسا اوقات جھوٹے راویوں سے بتدلیس حدیثیں بیان کرتے جب ولید ابن جریج اور اوزاعی سے یہ لفظ "عن" روایت کرتے ہیں تو وہ قابل اعتماد نہیں ہوتی کیونکہ وہ جھوٹے راویوں سے تدلیس کرتے ہیں جب "حدثنا" کہہ کر روایت بیان کرتے ہیں تو وہ حجت ہوتی ہے۔ آپ ۱۹۵ھ میں فوت ہوئے۔ [تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۰۲]

Marfat.com

علمائے حدیث ایک خاص عذر کی بنا پر ابن عیینہ کی تدلیس قبول کرتے ہیں۔[1] وہ عذر یہ ہے کہ حالت تدلیس میں وہ ابن جریج[2] اور معمر[3] کا حوالہ دیتے ہیں۔ محدث ابن حبان[4] ابن عیینہ کی تدلیس کی وجہ ترجیح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ وصف سفیان کے سوا اور کسی میں نہیں پایا جاتا کہ آپ ثقہ اور صاحب حفظ و ضبط راویوں سے بتدلیس روایت کیا کرتے تھے۔ سفیان کی کوئی روایت ایسی نہیں جس میں تدلیس کی ہو اور اپنا سماع کسی ثقہ راوی سے بیان نہ کیا ہو۔''[5]

صحیحین کے جو راوی تدلیس میں مشہور ہیں ان کے بارے میں محدثین نے عام عذر یہ بیان کیا ہے کہ ان کی تدلیس مبنی بر کذب نہیں ہوتی بلکہ اس میں ایک گونہ ابہام و خفا پایا جاتا ہے۔ ان کی روایت میں ایک طرح کا سماع پایا جاتا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں ''سَمِعْتُ، حَدَّثَنَا، اَخْبَرَنَا'' وغیرہ۔[6]

۱۔ یہ تمام مشاہیر ائمہ بخاری و مسلم کے رواۃ میں شمار ہوتے ہیں اور اس کے باوصف ان میں تدلیس کا عیب پایا جاتا ہے صاحب التوضیح نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔
[توضیح الافکار ج ا ص ۳۵۳، ۳۵۴ نیز التدریب ص ۸۰]

۲۔ ابن جریج مکہ کے بہت بڑے فقیہ تھے ان کا نام عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج رومی تھا۔ ابن جریج نے سب سے پہلے کتابوں میں حدیثیں جمع کیں۔ ۱۵۰ھ میں وفات پائی
[تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۶۵، ۱۷۰]

۳۔ معمر بہت بڑے امام اور حافظ حدیث تھے ان کا نام معمر بن راشد اور کنیت ابو عروہ ہے ۱۵۳ھ میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۹۰، ۱۹۱]

۴۔ ابن حبان عظیم حافظ حدیث اور کثیر التصانیف عالم تھے۔ پورا نام محمد بن حبان بن احمد بن معاذ یمنی دارمی اور بستی ہے۔ ان کی کنیت ابو حاتم ہے۔ انہوں نے ''التقاسیم والانواع'' نامی کتاب پانچ جلدوں میں تصنیف کی۔ یہ کتاب ایک انوکھی ترتیب کے مطابق لکھی گئی ہے۔ ۳۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

۵۔ التدریب ص ۷۹

۶۔ التدریب ص ۸۰

Marfat.com

اس امر کا بھی احتمال ہے کہ امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے تدلیس کرنے والے راوی کے سماع پر اعتماد نہ کیا ہو بلکہ ان کے یہاں کوئی دوسری روایت موجود ہو جس سے اس حدیث کی صحت معلوم ہوتی ہو۔ امام بخاری و مسلم نے تدلیس کرنے والے راوی کی روایت کو اس لئے اختیار کیا کہ اس کی امانت و دیانت مسلم ہے اور اس کی حدیث کو ضعیف تصور نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہ کہ تائید و متابعت کرنے والوں میں کوئی راوی بھی ایسا نہ تھا جو تدلیس کرنے والوں کے مرتبہ و مقام کا راوی ہوتا یا ان کی طرح شہرت و فضیلت کا حامل ہوتا[1] (لہٰذا انہوں نے متابعت کرنے والوں کے بجائے مدلس راوی کی روایت کو ترجیح دی۔)

بعض نقاد حدیث کا خیال ہے کہ صحیحین کے بعض راویوں پر جو تدلیس کا الزام عائد کیا گیا ہے اس سے بہتر ہے کہ اس کو ''مرسل خفی'' کے نام سے یاد کیا جائے۔ ان کے نزدیک مدلس اور مرسل خفی کے مابین بہت دقیق فرق پایا جاتا ہے۔

تدلیس اور مرسل خفی

تدلیس کی اصطلاح اس راوی کے ساتھ مختص ہے جو ایسے شخص سے روایت کرے جس کے ساتھ اس کی ملاقات عام طور سے معروف ہو۔ اگر وہ شخص اس کا ہم عصر ہو اور اس کی ملاقات اس کے ساتھ مشہور نہ ہو تو اسے ''مرسل خفی'' کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''جو شخص تدلیس کی تعریف میں محض معاصرت بلا ملاقات کو کافی سمجھتا ہے اس کے نزدیک تدلیس اور مرسل خفی دونوں ایک ہی چیز ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ مرسل اور خفی دونوں ایک نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ اصطلاحیں ہیں۔''[2]

تدلیس کے اثبات کے لئے معاصرت کے ساتھ ملاقات کے ضروری ہونے کی

---

[1] التوضیح ج ا ص ۳۵۶

[2] شرح نخبہ ص ۱۸

Marfat.com

دلیل یہ دی جاتی ہے کہ سب محدثین کے نزدیک مخضرمین مثلاً ابو عثمان نہدی[1] اور قیس بن ابی حازم[2] کی نبی کریم ﷺ سے روایت ارسال کے قبیل سے ہے تدلیس نہیں ہے۔ اگر تدلیس میں صرف ہم زمانہ ہونا کافی ہوتا تو ان لوگوں کی روایت کو تدلیس قرار دینا چاہئے تھا کیونکہ یہ آنحضور ﷺ کے ہم عصر تھے مگر یہ معلوم نہیں کہ آپ سے ان کی ملاقات ہوئی۔

۵ مُعَلَّل

معلل[3] اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی ایسی علت کا پتہ چلے جس سے حدیث میں قدح وارد ہو جاتی ہو۔ اگرچہ بظاہر وہ حدیث علل سے سالم نظر آتی ہو۔[4]

حدیث کی علت معلوم کرنے کے لئے وسعت علم، قوت حافظہ اور فہم دقیق کی ضرورت ہے اس لئے کہ علت ایک پوشیدہ چیز ہے جس کا پتہ بسا اوقات علوم حدیث میں مہارت رکھنے والوں کو بھی نہیں چلتا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

1. ابو عثمان نہدی کا نام عبد الرحمٰن بصری ہے۔ انہوں نے آنحضور ﷺ کا زمانہ پایا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ مدینہ آئے اور صحابہ کی ایک جماعت سے حدیثیں سنیں۔ ۱۰۰ھ یا اس کے کچھ مدت بعد وفات پائی [تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۵]

2. قیس بن ابی حازم ابو عبد اللہ احمسی کوفہ کے مشہور محدث تھے کوفہ سے آنحضور ﷺ کی بیعت کے ارادہ سے نکلے۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ آپ ﷺ نے انتقال فرمایا۔ قیس نے خلفائے اربعہ اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیثیں سنیں۔ ان کی روایات کو حجت قرار دیا جاتا ہے۔ ۹۷ھ یا ۹۸ھ میں وفات پائی۔

3. اس کو معلول بھی کہتے ہیں جیسا کہ بخاری، ترمذی اور امام حاکم کے یہاں مستعمل ہے۔ لغۃً بہتر یہ ہے کہ "معل" ایک لام سے بولا جائے اس لئے کہ یہ اعل ماضی سے اسم مفعول ہے مُعَلَّل عَلَّلَ فعل ماضی سے اسم مفعول ہے عَلَّلَ کے معنی ہیں "کسی چیز کے ساتھ مشغول رکھنا"۔ یہ فعل محدثین کے یہاں مستعمل نہیں ہے۔

4. التدریب ص ۸۹

Marfat.com

"یہ حدیث کے نہایت دقیق وعویص (مشکل) علوم میں سے ہے۔ علت کی پہچان میں صرف وہی شخص ماہر ہوسکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے روشن دماغی قوت حافظہ' مراتب رواۃ کی پہچان اور اسانید ومتون میں مہارت تامہ سے نوازا ہو۔"[1]

بعض اوقات ایک دانش مند اور علم حدیث میں مہارت رکھنے والا القاء ربانی اور شرح صدر کی بناء پر بھی حدیث کی کسی مخفی علت سے آگاہ ہو جاتا ہے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ اس لئے کہ حدیث کا علم کسی کے پڑھانے سے نہیں الہام ربانی سے حاصل ہوتا ہے۔[2] عبدالرحمٰن بن مہدی[3] فرماتے ہیں:

"حدیث کی پہچان ایک الہام ہے اگر تم کسی علل حدیث کے عالم سے کہو کہ فلاں علت کی کیا دلیل ہے تو وہ اس کا کچھ جواب نہیں دے سکے گا۔"[4]

عبدالرحمٰن بن مہدی سے کہا گیا "آپ کسی حدیث کو صحیح قرار دیتے اور کسی کو ضعیف ٹھہراتے ہیں۔ اس کی کیا دلیل ہے؟" فرمایا "اگر تم کسی صراف کو اپنے درہم دکھاؤ' اور وہ کہے کہ یہ کھرے ہیں اور وہ کھوٹے ہیں تو آیا تم اس کی بات تسلیم کرو گے یا اس کی دلیل طلب کرو گے؟" سائل نے کہا "میں اس کی بات مان لوں گا" عبدالرحمٰن نے فرمایا "تو حدیث کا معاملہ بھی اسی طرز کا ہے کیونکہ اس میں طویل صحبت مناظرہ اور مہارت کی ضرورت ہے۔"[5]

---

[1] شرح نخبہ ص ۲۱ نیز التوضیح ج ۲۔ ص ۲۹

[2] الجامع ج ۹۔ ص ۱۷۷

[3] امام عبدالرحمٰن بن مہدی بن حسان ابوسعید بصری بہت بڑے حافظ حدیث تھے امام احمد بن حنبل ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وہ یحییٰ القطان سے بڑے فقیہ اور وکیع سے زیادہ ثقہ راوی تھے۔"

۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ج ۱' ص ۳۲۹]

[4] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۳

[5] التدریب ص ۸۹ نیز الباعث الحثیث ص ۷۱۔ عبدالرحمٰن بن مہدی نے مزید فرمایا: "اگر مجھے ایک حدیث کی علت کا پتہ چل جائے تو یہ بات مجھے بیس نئی حدیثیں لکھنے سے زیادہ عزیز ہے۔" [الجامع ج ۱ص ۱۹۱ نیز معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۲]

Marfat.com

اسی لئے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''علم حدیث کے طالب کو صراف کی طرح کھوٹے اور کھرے میں تمیز کرنے والا ہونا چاہئے۔ جس طرح درہم کھوٹے بھی ہوتے ہیں اور کھرے بھی۔ حدیث کی بھی یہی حالت ہے۔''[1]

چونکہ علل حدیث کا فن نہایت دقیق وعویص ہے اور اس میں بڑی طویل ممارست کی ضرورت ہے اس لئے اس پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں۔[2] اس ضمن میں سب سے زیادہ قابل قدر کتاب امام بخاری کے استاذ محترم علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب العلل'' کے نام سے تحریر کی۔[3] اس فن پر ایک کتاب خلال[4] اور دوسری ابن ابی حاتم نے تحریر کی۔ ابن ابی حاتم[5] کی کتاب مصر میں دو جلدوں میں چھپ چکی ہے اس ضمن میں جو کتب ہم تک پہنچیں ان میں سنن ترمذی کے آخر میں امام موصوف کی کتاب العلل ہے مگر وہ بہت مختصر ہے۔

ابن رجب[6] نے کتاب العلل ترمذی کی شرح لکھی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے بھی ایک کتاب ''العلل'' کے موضوع پر لکھی تھی مگر وہ ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔[7] ابوالحسن دار قطنی[8] نے اس موضوع پر اس قدر جامع کتاب تحریر کی ہے کہ اس سے بہتر کتاب لکھنا

---

1. الجامع ج ۹ ص ۱۷۷
2. شرح نخبہ ص ۲۱
3. التدریب ص ۹۱
4. احمد بن محمد بن ہارون بغدادی حنبلی کی کنیت ابوبکر ہے۔ آپ خلال کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کی کتاب کئی جلدوں میں ہے۔ [الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۱۱]
5. الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۱۱
6. حافظ زین الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد بن حسین بن محمد بغدادی دمشقی حنبلی المعروف ابن رجب متوفی ۷۹۵ھ [الرسالۃ المستطرفہ ۱۱۱]
7. دیکھئے مخطوط الظاہریہ۔ یہ مجموعہ ۴۰ چھوٹے سائز کے ۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں چند رسائل اور بھی یکجا مجلد ہیں جن کی ضخامت ۳۲۵ صفحات تک پہنچتی ہے۔ ان رسائل کا انداز تحریر الگ الگ ہے۔
8. دار قطنی کا نام علی بن عمر بن احمد بن مہدی، کنیت ابو الحسن اور دار قطنی کے نام سے مشہور تھے ←

Marfat.com

تقریباً ناممکن ہے۔[1] البتہ اس کی جمع و تالیف کا فریضہ ان کے شاگرد، و حافظ ابو بکر البرقانی[2] نے ادا کیا۔ اسی طرح امام بخاری، یعقوب بن ابی شیبہ[3] الساجی[4] ابن الجوزی[5] اور ابن حجر[6] کی جانب بھی علل الحدیث کے موضوع پر بعض کتابیں منسوب کی گئی ہیں۔

علت زیادہ تر اس سند میں پائی جاتی ہے جو بظاہر شروط صحت کی جامع ہو۔ اس صورت میں علت کی پہچان راوی کے متفرد ہونے سے ہوتی ہے۔ یا اس بات سے کہ دوسرا راوی اس کی مخالفت کرتا ہو۔ مزید برآں اس کے ساتھ کچھ اور قرائن بھی جمع ہو جاتے ہیں جس سے ناقد حدیث پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ اس حدیث میں وہم ہے یا موصول کو مرسلاً اور مرفوع کو مرفوعاً روایت کیا گیا ہے یا ایک حدیث دوسری میں داخل ہو گئی ہے جس سے گمان غالب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ یا راوی شک کی بناء پر روایت کرنے میں توقف کرتا ہے۔[7]

چونکہ اسناد میں بکثرت علل کے وقوع پذیر ہونے کا احتمال ہوتا ہے اس لئے راوی کو چاہئے کہ امکانی حد تک اس کی علت بیان کر دے۔[8] جس طرح راوی جب کوئی

← دارقطن بغداد میں ایک محلے کا نام ہے آپ امیر المومنین فی الحدیث کہلاتے تھے۔ سنن دارقطنی آپ کی تالیف ہے۔ آپ نے ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔ [الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۹]

1. اختصار علوم الحدیث ص ۷۰
2. الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۱۱
3. شرح نخبہ ص ۲۱
4. ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ بصری بصرہ کے عظیم محدث تھے۔ ۳۰۷ھ میں وفات پائی۔ امام ذہبی فرماتے ہیں ''ساجی نے علل الحدیث کے موضوع پر ایک مفید کتاب لکھی ہے جو ان کے تبحر علمی پر دلالت کرتی ہے۔'' [الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۱۱]
5. ابن الجوزی کی کتاب کا نام ''العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ'' ہے [الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۱۱]
6. ابن حجر کی کتاب کا نام ''الزہر المطلول فی الخبر المعلول'' ہے [التدریب ص ۹۱]
7. التدریب ص ۸۹ نیز التوضیح ج ۲، ص ۲۷۔۲۸
8. الجامع ج ۱۰، ص ۱۹۱

Marfat.com

معلول حدیث بیان کر رہا ہو تو اسے چاہئے کہ اس کی علت واضح الفاظ میں بیان کر دے۔[1]

معلل حدیث کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کے تمام طرق واسانید کو جمع کر کے راویوں کے اختلاف اور ضبط واتقاق کو دیکھا جائے۔ محدث علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب تک کسی حدیث کے طرق واسانید یکجا نہ ہوں اس کی خطا کا پتہ نہیں چلتا۔''[2]

حاکم نیشا بوری نے اپنی کتاب ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں علل کی دس قسمیں بیان کی ہیں[3] اور پھر ہر قسم کی مثال دے کر اسے واضح کیا ہے۔ پھر کہتے ہیں:

''علل کی چند قسمیں اور بھی ہیں جو ہم نے ذکر نہیں کیں۔ ہم نے ان کو اکثر احادیث معلولہ کی مثال کے طور پر ذکر کیا ہے تاکہ اس فن کا ماہر ان میں بصیرت حاصل کر سکے۔ اس میں شبہ نہیں کہ علل الحدیث کی پہچان علوم الحدیث میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔''[4]

یاد رہے کہ علل حدیث کے انواع واقسام ان دس قسموں میں محدود ومحصور نہیں ہیں جن کا ذکر امام حاکم نے کیا ہے۔ نظر بریں ہم حدیث نبوی میں قدح وارد کرنے والے ان پوشیدہ اسباب کی توضیح کے لئے چند اہم مثالیں بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے:

❶ مثلاً یہ کہ ایک حدیث ایک خاص صحابی کی روایت سے صحیح اور محفوظ ہو۔ پھر یہی حدیث ایک اور راوی سے روایت کی جائے جس کی جائے سکونت پہلے راوی یا رواۃ

---

1. الجامع ج ۷ ص ۱۲۷
2. التدریب ص ۸۹
3. معرفۃ علوم الحدیث میں ص ۱۱۳ تا ۱۱۹ ان اقسام عشرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ سیوطی نے تدریب میں امام حاکم سے نقل کر کے یہ اقسام مع امثلہ بیان کی ہیں۔ دیکھئے تدریب ص ۹۱ تا ۹۳
4. معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۹

Marfat.com

سے مختلف ہو تو یہ حدیث معلول ہو گی۔ مثال کے طور پر موسیٰ بن عقبہ کی ابو اسحاق سے روایت، وہ ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ابو بردہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً اپنے والد سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں دن میں سو مرتبہ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔''

مذکورہ بالا سند کو دیکھنے والا پہلی نگاہ میں یہ سمجھے گا کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے مگر اس کی سند میں ایک مدنی راوی کوفی راوی سے روایت کرتا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ مدینہ کے رہنے والے جب اہل کوفہ سے روایت کرتے ہیں تو وہ غلطی کر جاتے ہیں۔[1]

❷ معلول کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ ایک شخص سے اس کے شیخ کے نام میں اختلاف کیا جائے یا اس کو مجہول (بلا نام) ذکر کیا جائے۔ مثلاً ابو شہاب سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں وہ حجاج سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ ابو سلمہ سے اور ابو سلمہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مومن بھولا بھالا اور سخی ہوتا ہے اور کافر مکار اور کنجوس ہوتا ہے۔''

محدث حاکم کہتے ہیں کہ مذکورہ صدر روایت میں علت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب سند یوں بیان کی جائے کہ

''ابن ابی کثیر نے کہا میرے پاس سفیان ثوری نے حجاج سے سن کر بیان کیا اور حجاج نے ایک ''شخص'' سے روایت کیا اور اس نے ابو سلمہ سے۔''[2]

❸ حدیث معلول کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص جس سے روایت کرتا ہو اس سے ملا ہو اور اس سے حدیثیں بھی سنی ہوں۔ مگر خاص زیر بحث احادیث کا سماع اس سے ثابت نہ ہو۔ جب ایسی احادیث اس شخص سے بلا واسطہ روایت کرے گا تو ان میں علت یہ ہو گی کہ ان احادیث کا سماع اس سے ثابت نہیں ہے مثلاً یحییٰ بن ابی کثیر کی

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۵۔

[2] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۷۔ علامہ احمد شاکر فرماتے ہیں کہ حاکم کی بیان کردہ علت درست نہیں کیونکہ اس سند کے اور بھی شواہد اور متابعات ہیں۔ [الباعث الحثیث ص ۷۶]

Marfat.com

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے گھر روزہ افطار کرتے تو فرماتے:

''روزہ داروں نے تمہارے یہاں روزہ افطار کیا۔''[1]

امام حاکم مذکورہ صدر حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''متعدد طرق سے یہ امر ہمارے یہاں ثابت ہو چکا ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے درست ہے مگر یحییٰ نے مذکورہ صدر حدیث انس سے نہیں سنی۔ پھر حاکم نے سنداً یحییٰ سے ذکر کیا کہ مجھے یہ حدیث کسی نے انس رضی اللہ عنہ سے سن کر بتائی تھی (میں نے خود نہیں سنی تھی)''[2]

۴ حدیث معلول کی ایک صورت یہ ہے کہ حدیث کی سند بظاہر صحیح معلوم ہوتی ہو۔ مگر اس میں کوئی ایسا راوی بھی ہو جس کا سماع اپنے شیخ سے معروف نہ ہو مثلاً موسیٰ بن عقبہ سہیل بن ابی صالح سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص ایسی مجلس میں بیٹھا جہاں بہت شور و غل ہو اور مجلس برخاست کرنے سے قبل یہ کلمات کہے ''سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ'' تو اس سے جو گناہ اس مجلس میں صادر ہوئے تھے وہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''

مروی ہے کہ امام مسلم امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا۔ جناب امام نے فرمایا:

''یہ بڑی خوبصورت حدیث ہے اور دنیا بھر میں اس مضمون کی یہ واحد حدیث ہے۔ البتہ یہ معلول ہے یہ حدیث ہمیں موسیٰ بن اسماعیل وہیب سے سن کر

---

[1] حدیث کا باقی ماندہ حصہ یوں ہے ''نیک لوگوں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لئے دعا کی۔''

[2] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۷۔ ۱۱۸

Marfat.com

بتائی وہیب نے سہیل سے اور اس نے عون بن عبداللہ سے سنی حالانکہ موسیٰ بن عقبہ کا سماع سہیل بن ابی صالح سے معروف نہیں۔"[1]

⑤ حدیث کے طالب علم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جب وہ یہ عبارت دیکھے کہ "یہ حدیث فلاں وجہ سے معلول ہے" تو جلدی سے یہ فیصلہ صادر نہ کر دے کہ اس میں کوئی اصطلاحی علت قادحہ پائی جاتی ہے اس لئے کہ بعض علماء علت کا اطلاق اصطلاحی معنی و مفہوم کے علاوہ دوسرے معانی پر بھی کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں علت ایک پوشیدہ عیب مثلاً ضعف حافظہ یا دروغ گوئی کے مترادف نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ علت سے حدیث کا ظاہری نقص و عیب مراد لیتے ہیں جس سے حدیث کی صحت مجروح نہیں ہوتی۔ یہ امر واضح ہے کہ ضعف حدیث کے کسی ظاہری سبب کی بناء پر حدیث کو معلل قرار نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ علت غامض اور پوشیدہ عیب کا نام ہے جیسا کہ ہم مثالوں سے واضح کر چکے ہیں البتہ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ علت میں پوشیدہ ہونے کی شرط غالب اکثریت کی بنا پر ہے۔ ورنہ ایسی علل بھی حدیث میں موجود ہوتی ہیں جو بالکل واضح ہوتی ہیں۔[2]

محدث ابویعلی خلیلی نے اپنی کتاب "الارشاد" میں علت کا اطلاق حدیث کے ایسے نقائص پر بھی کیا ہے جن سے حدیث کی صحت متاثر نہیں ہوتی۔ مثلاً کوئی شخص ایسی روایت کو مرسلاً بیان کرے جس کو کسی ثقہ اور ضابط راوی نے موصولاً روایت کیا ہو۔ ابویعلی خلیلی فرماتے ہیں:

"صحیح معلول بھی حدیث صحیح کے اقسام میں سے ہے۔ بعض علماء حدیث شاذ کو بھی صحیح اقسام میں شمار کرتے ہیں اور اس ضمن میں اصطلاح کے دائرہ میں محدود نہیں رہتے۔"[3]

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۳-۱۱۴

[2] الباعث الحثیث ص ۷۷

[3] التوضیح ج ۲ ص ۲۷

[4] الباعث الحثیث ص ۷۷-۷۸ نیز التوضیح ج ۲ ص ۳۳-۳۴

Marfat.com

وہ اس کی مثال میں موطا امام مالک کی یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''خادم کو لباس اور خوراک دی جائے۔'' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت معضلاً بیان کی ہے ابراہیم بن طہمان اور نعمان بن عبدالسلام نے مالک سے روایت کیا' انہوں نے محمد بن عجلان سے اس نے اپنے والد سے اس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا' اسناد کے بعد یہ حدیث صحیح ٹھہری اور معضل نہیں رہی بعض محدثین کہتے ہیں یہ حدیث معلول کے برعکس ہے اس لئے کہ بظاہر معلول میں کوئی نقص نظر نہیں آتا البتہ تحقیق وتلاش کے بعد اس میں نقص کا پتہ چلتا ہے۔ بخلاف ازیں اس حدیث میں بظاہر اعضال کی علت معلوم ہوتی ہے لیکن تحقیق کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث موصول ہے۔[1]

امام حاکم فرماتے ہیں:

''کسی حدیث کو ایسے وجوہ و اسباب کی بنا پر معلول قرار دیا جاتا ہے جب بظاہر اس میں جرح ونقد کی گنجائش نہ ہو مجروح راوی کی حدیث کو ساقط اور ضعیف کہیں گے (معلل نہیں قرار دیں گے) جہاں تک علت کا تعلق ہے وہ تو ثقہ راویوں کی روایات میں بھی پائی جاتی ہے مگر انہیں وجود علت کا پتہ نہیں چلتا۔ اور اس وجہ سے حدیث معلول ٹھہرتی ہے۔ کسی حدیث کی حجیت ہمارے نزدیک اس کے راویوں کے فہم وحفظ اور معرفت سے ثابت ہوتی ہے۔''[2]

۶ مضطرب[3]

مُضطَرِب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی متعدد روایات ہوں اور تعدد کے باوجود ان میں اس طرح کی مساوات پائی جاتی ہو کہ کسی طرح بھی ایک روایت کو

---

[1] التوضیح ج ۲' ص ۲۷

[2] الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۱

[3] اضطراب وقوع خلل اور فساد نظام کو کہتے ہیں۔ دراصل اضطراب کا اطلاق موجوں کے باہم ٹکرانے پر کیا جاتا ہے۔ اگر مضطرب بفتح الراء پڑھا جائے تو یہ اضطراب سے اسم مکان ہوگا اور اس میں اصطلاحی معنی ومفہوم کا تحقق زیادہ نمایاں صورت میں ہوگا گویا مضطرب کے معنی ہوں گے وہ حدیث جہاں راوی یا راویوں کا اختلاف بخوبی نمایاں ہے۔ [الفیہ سیوطی حاشیہ ص ۱۱۸]

Marfat.com

دوسری کے مقابلہ میں ترجیح نہ دی جاسکتی ہو۔ بعض اوقات ایک ہی راوی اس حدیث کو دو یا دو سے زیادہ مرتبہ روایت کرتا ہو۔ یا دو یا دو سے زیادہ راوی اس کو روایت کرتے ہوں۔[۱]

حدیث مضطرب کے ضعف کی وجہ اس کے رواۃ کا وہ اختلاف ہے جو ان کے حفظ و ضبط میں پایا جاتا ہے۔[۲] یہ اختلاف اسی صورت میں دور ہوسکتا ہے جب ایک راوی کی روایت اس کے حفظ و ضبط یا طول سماع کے باعث دوسری روایت کے مقابلہ میں راجح ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک روایت یا متعدد روایات کے راجح ہونے کی صورت میں حدیث کو مضطرب نہیں کہا جاتا۔[۳]

یوں تو اضطراب اکثر اسناد میں واقع ہوتا ہے مگر بعض اوقات حدیث کے متن میں بھی اضطراب پایا جاتا ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ صرف متن حدیث کے اختلاف کی بنا پر کسی حدیث کو مضطرب کہا جائے۔[۴]

سند میں اضطراب کی مثال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ انہوں نے کہا ''یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا ''سورۂ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔''

دارقطنی کہتے ہیں یہ حدیث مضطرب ہے یہ صرف بطریق ابی اسحاق روایت کی گئی ہے۔ اور ابواسحاق سے روایت کرنے والوں نے دس مختلف طریقوں سے یہ روایت

۱۔ التدریب ص ۹۳

۲۔ التوضیح ص ۴۷۔ حدیث مضطرب میں رواۃ ورجال کا عدم وضبط واضح ہے' خواہ اس کا راوی ایک ہو یا متعدد۔ اس لئے کہ جب راوی ایک حدیث کو متعدد طریقوں سے روایت کرے تو اس میں حفظ وضبط کا اہتمام نہایت مشکل ہے کیونکہ تعدد روایت خود تناقض کی ایک قسم ہے جب مضطرب حدیث کے راوی ایک سے زائد ہوں تو وہ سب کے سب عدم ضبط میں شریک ہوں گے عدم ضبط کا ازالہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینے کے امکانات روشن ہوں۔

۳۔ التدریب ص ۹۳

۴۔ شرح نخبہ ص ۲۲

Marfat.com

ان سے بیان کی ہے مثلاً ابو اسحاق کے بعض شاگردوں نے یہ روایت ان سے مرسلاً بیان کی ہے اور بعض نے موصولاً۔ بعض نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مسند بتایا بعض نے سعد رضی اللہ عنہ کی اور بعض نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی۔ اس کے راوی سب ثقہ ہیں اور اس لئے کسی روایت کو بھی ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ نیز یہ کہ جمع و تطبیق کا بھی یہاں کوئی امکان نہیں [1]

جو شخص ایسی متباین و مختلف حدیث پر غور کرتا ہے بعض اوقات وہ یہ سوچتا ہے کہ اس حدیث کے دس متعدد و متخالف طرق سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث صحیح نہ ہو۔ اس لئے کہ اس کے راوی سب ثقہ ہیں اور ان کی صداقت وثقاہت اس حد تک ہم رنگ و ہم آہنگ ہے کہ ان کی روایات میں ترجیح کا کوئی امکان نہیں۔ یہ خیال کسی حد تک مقبول بھی ہے۔ [2]

مگر بات یہ ہے کہ کسی حدیث پر عند التعارض جو حکم عائد کیا جاتا ہے وہ اس کی روایات مختلفہ کو کئی درجات میں تقسیم کر دیتا ہے جن میں بعض روایتیں صحیح اور بعض صحیح تر ہوتی ہیں۔ مثلاً وہ حدیث جس کے راوی کے تلامذہ میں اختلاف نہ پایا جاتا ہو اس حدیث کی نسبت صحیح تر ہوگی جس میں یہ اختلاف موجود ہے۔ اسی لئے سند میں اضطراب کو ضعف کی علامت سمجھا جاتا ہے [3] کیونکہ روایات کا درجہ میں مساوی ہونا اور ان کا عدم تعارض صحیح حدیث کے مطابق فیصلہ صادر کرنے سے روک دیتا ہے۔ نظر بریں صحیح ہونے میں ان روایات کی مساوات گویا ضعیف ہونے میں مساوات ہے اس لئے کہ ایسی کوئی وجہ ترجیح موجود نہیں جس کی بناء پر ایک روایت پر عمل کیا جائے اور باقی کو ترک کر دیا جائے۔

متن حدیث میں اضطراب کی مثال وہ حدیث ہے جس میں بسم اللہ کا ذکر کیا گیا

---

[1] التدریب ص ۹۴

[2] التوضیح ج ۲ ص ۴۷ میں اس نظریہ کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی جانب منسوب کیا گیا ہے انہوں نے حافظ علائی سے اخذ کیا۔ حافظ علائی کا نام صلاح الدین ابو سعید خلیل دمشقی ثم مقدسی شافعی ہے آپ نے بیت المقدس میں ۷۶۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کی تصانیف ''جامع التحصیل فی احکام المراسیل'' اور ''اختصار جامع الاصول لابن اثیر الجزری'' ہیں۔ [الرسالۃ المستطرفہ ص ۶۲۔۶۳]

[3] حافظ ابن حجر نے حافظ علائی سے ''اضطراب فی الاسناد'' کی چھ قسمیں نقل کی ہیں ←

Marfat.com

ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح میں ولید بن مسلم سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے اوزاعی سے سنا کہ قتادہ نے انہیں بذریعہ تحریر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سن کر اطلاع دی کہ میں نے (انس رضی اللہ عنہ نے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ وہ قرأت کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے کیا کرتے اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ قرأت کے شروع میں پڑھتے اور نہ آخر میں۔

یہ آخری عبارت جس میں راوی صراحۃً بسم اللہ پڑھنے کی نفی کرتا ہے اس حدیث میں مضطرب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے اسی مسئلہ سے متعلق ایک اور روایت ذکر کی ہے جس میں بسم اللہ کا ذکر نفیاً واثباتاً کسی طرح بھی نہیں کیا گیا۔ راوی صرف یہ الفاظ کہتا ہے کہ ''وہ قرأت کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے کرتے تھے۔'' راوی کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ قرأت کا آغاز سورہ فاتحہ سے کرتے تھے اگر معاملہ اسی بات پر ختم ہو جاتا تو ہم (مسلم کی حدیث کے مقابلہ میں) صحیحین کی متفق علیہ روایت کو ترجیح دیتے۔ اور مسلم کی روایت کو مضطرب قرار نہ دیتے مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے ایک تیسری روایت بھی منقول ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ سے بسم اللہ کے ساتھ نماز کا آغاز کرنے کے بارے میں جب دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اس ضمن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ یاد نہیں ہے ظاہر ہے کہ

← ❶ وصل وارسال کا تعارض

❷ موقوف ومرفوع کا تعارض

❹ متصل اور منقطع ہونے کا تعارض

❺ محدثین کی ایک جماعت ایک حدیث کو ایک شخص کے واسطہ سے تابعی سے اور وہ صحابی سے روایت کرے۔ پھر یہی شخص اس حدیث کو کسی اور تابعی مگر اسی صحابی سے روایت کرے۔

❻ دونوں میں سے کسی ایک سند میں ایک راوی کا اضافہ۔

❼ کسی راوی کے نام ونسب میں ایسی صورت میں اختلاف کا رونما ہونا جب دونوں میں سے ایک راوی ثقہ اور ایک ضعیف ہو۔

یہ چھ صورتیں توضیح ج ۲ ص ۳۸۔۴۷ پر مذکور ہیں۔

Marfat.com

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تردد اس ضمن میں قابل غور ہے۔ نظر بریں بسم اللہ کی کسی روایت کو بھی وہ نفیاً ہو یا اثباتاً ترجیح دینا بڑا دشوار کام ہے۔ عدم ترجیح ہی کی بنا پر ہم نے پہلی حدیث کے متن کو مضطرب قرار دیا۔

مذکورہ صدر حدیث متن حدیث میں وقوع علت کی مثال بھی بن سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ ابن الصلاح[1] نے "علوم الحدیث" میں، حافظ عراقی نے ابن الصلاح کی کتاب کی شرح میں اور امام سیوطی نے "تدریب"[2] میں اس کو حدیث معلل کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اس لئے کہ اضطراب بھی ایک طرح کی علت ہے۔ اضطراب واعلال میں چنداں فرق وامتیاز نہیں ہے۔[3]

حافظ ابن حجر نے جو بات معلل کے بارے میں کہی تھی وہی محدث علائی سے مضطرب کے بارے میں منقول ہے۔ امام علائی رقم طراز ہیں:

"حدیث مضطرب کی پہچان علوم الحدیث کے نہایت دقیق وعویص مسائل میں سے ایک ہے۔ وہی شخص اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے روشن دماغ، وسعت علم اور رواۃ و رجال کے مراتب کی پہچان میں مہارت تامہ سے نوازا ہو۔"[4]

مذکورہ صدر بیان سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "المقترب فی بیان المضطرب" کی تالیف میں کس لئے دارقطنی کی کتاب "العلل" پر اعتماد کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ مضطرب اور معلل میں چنداں فرق نہیں اور

---

[1] دیکھئے شرح کتاب ابن الصلاح ص ۹۸۔۱۰۳

[2] التدریب ص ۸۹۔۹۱ البتہ سیوطی نے اس حدیث کو مضطرب فی المتن کی مثال کے طور پر بھی ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "میرے خیال میں مضطرب المتن حدیث کی بہترین مثال وہ حدیث ہے جس میں بسم اللہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے بعض اوقات ایک حدیث مضطرب بھی ہو سکتی ہے اور معلل بھی" [التدریب ص ۹۵]

[3] التوضیح ج ۲ ص ۳۷

[4] التوضیح ج ۲ ص ۳۶۔۳۷

Marfat.com

اس اعتبار سے دونوں کا موضوع تقریباً ایک ہی ہے۔ ان کی مثالیں بھی باہم ملتی جلتی ہیں۔[1]

اس بیان سے اس امر کی بھی عقدہ کشائی ہوتی ہے کہ محدثین کرام علیہم الرحمۃ مختلف احادیث کی توزیع و تقسیم کے حریص کس لئے تھے اور روایات کے اوصاف کو مختلف انواع واقسام میں کس لئے تقسیم کرتے تھے۔

یہ دوسری بات ہے کہ ان میں بعض قسمیں ایک دوسری میں منقسم و مدغم ہوسکتی ہیں اقسام کا یہ تداخل اور ادغام نہ تناقص کا حامل ہے اور نہ اس سے محدثین کرام کی دیدہ ریزی اور باریک بینی کی نفی ہوتی ہے اس لئے کہ انہوں نے ایک ہی حدیث کے مختلف پہلوؤں کو دیکھا۔ جو پہلو اس بات کا مقتضی تھا کہ اس حدیث کو مضطرب قرار دیا جائے اس کے پیش نظر اس کو مضطرب کا نام دیا۔ جو پہلو چاہتا تھا کہ اس حدیث کو معلل ٹھہرایا جائے جب اس کی جانب نظر کی تو اس کو معلل قرار دیا۔[2]

یہ بات پیش نظر رہے کہ اضطراب کے بعض صورتیں حدیث وحسن کے ساتھ جمع ہوسکتی ہیں[3] یہ صورت اس وقت پیش آتی ہے جس کسی راوی کے نام ونسب اور اس کے والد کے نام میں اختلاف پیدا ہو اور وہ راوی ثقہ ہو۔ ایسی حدیث کو اگرچہ "مضطرب" کہا جاتا ہے مگر اس کے مضطرب ہونے کے یہ معنی نہیں کہ یہ صحیح وحسن کے درجہ کی حدیث نہیں ہوسکتی۔ البتہ وہ اضطراب ضعیف حدیث کا سبب بنتا ہے جس کی صورتیں متناً وسنداً ہم بیان کر چکے ہیں۔[4]

---

[1] التدریب ص ۹۵

[2] التدریب ص ۹۱

[3] امام سیوطی تدریب ص ۹۵ پر زرکشی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ "قلب اضطراب اور شذوذ حدیث صحیح اور حسن کے ساتھ بھی جمع ہوسکتے ہیں۔" یعنی جو حدیث مقلوب مضطرب یا شاذ ہو وہ صحیح اور حسن کے درجہ کی حدیث ہوسکتی ہے۔

[4] الباعث الحثیث ص ۷۸

Marfat.com

۷ مقلوب

مقلوب اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی راوی سے متن حدیث کا کوئی لفظ یا سند میں کسی راوی کا نام ونسب بدل گیا یا مقدم کو موخر یا موخر کو مقدم کیا گیا یا ایک چیز کی جگہ دوسری رکھ دی گئی ہو۔[1] اس تعریف سے آشکارا ہوتا ہے کہ قلب سند و متن دونوں میں پایا جاتا ہے۔

مقلوب فی المتن کی مثال صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جس میں ان سات آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو روز قیامت سایہ خداوندی کے نیچے ہوں گے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ "وہ آدمی جس نے پوشیدہ صدقہ دیا حتیٰ کہ اس کا بایاں ہاتھ جو خرچ کرتا ہے دائیں کو بھی اس کا پتہ نہیں چلتا۔"

صحیحین کے الفاظ یوں ہیں۔

"اس کا دایاں ہاتھ جو خرچ کرتا ہے بائیں کو اس کا پتہ نہیں چلتا۔"[2]

مگر راوی سے حدیث کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر واقع ہو گئی اور اس نے "دائیں" کو پہلے اور "بائیں" کو پیچھے ذکر کیا۔ حالاں کہ اصل حدیث میں الفاظ اس کے برعکس تھے۔

۱۔ یہ تعریف ہم نے مقلوب کی تمام قسموں کے پیش نظر کی ہے۔

۲۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں "سات آدمی روز قیامت سایہ خداوندی تلے ہوں گے جب کہ اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ❶ عادل سلطان ❷ وہ نوجوان جس نے عبادت خداوندی کے ماحول میں پرورش پائی ہو ❸ وہ آدمی جس کا دل مسجد سے وابستہ ہو۔ ❹ وہ آدمی جن کی محبت فقط اللہ ہو۔ رضائے الٰہی کے لئے محبت کریں اور اسی کے لئے اسے ترک بھی کریں۔ ❺ وہ آدمی جس کو کسی حسین اور مالدار عورت نے پکارا اور اس نے جواباً کہا میں خدا سے ڈرتا ہوں ❻ وہ آدمی جس نے اس قدر پوشیدہ صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو اس صدقہ کا علم نہیں جو اس کے دائیں ہاتھ نے خرچ کیا۔ ❼ وہ آدمی جس نے خلوت میں خدا کو یاد کیا اور اس کے آنسو بہنے لگے۔"

[شرح نخبہ ص ۴۲ نیز التوضیح ج ۲ ص ۱۰۶]

Marfat.com

مقلوب فی الاسناد کی مثال وہ تقدیم و تاخیر ہے جو اکثر اسماء رواۃ میں رونما ہوتی ہے۔ مثلاً مرہ بن کعب اور کعب بن مرہ۔ اس لئے کہ ان میں سے ایک راوی کا جو نام ہے وہ دوسرے کے والد کا نام ہے۔[1] خطیب بغدادی نے اس موضوع پر ایک کتاب ''رفع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والانساب'' نامی تحریر کی ہے۔[2]

مذکورہ صدر دونوں مثالوں میں قلب سہواً واقع ہوا ہے عمداً نہیں۔ تاہم اس سے بھی حدیث ضعیف قرار پائی ہے اور اگر بالفرض یہ قلب عمداً وقوع پذیر ہوتا تو یہ حدیث موضوع اور من گھڑت کہلاتی۔[3]

قلب عمداً یوں وقوع پذیر ہوتا ہے کہ ایک حدیث ایک راوی یا ایک خاص سند کی بناء پر مشہور ہوتی ہے۔ بعض واضعین (حدیثیں گھڑنے والے) راوی کی جگہ ایک ایسا راوی بھرتی کر دیتے ہیں جس کی روایات عام طور سے مقبول ہوتی ہیں۔[4] مثلاً ایک حدیث سالم بن عبداللہ[5] سے مروی ہو اور اس کی جگہ نافع[6] کا نام درج کر دیا جائے یا ایک سند کے بجائے دوسری سند ذکر کی جائے۔

مثلاً حماد بن عمرو نصیبی کذاب[7] اعمش سے روایت کرتا ہے وہ ابو صالح سے اور وہ

---

۱ شرح نخبہ ص ۲۲

۲ الباعث الحثیث ص ۹۷ بحوالہ شرح نخبہ ص ۲۲

۳ شرح نخبہ ص ۲۲

۴ التوضیح ج ۲ ص ۹۹

۵ سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب القرشی العدوی سادات تابعین اور علمائے کبار میں سے تھے یہ مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۰۶ھ میں وفات پائی [تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۳۶]

۶ نافع تابعین مدینہ کے امام تھے ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے یہ ابھی بچہ ہی تھے کہ کسی لڑائی میں عبداللہ بن عمر کے ہاتھ آ گئے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثوں کی تعلیم دینے کے لئے ان کو مصر بھیجا۔ یہ بڑے ثقہ راوی اور کثیر الروایہ تھے۔ ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔ [التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۲]

۷ بخاری نصیبی کو منکر الحدیث اور نسائی متروک کہتے ہیں۔ جوزقانی کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا۔ ابن حبان اس کو واضع قرار دیتے ہیں [المیزان نیز التوضیح ج ۲ ص ۱۰۱]

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ''جب راستہ میں تمہاری ملاقات مشرکین سے ہو تو ان کو پہلے سلام نہ کہو''[1] حماد نے یہ حدیث بدل دی اور اسے اعمش کی روایت قرار دیا۔ حالانکہ معروف روایت سہیل بن ابی صالح از والد خود از ابی ہریرہ ہے۔[2]

اکثر محدثین احادیث کو بدل کر رواۃ حدیث کا امتحان لیا کرتے تھے[3] ان کا مقصد حدیثیں وضع کرنا نہ تھا اور نہ یہ کہ ان کی تبدیل کردہ روایت بدستور موجود رہے۔ وہ صرف یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ فلاں راوی کو اپنے حافظہ پر کس حد تک اعتماد ہے اور آیا وہ کسی کی غلط بات قبول کرتا ہے یا نہیں؟[4]

خطیب بغدادی احمد بن منصور روبازی سے روایت کرتے ہیں۔ احمد کا بیان ہے کہ میں امام احمد اور یحییٰ بن معین رحمہما اللہ کی رفاقت میں عبدالرزاق کے پاس گیا۔ جب کوفہ پہنچے تو یحییٰ بن معین نے احمد بن حنبل سے کہا میں ابونعیم کا امتحان لینا چاہتا ہوں امام احمد نے روکا مگر وہ باز نہ رہے۔ انہوں نے ابونعیم کی روایت کردہ تیس حدیثیں ایک کاغذ پر لکھیں۔ ہر دس احادیث پر ایک حدیث کا اضافہ کر دیا جو ابونعیم کی روایت کردہ نہ تھی۔ پھر ہم ابونعیم کے یہاں آئے۔ وہ ہماری طرف آئے اور اپنے مکان کے سامنے ایک چبوترے پر بیٹھ گئے۔ امام احمد کو دائیں اور یحییٰ کو بائیں جانب بٹھایا۔ میں نیچے بیٹھ گیا۔ یحییٰ نے ابونعیم کو دس حدیثیں پڑھ کر سنائیں۔ ابونعیم خاموش رہے پھر گیارہویں حدیث سنائی تو ابونعیم نے کہا ''یہ حدیث میں نے روایت نہیں کی اس کو مٹا دیجئے۔''

پھر دوسری دس حدیثیں سنائیں اور گیارہویں حدیث پڑھی تو ابونعیم نے کہا ''یہ

---

1. امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث بروایت شعبہ و ثوری و جریر و ابن عبد الحمید و عبد العزیز از سہیل بیان کی ہے۔ [التوضیح ج ۲ ص ۱۰۱]
2. الجامع ج ۱ ص ۱۷
3. التوضیح ج ۲ ص ۱۰۲
4. التدریب ص ۱۰۷

Marfat.com

بھی میں نے روایت نہیں کی اس کو مٹا دیجئے'' پھر آخری دس حدیثیں سنائیں اور تیسری پڑھی۔ یہ دیکھ کر ابونعیم غصے سے لال پیلے ہو گئے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کلائی پکڑ کر کہا ''یہ متقی آدمی ہے اس لئے اس سے ایسی حرکت سرزد نہیں ہو سکتی۔'' پھر میری (احمد بن منصور کی) جانب اشارہ کر کے کہا ''یہ معمولی آدمی ہے یہ بھی ایسا نہیں کر سکتا'' پھر یحییٰ کی جانب متوجہ ہو کر کہا ''بدکار یہ تمہاری شرارت معلوم ہوتی ہے'' پھر ٹانگوں سے دھکیل کر یحییٰ بن معین کو چبوترہ سے اتار دیا اور اٹھ کر گھر کو چل دیا۔ امام احمد نے یحییٰ بن معین سے کہا ''میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ یوں نہ کیجئے یہ بڑا ثقہ راوی ہے'' یحییٰ نے کہا ''یہ دھکے مجھے سفر سے زیادہ عزیز ہیں۔''[1]

مگر نقاد حدیث اس قسم کی فریب دہی کو پسند نہیں کرتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتوں سے منع کیا ہے۔[2] چنانچہ جب شعبہ نے ابان بن ابی عیاش کی مرویات کو الٹ پلٹ کر دیا تو مشہور محدث ''حرمی'' نے شعبہ پر اعتراض کیا اور کہا تھا ''اس نے بہت برا کیا۔''[3]

حدیث مقلوب کی پہچان کے لئے وسعت علم اور روایات و اسانید میں مہارت تامہ کی ضرورت ہے۔ جب قلب کے باوصف محدث احادیث کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو جائے تو اس سے اس کی مہارت حدیث کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

واقعہ امتحان امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

اس ضمن میں خطیب بغدادی نے امام بخاری کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس سے امام موصوف کی عظمت و جلالت ہماری نگاہ میں دو بالا ہو جاتی ہے۔ خطیب ذکر کرتے ہیں کہ جب امام بخاری وارد بغداد ہوئے تو علمائے بغداد جمع ہوئے انہوں نے ایک صد احادیث کے اسانید و متون کو باہم گڈمڈ کر دیا۔ ایک حدیث کے متن کے ساتھ دوسری

---

[1] التوضیح ج ۲ ص ۱۰۲۔ ۱۰۳

[2] کتاب مذکور ص ۱۰۲

[3] التدریب ص ۱۰۷

Marfat.com

سند لگا دی۔ علیٰ ہذا القیاس سب احادیث کو کھچڑی بنا۔ دس آدمیوں کو دس حدیثیں دے کر کہا کہ جناب امام مجلس میں تشریف فرما ہوں تو باری باری یہ حدیثیں پیش کریں۔ ایک وقت معین طے پایا۔ اس مجلس میں دیار غیر مثلاً خراسان وغیرہ اور خاص بغداد کے محدثین جمع ہو گئے۔ جب مجلس جم گئی تو ان دس آدمیوں میں سے ایک شخص حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک حدیث کے بارے میں پوچھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "مجھے نہیں معلوم" پھر دوسری حدیث کے بارے میں دریافت کیا۔ امام نے وہی جواب دہرایا۔ دس حدیثوں کا یہی حشر ہوا۔ بخاری وہی الفاظ دہراتے چلے گئے۔ مجلس میں جو سمجھ دار لوگ بیٹھے تھے وہ تاڑ گئے کہ آدمی سمجھ دار ہے۔ جو زیادہ دانش مند نہ تھے وہ سمجھے "امام بخاری یہ حدیثیں سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔" پھر دوسرا آدمی آگے بڑھا اور ایک حدیث کے بارے میں پوچھنے لگا۔ امام بخاری نے وہی جواب دیا چنانچہ اس نے بھی دس حدیثیں سنا دیں۔ مگر امام کے جواب میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ خلاصہ یہ کہ دس آدمیوں نے باری باری سب حدیثیں سنا دیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سب کے جواب میں "لَا اَعْرِفُهٗ" کہتے گئے۔

جب امام بخاری نے سمجھ لیا کہ اب اور کوئی شخص باقی نہیں رہا تو پہلے شخص کی طرف متوجہ ہو کر کہا آپ کی پہلی حدیث یوں تھی' دوسری اس طرح اور تیسری اس طرح۔ یہاں تک کہ دس احادیث صحیح حالت میں بیان کر دیں ہر حدیث کے ساتھ اس کا اصلی متن اور سند لگا دی۔ دوسرے آدمیوں کے ساتھ بھی یونہی کیا۔ یہ دیکھ کر سب لوگوں نے آپ کی زبردست قوت حافظہ کو تسلیم کر لیا اور آپ کے آگے گردن تسلیم خم کر دی[1]

حدیث مقلوب کے ضعیف ہونے کی وجہ ضبط کی کمی ہے۔ اس لئے کہ اس میں تقدیم و تاخیر اور یہ تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں حدیث مقلوب کے فہم و ادراک میں دشواری پیدا ہو جاتی ہے اور سامع غلطی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔[2]

---

[1] التدریب ص ۱۰۶' ۱۰۷ نیز التوضیح ج ۲ ص ۱۰۴ والفیہ سیوطی حاشیہ ص ۱۲۲

[2] التوضیح ج ۲ ص ۱۰۳

Marfat.com

۸ شاذ

حدیث شاذ کی تعریف بڑی دشوار ہے' یہی وجہ ہے کہ اس ضمن میں علماء نے مستقل کتب تصنیف نہیں کیں۔ البتہ یہ درست ہے کہ شاذ میں زیادہ تر دو باتیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ [۱] انفراد [۲] مخالفت

حدیث شاذ[۱] کی عام تعریف یہ ہے کہ

''وہ حدیث جس میں ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہو۔''[۲]

اور اگر زیادہ دقیق انداز تعبیر و بیان اختیار کیا جائے تو ''شاذ سے وہ حدیث مراد ہوتی ہے جس میں ایک مقبول راوی اپنے سے افضل راوی کی مخالفت کر رہا ہو''

حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ حدیث شاذ کی اصطلاحی اور قابل اعتماد تعریف یہی ہے۔[۳]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ صدر تعریف میں دو مشہور اصطلاحوں کے درمیانی بعد کو امکانی حد تک دور کرنے کی کوشش کی ہے ان دونوں اصطلاحوں میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ[۴] اور دوسری حاکم کی جانب منسوب ہے۔

---

۱ اس حدیث کو شاذ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جمہور سے شاذ (منفرد۔ الگ تھلگ) ہوتی ہے۔ [التوضیح ج ۱ ص ۳۷۷]

۲ التدریب ص ۸۱

۳ شرح نخبہ ص ۱۴

۴ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ صاحب مذہب اور کثیر التصانیف امام تھے۔ آپ نے روئے زمین کو علم دین سے معمور کر دیا۔ آپ کا نام نامی و اسم گرامی محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہے۔ شافع کی جانب منسوب کر کے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے۔ آپ قرشی مطلبی اور مکی الاصل تھے۔ کنیت ابو عبداللہ تھی۔ آپ کی والدہ بنی ازد سے تھیں۔ آپ نے امام مالک سفیان بن عیینہ عبدالمالک بن ماجشون سے حدیث پڑھی۔ مسلم بن خالد زنجی سے فقہ کا درس لیا۔ آپ نے حدیث تفسیر اور فقہ و ادب پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں ان میں سے ''الرسالہ'' ''الام'' اور ''المبسوط'' خاص طور سے مشہور ہیں مصر میں ۲۰۴ھ میں بعمر ۵۴ سال وفات پائی۔

Marfat.com

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حدیث شاذ کا مطلب یہ نہیں کہ ثقہ راوی وہ روایت بیان کرے جو دوسرا کوئی راوی نہ کرتا ہو۔ بخلاف ازیں حدیث شاذ سے مراد یہ ہے کہ ثقہ راوی ایک ایسی حدیث بیان کرے جو سب لوگوں کے خلاف ہو۔"[1]

امام شافعی کی مذکورہ بالا تعریف میں "لوگوں" سے ثقہ راوی مراد ہیں۔ گویا ان کی بیان کردہ تعریف کا خلاصہ یہ ہوا کہ "حدیث شاذ وہ ہے جس میں ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہو" اس سے واضح ہوتا ہے کہ شاذ کی تعریف میں امام شافعی صرف تفرد کو پیش نظر نہیں رکھتے بلکہ بیک وقت تفرد اور مخالفت دونوں کو ضروری سمجھتے ہیں۔ البتہ امام موصوف نے یہ شرط نہیں لگائی کہ ثقہ راوی اوثق و اولیٰ راوی کی مخالفت کرے۔ بلکہ صرف ثقات کی مخالفت کہا ہے۔

کثیر علماء حجاز نے اسی اصطلاح کو قبول کیا ہے۔ ابن الصلاح نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ ابن کثیر نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جب ثقہ راوی ایسی روایت بیان کرے جو کسی اور نے نہ کی ہو اور وہ راوی حافظ و ضابط بھی ہو تو اس کی روایت کو قبول کیا جائے گا کیونکہ اگر اس حدیث کو رد کر دیا جائے تو بہت سی احادیث کا مردود ہونا لازم آئے گا۔ اور بہت سے مسائل بلا دلائل رہ جائیں گے۔[2]

امام ابن قیم[3] پر زور الفاظ میں اس کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"حدیث شاذ سے مراد یہ ہے کہ ایک راوی دوسرے ثقہ راویوں کی مخالفت کرے جب ثقہ راوی ایک منفرد روایت بیان کرے اور ثقہ راویوں نے اس کی مخالفت نہ کی ہو تو اس کو شاذ نہیں کہتے اور اگر ایسی حدیث کو شاذ کہا بھی جائے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ اصلی اصطلاح اس سے ناقابل قبول ہو جائے گی۔"[4]

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۹ نیز التدریب ص ۸۱ والتوضیح ج ۱ ص ۳۷۷

۲۔ اختصار علوم الحدیث ص ۶۲۔۶۳

۳۔ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریز الزرعی الدمشقی بہت بڑے امام حدیث تھے۔ آپ ابن قیم الجوزیہ کے لقب سے مشہور تھے آپ حنبلی المسلک تھے۔ ۷۵۱ھ میں وفات پائی۔

۴۔ اغاثۃ اللہفان ص ۱۶۰۔

Marfat.com

امام حاکم فرماتے ہیں:

"حدیث شاذ وہ ہے جس کے روایت کرنے میں ایک ثقہ راوی منفرد ہو اور اس کی تائید دوسری کسی روایت سے نہ ہوتی ہو۔"[1]

امام حاکم صراحۃً حدیث شاذ میں تفرد کی قید لگاتے ہیں وہ مخالفت کی شرط عائد تو کرتے ہیں مگر صراحۃً نہیں۔

اگر ثقہ راوی کی روایت کی تائید کسی اور حدیث سے ہوتی ہو تو ثقات کی مخالفت کا سوال پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں امام حاکم حدیث شاذ میں موید حدیث کے نہ ہونے کی شرط لگاتے ہیں تو گویا مخالفت کا مفہوم ان کے یہاں ضمناً معتبر سمجھا گیا ہے دور جانے کی ضرورت نہیں امام حاکم نے حدیث شاذ کی تعریف میں خود ہی یہ حقیقت الم نشرح کر دی ہے چنانچہ اپنی تعریف سے متصل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تعریف لا کر اس ضمن میں تمام شکوک وشبہات کو صاف کر دیا ہے۔ اور یہ بات واضح کر دی ہے کہ ان کی اپنی اور امام شافعی دونوں کی تعریف میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ دونوں تعریفوں میں امام حاکم کے نزدیک اس حد تک تماثل وتشابہ پایا جاتا ہے کہ انہوں نے حدیث شاذ کی صرف ایک مثال بیان کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر چاہو تو اس کو ان (حاکم) کی بیان کردہ تعریف کی مثال بنا لو۔ اور اگر چاہو تو یوں کہو کہ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کی مثال ہے۔

امام حاکم نے حدیث شاذ کی مثال کے طور پر یہ روایت بیان کی ہے کہ ابو بکر محمد بن احمد موسیٰ بن ہارون سے وہ قتیبہ بن سعید سے وہ لیث بن سعد سے وہ یزید بن ابی حبیب سے وہ ابو الطفیل سے اور وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں جب آفتاب کے ڈھلنے سے قبل کوچ کرتے تو ظہر کو موخر کر کے عصر کے ساتھ ملا کر پڑھتے۔ اور جب آفتاب ڈھلنے کے بعد عازم سفر ہوتے تو ظہر وعصر دونوں نمازیں ادا کر لیتے پھر سفر پر روانہ ہوتے جب مغرب سے قبل کوچ

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۹

Marfat.com

کرتے تو مغرب کو موخر کر کے عشاء کے ساتھ ادا کرتے۔ اور جب مغرب کے بعد سفر پر روانہ ہوتے تو عشاء کو مغرب کے ساتھ ملا کر پڑھ لیتے۔

امام حاکم مذکورہ صدر حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس حدیث کے راوی اگر چہ ثقہ ہیں مگر اس کا متن و اسناد دونوں شاذ ہیں۔ علاوہ ازیں ہم اس میں کوئی علت بیان نہیں کر سکتے۔ اگر لیث اس حدیث کو ابوالطفیل سے روایت کرتے تو اس کی وجہ سے ہم حدیث کو معلل ٹھہراتے۔ یا یزید بن ابی حبیب ابوالزبیر سے روایت کرتے تو بھی ہم اس کو معلول قرار دیتے۔ جب اس میں یہ دونوں علتیں نہیں پائی جاتیں تو اس کو معلل ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے پھر جب ہم نے غور کیا تو دیکھا کہ یزید بن ابی حبیب کی ابوطفیل سے کوئی روایت ثابت نہیں نیز یہ کہ ابوالطفیل کے شاگردوں میں سے کوئی بھی اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان نہیں کرتا۔ اور نہ ان لوگوں میں سے اس کی کوئی تائید کرتا ہے جنہوں نے یہ حدیث بروایت معاذ بن جبل از ابوالطفیل بیان کی ہے۔ اس لئے ہم نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ یہ حدیث شاذ ہے۔''[1]

امام حاکم نے اس امر کی انتہائی کوشش کی ہے کہ حدیث زیر تبصرہ کو معلل نہ کہا جائے انہوں نے صراحۃً کہا ہے کہ اس کی کوئی علت ہمارے علم میں نہیں آئی لہٰذا اس حدیث کو معلول ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کی وجہ امام حاکم کا یہ شعور واحساس ہے کہ حدیث شاذ میں جو صعوبت پائی جاتی ہے وہ معلل میں بھی موجود ہوتی ہے کسی حدیث کے ناقد کو بسا اوقات یہ بات کھٹکتی ہے کہ فلاں بات غلط ہے مگر وہ دلیل دے کر اسے منوا نہیں سکتا۔[2] اسی لئے امام حاکم کو معلل و شاذ کے درمیان فرق کرنا پڑا۔

امام حاکم فرماتے ہیں:

---

1. معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۹۔۱۲۰

2. التدریب ص ۸۱ نیز الفیہ سیوطی حاشیہ ص ۹۲

Marfat.com

''معلول اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی علت معلوم ہو یا ایک حدیث دوسری میں داخل ہو گئی ہو یا راوی سے وہم سرزد ہوا ہو۔ یا ایک راوی نے روایت مرسلاً بیان کی ہو اور وہم کرنے والے نے اسی کو موصولاً بیان کر دیا۔[۱] اگرچہ حدیث معلل کی علت پوشیدہ ہوتی ہے تاہم اس سے باخبر ہونا ممکن ہوتا ہے۔ مگر شاذ معلل کی نسبت دقیق تر ہوتی ہے اور اس کا پتہ چلانا بہت مشکل ہوتا ہے اس کا فیصلہ وہی صادر کر سکتا ہے جو اس فن میں وسیع تجربہ رکھتا ہو۔ ذہین و فطین ہو اور اس علم میں اللہ تعالیٰ نے اسے انتہائی عمدہ ملکہ عطا کیا ہو۔''[۲]

حدیث شاذ میں دشواری اس لئے پیش آتی ہے کہ یہ فیصلہ صادر کرنا نہایت مشکل ہے کہ فلاں حدیث کی تائید دوسری کسی روایت سے نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اس امر کا انحصار نہایت گہری طلب و تلاش اور تحقیق پر ہے۔

غالباً امام حاکم نے حدیث شاذ میں جس باریک بینی اور دقت و صعوبت کا ذکر بڑے مبالغہ آمیز طریقہ سے کیا ہے اسی بناء پر ان کو حدیث شاذ کی تعریف میں متفرد اور جمہور کی رائے سے الگ خیال کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن الصلاح حاکم کے نظریہ کی تضعیف کرتے اور حدیث ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' کی بناء پر ان کی بیان کردہ تعریف پر اعتراض وارد کرتے ہیں۔

حدیث ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' کے روایت کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ متفرد ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے صرف علقمہ اور ان سے صرف محمد بن ابراہیم نے روایت کی اور ان سے صرف یحییٰ بن سعید انصاری نے۔[۳] ہم وہ غیر مشہور روایات قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں جو علماء اس حدیث کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ نقاد

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۹

۲۔ التوضیح ج ۱ ص ۳۷۹

۳۔ اختصار علوم الحدیث ص ۶۱

Marfat.com

حدیث کے تبصرہ سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ مذکورہ صدر حدیث متابعات و شواہد کے باوصف صرف اسی سند سے صحت کے درجہ کو پہنچتی ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔[1]

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے تیرہ مختلف سندات سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ ان کے اہل شہر جب ان مختلف سندات کا پتہ چلانے میں ناکام رہے تو انہوں نے ابن العربی کو ہدف طعن بنانا شروع کیا۔

ایک شاعر کہتا ہے۔

یا اهل حمص[2] و من بها اوصیکم
بالبر و التقویٰ وصیة مشفق
فخذوا عن العربی اسماء الدجی
و خذوا الروایة من امام متقی
ان الفتیٰ ذرب اللسان مهذب
ان لم یجد خبرا صحیحا یخلق

① اے حمص (اشبیلیہ) والو میں تمہیں ایک مشفق کی طرح نیکی اور تقویٰ کی نصیحت کرتا ہو۔

② عرب والوں سے تاریکی کے نام سیکھو (عربی زبان سیکھو) اور حدیث کا علم ایک متقی امام (ابن العربی) سے حاصل کرو۔

③ یہ نوجوان (ابن العربی) بڑا تیز زبان اور شائستہ ہے اگر اس کو کوئی صحیح روایت نہ ملے تو یہ خود بھی حدیثیں گھڑ لیتا ہے۔

جب مذکورہ صدر حدیث امام حاکم کی رائے کے مطابق حدیث شاذ کی مثال نہیں بن سکتی ...... اس لئے کہ اگر چہ یہ روایت متفرد ہے۔ تاہم صحیح ہے اور صحیح حدیث شاذ نہیں ہو سکتی[3] ...... تو بکثرت احادیث ایسی ہیں جن کو جمہور نے شاذ کی مثال کے طور پر ذکر کیا

---

[1] ہم قبل ازیں اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔
[2] حمص سے اشبیلیہ کا شہر مراد ہے کیونکہ ابن العربی اسی شہر میں رہتے تھے اشبیلیہ کا دوسرا نام حمص بھی ہے۔
[3] التوضیح ج ۱ ص ۳۸۱

Marfat.com

ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ امام حاکم نے شاذ کی جو تعریف کی ہے وہ بھی ان پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ متابعات و شواہد کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ان میں ثقات کی مخالفت موجود ہے۔ اس کی واضح ترین مثال ابوداؤد اور ترمذی کی وہ حدیث ہے جو عبدالواحد بن زیاد اعمش سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ ''جب تم میں سے کوئی فجر کی دو رکعتیں پڑھ لے تو دائیں پہلو پر لیٹ جائے۔''

مشہور محدث امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ[1] فرماتے ہیں

> عبدالواحد نے اس روایت میں بہت سے راویوں کی مخالفت کی ہے۔ اس لئے کہ دیگر راویان حدیث نے فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنے کو آپ کے فعل کی حیثیت سے روایت کیا ہے قول کے طور پر نہیں۔ صرف عبدالواحد نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے۔''[2]

نقاد حدیث اس ضمن میں ابویعلی خلیلی[3] کی تعریف کا ذکر بھی کرتے ہیں جو انہوں نے دیگر حفاظ حدیث سے نقل کی ہے۔ ان کے خیال میں حدیث شاذ وہ ہے جس کی ایک ہی سند ہو۔ خواہ اس کو روایت کرنے والا ثقہ ہو یا غیر ثقہ۔ ثقہ راوی حدیث شاذ روایت کرے گا تو اس میں توقف کیا جائے گا اور اس سے احتجاج نہیں کیا جائیگا۔ اسی طرح غیر ثقہ راوی کی حدیث شاذ کو بھی رد کر دیا جائے گا۔[4]

---

1. امام بیہقی کا نام احمد بن حسین بن علی اور کنیت ابوبکر ہے بیہق نیسابور سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر چند دیہات کا نام ہے۔ امام بیہقی کثیر التصنیف تھے۔ بعض علماء کے نزدیک آپ نے ایک ہزار کتابیں تحریر کیں۔ ان میں سے السنن الکبریٰ اور دلائل النبوۃ زیادہ مشہور ہیں۔ امام بیہقی نے ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔ [الرسالۃ المستطرفۃ ۲۵۔۲۶]
2. التدریب ص ۸۲۔ یہ شاذ المتن کی مثال ہے کیونکہ عبدالواحد ان الفاظ کے روایت کرنے میں منفرد ہیں باقی راویوں نے اس کو آپ کا فعل بتایا ہے قول نہیں۔
3. قاضی حافظ خلیل بن عبداللہ قزوینی متوفی ۴۴۶ھ۔ آپ نے ایک کتاب ''الارشاد فی علماء البلاد'' تصنیف کی۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے زمانہ تک محدثین اور علماء کا ذکر ترتیب بلاد کے اعتبار سے کیا ہے۔ پھر ابن قطلوبغا نے اس کو مردت کے مطابق مرتب کیا۔ ابن قطلوبغا نے ۸۷۹ھ میں وفات پائی۔ [الرسالۃ المستطرفۃ ص ۹۷]
4. اختصار علوم الحدیث ص ۶۱

Marfat.com

ابن الصلاح کو چاہئے تھا کہ جس طرح انہوں نے حاکم کی رائے کی تضعیف کی تھی اسی طرح خلیلی کے نظریہ کی بھی تردید کرتے۔ مگر خلیلی اور امام حاکم کے نظریات میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ امام حاکم کی رائے کو جمہور کے نظریہ کے مطابق وموافق قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر خلیلی کی رائے کسی طرح بھی جمہور کے نظریہ سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتی۔[1] خلیلی صرف تفرد کو حدیث کے شاذ ہونے کیلئے کافی خیال کرتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ کسی حدیث کی مخالف بھی ہو۔ جب کہ جمہور کے نزدیک حدیث شاذ میں تفرد اور مخالفت ثقات دونوں شرطیں معتبر ہیں۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خلیلی نے شاذ کی یہ تعریف از خود نہیں کی بلکہ حفاظ حدیث کے قول کو نقل کر دیا ہے۔ اس لئے یہ تعریف خلیلی کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ شاذ کی وہی تعریف ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی اور جمہور نے اسے اختیار کیا۔ خلیلی نے صرف یہ کیا کہ علماء کی رائے کو امانت و دیانت سے نقل کر دیا۔[2]

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگر خلیلی کی بیان کردہ تعریف کو درست تصور کیا جائے تو اس سے بڑے خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس کے پیش نظر بعض اوقات لازم آئے گا کہ حدیث صحیح بھی شاذ ہو۔ حالانکہ ہم نے حدیث صحیح کی تعریف میں یہ شرط عائد کی تھی کہ صحیح حدیث جس طرح ہر علت سے پاک ہوتی ہے اسی طرح وہ شذوذ سے بھی سالم ہوتی ہے۔ البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح محدث خلیلی حدیث صحیح کو معلول بھی کہتے ہیں اور اصطلاح کے دائرہ میں محدود نہیں رہے اسی طرح جب ثقہ راوی کسی روایت کے ذکر کرنے میں شاذ اور متفرد ہو تو وہ اس کو بھی عام اصطلاح کے خلاف حدیث صحیح و شاذ کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خلیلی حدیث شاذ کی ایک انوکھی اور نرالی تعریف کرنے کے باوجود جمہور کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ان کی رائے بھی جمہور سے ملتی جلتی ہے۔ اور اس سے ہمارے اس اعتماد کو تقویت بہم پہنچتی ہے کہ خلیل نے جمہور ہی کی رائے نقل کی ہے۔

مذکورہ صدر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث شاذ کی تعریف میں تفرد اور مخالفت

---

[1] التدریب ص ۸۱ [2] اختصار علوم الحدیث ص ۶۱

[3] التوضیح ج ا ص ۳۸۴

Marfat.com

دونوں شرائط کا عائد کرنا ضروری ہے۔ اور انہی دو وجوہات کی بنا پر حدیث شاذ صحیح حدیث سے جدا ہو کر احادیث ضعیفہ میں شمار ہونے لگتی ہے۔ اب یہ بات باقی رہی کہ جب ثقہ یا غیر ثقہ راوی کسی حدیث کے روایت کرنے میں متفرد ہو البتہ اس کی روایت کسی دوسری روایت کے خلاف نہ ہو تو ایسی روایت تفرد مطلق کی ایک نوع ہے۔ یاد رہے کہ حدیث فرد میں تفرد مطلق ہی کا نقص و عیب پایا جاتا ہے۔ ہم حدیث فرد کو صحیح حسن اور ضعیف کے مشترک اقسام میں ذکر کریں گے۔ فرد کو حدیث شاذ میں مدغم کرنے کی کوئی وجہ جواز نظر نہیں آتی۔[1]

باقی رہی یہ بات کہ جب ثقہ راوی کسی روایت کے بیان کرنے میں متفرد ہو تو اس میں توقف سے کام لیا جائے اور جب غیر ثقہ راوی متفرد ہو تو اس حدیث کو رد کر دیا جائے ان دونوں امور کا تعلق احتجاج و عدم احتجاج کے ساتھ ہے۔ اور حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو حدیث احتجاج و استدلال کی صلاحیت رکھتی ہو اس کو ہم نے احادیث صحیحہ اور حسن میں شمار کیا ہے صحیح اور حسن کے علاوہ احادیث صحیحہ احتجاج کے قابل نہیں بلکہ مردود ہیں ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اوصاف و القاب کا تنوع و تخالف ضروری نہیں کہ ہمیشہ اقسام و اصطلاحات سے ہم رنگ و ہم آہنگ ہی ہو۔[2]

۹ منکر:

حدیث منکر[3] کی دقیق ترین تعریف یہ ہے کہ منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو

---

۱ دیکھئے کتاب ہذا [علوم الحدیث] میں حدیث معلل کی بحث

۲ ہم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں کہ حدیث شاذ کی تعریف میں ہم کو متخالف و متعارض نظریات و افکار کے بیان کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ورنہ ہم نے وعدہ کر رکھا ہے کہ جدل و نزاع سے امکانی حد تک احتراز کریں گے۔ چونکہ شاذ کی تعریف میں بظاہر تناقض و تضاد نظر آتا ہے اس لئے ہم نے طوالت سے کام لیا۔ للہ الحمد کہ ہم بظاہر متخالف نظریات میں اتحاد و یگانگت ثابت کرنے میں کامیاب رہے ہیں اس لئے کہ بحث و جدل میں الجھے بغیر دونوں میں سے ایک نظریہ پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

۳ منکر انکر ماضی سے اسم مفعول ہے۔ اس کے معنی ہیں انکار کرنا اور پہچان نہ کرنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین اصطلاحی الفاظ میں لغوی مفہوم کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔

Marfat.com

ضعیف راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرتے ہوئے بیان کرتا ہے۔ حدیث منکر شاذ سے مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ شاذ کا راوی ثقہ ہوتا ہے اور منکر کا روایت کنندہ ضعیف اور غیر ثقہ ہوتا ہے۔ حدیث منکر کی مقابل کو معروف اور حدیث شاذ کی ضد کو محفوظ[1] کہتے ہیں۔ اس لئے کہ منکر کا راوی جس حدیث کی مخالفت کرتا ہے وہ جانی پہچانی اور مشہور ہوتی ہے۔ اگرچہ محفوظ نہیں ہوتی کیونکہ حفظ وضبط ایک درجہ کا نام ہے جس سے ضعیف حدیث کے راوی کو دور کی مناسبت بھی نہیں ہوتی۔

بخلاف ازیں حدیث شاذ کا راوی ثقہ ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ تر حافظ و ضابط بھی ہوتا ہے۔ مگر وہ جس راوی کی مخالفت کرتا ہے وہ حفظ واتقان میں اس سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ تو گویا شاذ کا راوی مشہور حدیث کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ اس حدیث کی جو محفوظ ہوتی ہے اور اس کا راوی صاحب ضبط واتقاق ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''حدیث صحیح وحسن کے راوی کی زیادت قبول ہے بشرطیکہ وہ اس راوی کے خلاف نہ ہو جو اس سے زیادہ ثقہ ہو۔ اگر ایسا راوی اس کی مخالفت کرتا ہو جو حفظ وضبط کی زیادتی یا کثرت عدد یا کسی اور وجہ ترجیح کی بنا پر اس کے مقابلہ میں راجح ہو تو اندریں صورت راجح کو محفوظ اور مرجوح کو شاذ کہیں گے۔ اگر حدیث ضعیف اس کی مخالف ہو تو راجح کو معروف اور اس کے مقابل کو منکر کہیں گے۔''[2]

مگر ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ منکر وشاذ میں فرق نہیں کرتے اور دونوں کو مترادف قرار دیتے ہیں۔ ابن الصلاح نے البردیجی[3] سے منکر کی یہ تعریف نقل کی ہے۔

''منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے روایت کرنے میں کوئی شخص منفرد ہو

---

[1] ہم قبل ازیں القاب مشترکہ میں حدیث محفوظ کا ذکر کر چکے ہیں۔

[2] شرح نخبہ ص ۱۲۔۱۴

[3] حافظ ابو بکر احمد بن ہارون بردیجی آذربائیجان میں ایک شہر کا نام ہے۔ ان کو البرذعی بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

اور دوسرے کسی طریقہ سے بھی اس کی تائید نہ ہوتی ہو۔"[1]

گویا حدیث منکر میں ابن الصلاح کے نزدیک صرف تفرد کا عیب پایا جاتا ہے اور حدیث متفرد کو اکثر محدثین مردود منکر اور شاذ قرار دیتے ہیں۔[2]

تفرد علی الاطلاق کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ① مقبول ② مردود۔ جب کوئی راوی کسی حدیث کے بیان کرنے میں متفرد ہوگا تو دیکھیں گے کہ آیا وہ روایت کسی زیادہ ثقہ راوی کے خلاف تو نہیں اگر ایسا ہے تو اس کی روایت شاذ اور مردود ہوگی۔ اور اگر اس کی ذکر کردہ روایت کسی دوسرے راوی کی روایت کے خلاف نہیں۔ بلکہ سرے سے کسی اور راوی نے اس قسم کی کوئی روایت بیان ہی نہیں کی۔ تو اس منفرد راوی کو دیکھیں گے۔ اگر یہ راوی صاحب الحفظ و العدالت ضابط اور قابل اعتماد ہوا تو اس کی منفرد روایت کو بلا نقد و جرح قبول کرلیں گے اور اگر قابل اعتماد نہ ہوا تو اس کے منفرد ہونے کی بنا پر اس کی روایت کو احادیث صحیحہ میں شمار نہیں کریں گے۔[3]

ابن الصلاح نے تفرد مطلق کی قسمیں بیان کر کے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ حدیث شاذ کی جتنی قسمیں ہیں حدیث منکر بھی اتنی ہی قسموں میں منقسم ہوتی ہے۔ ان دونوں میں ارجح راوی کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ شاذ اور منکر دونوں کی دو قسمیں ہیں۔ ① مقبول ② مردود۔ مذکورہ صدر بیان کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ ابن الصلاح منکر و شاذ کو مترادف قرار دیتے ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔[4]

مگر منکر اور شاذ کو مترادف قرار دینا بعید از عقل و صواب ہے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الفیہ میں فرماتے ہیں:

اَلْمُنْكَرُ الَّذِیْ رَوٰی غَیْرُ الثِّقَةِ

---

1. التوضیح ج ۲ ص ۲-۵
2. التوضیح ج ۲ ص ۶۔
3. التوضیح ج ۲ حاشیہ ص ۴
4. التدریب ص ۸۲

Marfat.com

مُخَالِفًا فِیْ نُخْبَۃٍ قَدْ حَقَّقَہٗ
قَابَلَہٗ الْمَعْرُوْفُ وَ الَّذِیْ رَأیٰ
تَرَادُفَ الْمُنْکَرِ وَ الشَّاذِ نَأیٰ[1]

① حدیث منکر وہ ہے جو ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرتے ہوئے بیان کرے جیسا کہ (ابن حجر نے) نخبہ میں واضح کیا ہے۔

② منکر کی مقابل کو معروف کہتے ہیں جو شخص منکر اور شاذ کو مترادف قرار دیتا ہے وہ غلطی پر ہے۔

امام سیوطی نے یہ طنز ابن الصلاح پر کی ہے جو شاذ اور منکر کو مترادف قرار دینے کی وجہ سے جادہ اعتدال سے دور نکل گئے۔ حافظ ابن حجر بھی ابن الصلاح پر طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''جس نے منکر و شاذ دونوں کو ایک سمجھا اس نے غفلت کا ثبوت دیا۔''[2]

حدیث منکر کی واضح ترین مثال وہ روایت ہے جو ابن ابی حاتم[3] نے بطریق حبیب بن حبیب...... یہ حمزہ بن حبیب زیات قاری[4] کے بھائی تھے...... از ابی اسحاق از عیزار از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے زبان کی پابندی کی' زکوٰۃ ادا کی' حج کیا' روزے رکھے اور مہمان کی خاطر مدارات کی تو وہ جنت میں جائے گا۔''

ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ روایت منکر ہے کیونکہ دوسرے ثقہ راویوں نے یہ روایت ابو اسحاق سے موقوفاً بیان کی ہے۔ اور یہ روایت اس کے مقابلہ میں معروف ہے۔[5]

---

١ الفیہ سیوطی ص ۹۳ دیکھئے شعر نمبر ۱۸۰۔ ۱۸۱

٢ شرح نخبہ ص ۱۴

٣ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر رازی شہر رے کے عظیم حافظ حدیث تھے آپ کی مسند ایک ہزار اجزاء پر مشتمل ہے۔ [الرسالۃ المستطرفہ ص ۵۴]

٤ یہ قراء سبعہ میں سے ایک تھے یہ عکرمہ بن ربیع کے آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے اعمش سے درس لیا۔

٥ شرح نخبہ۔ ص ۱۴

Marfat.com

اس امر میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کہ بعض آئمہ حدیث نے محض تفرد پر بھی منکر کا اطلاق کیا ہے[۱] اس لئے حدیث منکر میں علامات انکار کا وجود ازبس ناگزیر ہے تاکہ حدیث کی دوسری صورتوں کے ساتھ منکر کا التباس لازم نہ آئے۔ چنانچہ منکر کی نمایاں علامت یہ ہے کہ جب اس کا تقابل دوسرے ثقہ راویوں کی روایت کے ساتھ کیا جائے تو حدیث منکر ان کے خلاف ہو۔ حالانکہ دوسرے راویوں کی روایت جھوٹ سے پاک ہے۔[۲]

بعض اوقات محدثین یوں بھی کہتے ہیں:

هٰذَا اَنْكَرَ مَا رَوَاهُ فُلَانٌ "اس نے فلاں روایت کی مخالفت کی ہے۔"[۳]

اگرچہ جس روایت کے بارے میں یہ الفاظ کہے جاتے ہیں وہ ضعیف نہیں ہوتی مثلاً محدث ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس راوی نے یزید بن عبداللہ بن ابی بردہ کی روایت کردہ حدیث کی مخالفت کی ہے جس میں مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امت کی بھلائی چاہتے ہیں تو اس امت کی موجودگی میں اس کے نبی کی روح قبض کر لیتے ہیں۔"

یہ سند حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کو احادیث صحیحہ میں شمار کیا ہے۔[۴]

۱۰ متروک

محدثین کی اصطلاح میں متروک اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی پر حدیث

۱۔ التوضیح ج ۲۔ ص ۶

۲۔ التوضیح ج ۲۔ ص ۷

۳۔ التدریب ص ۸۵

۴۔ التدریب ص ۸۵

Marfat.com

میں دروغ گوئی یا کسی قول و فعل کی وجہ سے فسق کا الزام عائد کیا گیا ہو۔ یا وہ غافل طبع اور کثیر الوہم ہو۔[۱]

مثلاً صدقہ بن موسیٰ کی فرقد سے روایت جو اس نے مرہ سے اور اس نے ابوبکر سے سنی۔ اسی طرح عمرو بن شمر کی جابر سے روایت جو اس نے حارث اعور سے اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنی۔[۲]

مذکورہ صدر حدیث ضعیف کی ایسی دس قسمیں ہیں جو بالکل ضعیف ہیں اگرچہ ان میں بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے اور سب کے ضعف کا درجہ مساوی نہیں ہے۔ ضعف کا یہ بعد و تفاوت حال رواۃ کے تابع ہے۔[۳] جس طرح حدیث صحیح بھی ہوتی ہے اور صحیح تر بھی۔ اسی طرح حدیثیں ضعیف بھی ہوتی ہیں اور اضعف (ضعیف تر) بھی۔ امام حاکم نے اپنی معروف کتاب ''معرفۃ علوم الحدیث''[۴] میں ضعیف اسانید و رجال کی بڑی عمدہ تفصیل بیان کی ہے۔

کیا موقوف و مقطوع روایات احادیث ضعیفہ میں شامل ہیں؟

جیسا کہ ہم نے آغاز بحث میں عرض کیا تھا ہم نے اب تک حدیث ضعیف کی صرف انہی قسموں کا ذکر کیا ہے جو کسی خاص نام سے جانی پہچانی جاتی ہیں ایسی احادیث ضعیفہ جو کسی خاص نام سے معروف نہیں ہم نے ان کی طرف صرف اجمالی اشارہ کیا ہے۔

حدیث کی ایسی قسموں کا ذکر کرنے سے قبل جن میں صحیح، حسن اور ضعیف مشترک ہیں اور ان کے مابین امتیاز قائم نہیں کیا گیا ہم دو مسئلے چھیڑنا چاہتے ہیں۔

❶ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آیا موقوف اور مقطوع روایات کو ضعیف قرار دے سکتے ہیں؟

---

۱ الفیہ سیوطی حاشیہ ص ۹۴

۲ التدریب ص ۸۴ نیز شرح نخبہ ص ۱۴ اور معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۶

۳ معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۶۔ ۵۸

۴ معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۶۔ ۵۸

Marfat.com

۲ دوسرا یہ کہ احادیث ضعیفہ کی روایت کے جواز کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ نیز آیا ان پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

موقوف

صحابی کے قول فعل یا تقریر کو موقوف کہتے ہیں۔ مثلاً راوی یوں کہے کہ ''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یوں کیا'' یا ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوں کیا'' یا ''حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے فلاں کام کیا گیا اور آپ نے منع نہ فرمایا''

خلاصہ یہ کہ حدیث مرفوع میں قول فعل یا تقریر (وہ کام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کیا گیا ہو اور آپ نے اس سے روکا نہ ہو۔) کا صدور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے۔

بخلاف ازیں موقوف روایات میں قول و فعل یا تقریر کا ماخذ و مصدر صحابی ہوتا ہے۔ اسی اساس پر بعض علماء نے موقوف روایات کو ضعیف ٹھہرایا ہے[1] اس لئے کہ مرفوع روایت کو جو تقدس حاصل ہوتا ہے وہ جلیل القدر صحابہ کی روایات کے حصہ میں نہیں آتا۔

مگر ہم اس اساس پر موقوف روایات کو ضعیف ٹھہرانے کی کوئی وجہ جواز نہیں دیکھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم کسی موقوف روایت میں صحیح یا حسن کے اوصاف دیکھ کر اس پر حدیث صحیح یا حسن ہونے کا فیصلہ صادر کرتے ہیں تو اس وقت ہمارا یہ فیصلہ حدیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں نہیں بلکہ صحابی ہی کی روایت کے بارے میں ہوتا ہے۔

بنا بریں موقوف روایت کے بارے میں صحیح یا حسن ہونے کا فیصلہ مبنی بر کذب و دروغ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہم صحابی کی جانب ایسی بات کو منسوب کرتے ہیں جو اس نے نہ کہی ہو۔ مزید برآں جب ہم موقوف روایت کو صحیح یا حسن قرار دیتے ہیں تو اس سے یہ مراد نہیں لیتے کہ ہم اس کو واجب العمل سمجھتے ہیں ہم اسی روایت پر عمل کرنے کو مباح

[1] قواعد التحدیث ص ۱۱۱

Marfat.com

سمجھتے ہیں جس کے بارے میں قطعی طور پر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اس میں رائے واجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔[1] اس لئے کہ صحابی وہی کہتا ہے وہی کرتا ہے اور اسی فعل کی تائید کرتا ہے جو آنحضور ﷺ سے ثابت ہو۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جو شخص کسی نجومی یا کاہن کے پاس آیا اس نے محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کیا۔''[2]

جب موذن اذان دے رہا ہو اور کوئی شخص مسجد سے نکل جائے تو اس کے بارے میں صحابی موصوف فرماتے ہیں:

''اس نے ابوالقاسم ﷺ کے حکم سے سرتابی کی۔''[3]

مذکورہ صدر دونوں حدیثیں موقوف ہیں مگر اس کے باوصف ان پر عمل جائز ہے تاہم جو موقوف روایات کعب الاحبار عبداللہ بن سلام اور عبداللہ بن عمرو بن العاص سے منقول ہیں ان میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ یہ ان صحابہ میں شمار ہوتے ہیں جو اسرائیلیات اور قصے کہانیوں کے ذکر و بیان میں شہرت رکھتے تھے خصوصاً وہ روایات جن میں علامات قیامت اور آخری زمانہ کے فتنوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس قسم کے واقعات سے متعلق اکثر احادیث ضعیف ہیں اگرچہ ہم ان کو موضوعات میں شمار نہیں کر سکتے۔ مگر ان کے ضعیف ہونے کا سبب یہ نہیں کہ یہ موقوف روایات ہیں۔ بلکہ ان کا ضعف شذوذ علت یا اضطراب پر مبنی ہے ورنہ یہ روایات اس قابل ہیں کہ احادیث مرفوعہ کی طرح ان کو صحیح حسن یا ضعیف کہا جاسکے جس کا انحصار ان کے متون واسانید پر ہے جس قسم کا متن یا سند ہوگی اس پر ویسا ہی حکم لگایا جائے گا۔

جب صحابی سے روایت کرنے والا یوں کہے کہ ''يَرْفَعُ الْحَدِيْثَ یا یَنْمِيهِ یا

---

۱ شرح نخبہ ص ۲۶

۲ التوضیح ج ا ص ۲۶۲

۳ کتاب مذکور ص ۲۶۸

Marfat.com

یَبْلُغُ النَّبِیَّ" تو ایسی حدیث محدثین کے نزدیک صریحاً مرفوع روایت کی طرح ہوتی ہے۔ مگر محدثین کی یہ بات درست نہیں کہ صحابہ کی تفسیر قرآن، حدیث مرفوع کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے کہ صحابہ تفسیر قرآن میں اجتہاد سے بھی کام لیتے تھے اور بعض مسائل اور فروعات میں ان کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح بعض صحابہ اہل کتاب سے اسرائیلیات روایت کرتے تھے۔

مقطوع

تابعی کے قول فعل یا تقریر کو مقطوع کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی مقطوعات کے بارے میں ایک مشہور رائے ہے اگرچہ آپ نے متعدد صحابہ مثلاً انس بن مالک اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا زمانہ پایا تھا۔ تاہم آپ صحابہ کے بارے میں صریحاً فرماتے ہیں۔

* "جو بات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو وہ بسر و چشم تسلیم ہے۔ جو باتیں ہمیں صحابہ سے پہنچی ہیں ہم ان میں سے اچھی باتیں انتخاب کرلیں گے۔ باقی رہا تابعین کا معاملہ تو وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں۔"[1]

اس سے بڑھ کر یہ کہ امام ابو حنیفہ اقوال تابعین کو ضعیف اور ناقابل احتجاج قرار دیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جس فقہی دبستان خیال کے ساتھ آپ وابستہ تھے اس میں عام طور پر یہ رجحان و میلان پایا جاتا ہے کہ قیاس ظاہر کو اقوال تابعین کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے۔[2]

مگر اس ضمن میں پسندیدہ رائے یہ ہے کہ اسناد و متن کے حالات کے پیش نظر اقوال تابعین کو صحیح حسن یا ضعیف قرار دے سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ ان کو صحیح یا حسن ٹھہرانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تابعین ہی تک محدود رہے گی۔ ان میں سے قابل احتجاج اقوال

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۵۰

[2] الباعث الحثیث ص ۵۰

Marfat.com

صرف وہی ہوں گے جو اکابر تابعین مثلاً سعید بن میتب شعبی نخعی اور مسروق رحمۃ اللہ علیہم[1] سے مروی و منقول ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اکابر صحابہ کی صحبت سے مستفید ہو چکے تھے۔

احادیث ضعیفہ کی نقل و روایت اور ان پر عمل

لوگ عموماً یہ عبارت نقل کیا کرتے ہیں کہ **یجوز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال** (فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے) اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ روایت حدیث میں سہل انگاری سے کام لیتے اور وہ حدیثیں بھی روایت کرنے لگتے ہیں جو ان کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہوتیں۔ اس طرح دین اسلام میں اکثر ایسے اعمال اور تعلیمات کا عمل دخل شروع ہو جاتا ہے جن کی شرعاً کوئی دلیل نہیں یہ عبارت یونہی سالہا سال سے زبان زد عام چلی آ رہی ہے۔ حالانکہ اس کی اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ تین ائمہ کبار کی جانب منسوب عبارت کا چربہ اور اس کی صدائے بازگشت ہے اور بس۔ وہ تین ائمہ امام احمد بن حنبل عبدالرحمٰن بن مہدی اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ ان کا قول ہے کہ

> ''جب ہم حلال و حرام کے بارے میں کوئی حدیث روایت کریں گے تو اس میں تشدد سے کام لیں گے اور جب فضائل اعمال میں کوئی حدیث روایت کریں گے تو اس میں سہل انگاری برتیں گے۔''[2]

بات یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کی جانب منسوب اس عبارت کا مطلب صحیح طور سے سمجھا

---

[1] ہم قبل ازیں ابن المسیب اور شعبی کا تعارف کرا چکے ہیں۔ امام نخعی کا نام یزید بن قیس کوفی فقیہ العراق ہے۔ آپ نے ۹۶ھ میں وفات پائی۔ جب امام شعبی کو ان کی وفات کی خبر پہنچی تو کہا ''اس نے اپنے پیچھے کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑا جو ان سے بڑا فقیہ اور صاحب علم ہو۔'' ان سے کہا گیا کہ ''حسن بصری اور ابن سیرین بھی ان سے بڑھ کر فقیہ نہیں ہیں؟'' شعبی نے کہا ''نہیں بلکہ بصرہ کوفہ حجاز اور شام میں بھی ان سے بڑا کوئی عالم موجود نہیں۔'' مسروق بن اجدع بن مالک کوفی اصحاب عبداللہ بن مسعود بڑے فقیہ سمجھے جاتے تھے۔ ۶۲ھ میں وفات پائی۔

[2] الکفایہ ص ۱۳۳

Marfat.com

نہیں گیا۔ انہوں نے جس تشدد کا ذکر کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس طرح تقابل کریں گے جس طرح حدیث صحیح ضعیف حدیث کی مقابل اور ضد ہوتی ہے۔ اور اس طرح ہم فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ سے احتجاج کریں گے۔ واقعہ یہ تھا کہ محدثین حلال وحرام سے متعلق مسائل میں سختی برتنے کے خوگر تھے اور صرف انہی احادیث سے احتجاج کرتے تھے جو صحت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتیں اور جن کو بالاتفاق صحیح قرار دیا جاتا تھا۔ بخلاف ازیں جب حلال وحرام کے علاوہ فضائل اعمال کے بارے میں حدیث روایت کرنا مقصود ہوتا تو تشدد کی ضرورت نہ سمجھتے اور صرف احادیث صحیحہ (یعنی اعلیٰ درجہ کی شرط عائد کئے بغیر) سے اخذ و احتجاج کرتے۔ بلکہ اس سے نیچے اتر کر وہ ان روایات سے بھی احتجاج کرتے تھے جو صحیح کے درجہ سے فروتر ہوتیں۔ جن کو ہم حسن کہتے ہیں اور جو اس دور میں اس نام سے معروف نہ تھیں۔ حسن کو متقدمین کے عصر وعہد میں حدیث ضعیف ہی کی ایک قسم قرار دیا جاتا تھا اگرچہ خود ان کے نزدیک بھی اس کا درجہ ان ضعیف احادیث کے مقابلہ میں بڑھ کر تھا جن کو آگے چل کر ضعیف اصطلاحی قرار دیا گیا۔[1]

اور اگر عام لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہوتے کہ فضائل اعمال میں سہل انگاری کا مطلب محدثین کرام کے نزدیک صرف یہ تھا کہ وہ اس ضمن میں احادیث حسن سے احتجاج کیا کرتے تھے جن کا درجہ احادیث صحیحہ کے بعد ہوتا ہے تو وہ یہ عبارت ہرگز نقل نہ کرتے۔

دین اسلام میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ضعیف حدیث کسی حکم شرعی یا فضائل اعمال کے لئے مصدر و ماخذ قرار نہیں دی جاسکتی۔ (اس لئے کہ حدیث ضعیف کی اساس ظن پر رکھی گئی ہے اور ظن کسی صورت میں بھی حق کی جگہ نہیں لے سکتا) پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فضائل شرعی احکام کی طرح دین کے بنیادی ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں یہ کسی طرح جائز نہیں کہ دین کی اساس و بنیاد ایسے ستونوں پر رکھی گئی ہو جو

---

[1] الباعث الحثیث ص ۱۰۱

Marfat.com

بالکل کمزور اور قوت واستحکام سے یکسر عاری ہوں۔

خلاصہ یہ کہ ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیثوں کو معمول بھی بنا سکتے ہیں اگرچہ وہ شرائط ان میں موجود بھی ہوں جن کو آسانی ڈھونڈنے والوں نے اس ضمن میں ضروری ٹھہرایا ہے۔

ان کے خیال کے مطابق یہ شرائط تین ہیں۔

① پہلی شرط یہ ہے کہ وہ روایت بہت زیادہ ضعیف نہ ہو۔

② وہ ان اصول وکلیات سے ہم آہنگ ہو جو کتاب اور سنت صحیحہ سے ثابت ہیں۔

③ اس سے قوی تر دلیل اس کی معارض نہ ہو۔

ان شروط کے باوصف ہم ضعیف حدیث کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اس لئے کہ ہم اس پر عمل کرنے سے بے نیاز ہیں ہمارے پاس احادیث حسن وصحیح کی احکام شرعیہ اور فضائل میں اس قدر کثرت ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے حدیث ضعیف کو تسلیم کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔ عدم تسلیم کی وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث ضعیف کا ثبوت ہمارے قلب وضمیر میں ہمیشہ کھٹکتا رہے گا اور ہمیں کبھی بھی اطمینان قلب حاصل نہ ہو سکے گا۔ اور اسی شک وشبہ کی وجہ سے ہم اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ حالانکہ دینی امور میں یقین واذعان کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث نبوی کے درس ومطالعہ کے دوران حدیث ضعیف کے ضعف کا کشف وبیان نہایت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے الفاظ سے احتراز واجتناب ضروری ہے جن سے سامع کو یہ تاثر حاصل ہوتا ہو کہ یہ یقینی طور پر صحیح حدیث ہے۔ مثلاً یوں نہ کہا جائے کہ "آنحضرت ﷺ نے فرمایا" کیونکہ سامع وقاری یہ سن کر اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث حسن یا صحیح ضرور ہوگی۔ بلکہ بتصریح اس کے ضعف کی نوعیت واضح کی جائے مثلاً یہ کہ اس میں اعلال اعضال (حدیث معضل) اضطراب یا شذوذ کا عیب پایا جاتا ہے بشرطیکہ ان نقائص کا ہمیں قطعی علم ہو۔ علاوہ ازیں اپنے قول کے اثبات میں محدثین کرام کی آراء کو اس حدیث کی تضعیف میں ذکر کر دینا

Marfat.com

چاہئے۔

جب ہم حدیث ضعیف کی مختلف قسموں پر غور وفکر کرتے ہیں تو یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ حدیث کا ضعف کبھی سند پر مبنی ہوتا ہے اور گاہے متن حدیث پر۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ کسی حدیث کے بارے میں ضعیف ہونے کا فیصلہ بڑی سوچ و بچار کے بعد صادر کرنا چاہئے کسی حدیث کو صرف ضعیف (بلا توضیح و تفصیل) کہہ دینے کے کوئی معنی نہیں۔ اس لئے کہ مطلقاً (بلا قید) ضعف کا اطلاق کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ ایک حدیث کو بیک جنبش قلم ایک ہی وقت میں اسناداً و متناً ضعیف قرار دیا جائے حالاں کہ اس امر کا بھی احتمال ہوتا ہے کہ ضعف صرف سند میں یا محض متن میں ہو بلکہ اس امر کا بھی امکان ہے کہ ضعف ایک خاص سند میں ہو۔ اور اس کی باقی اسانید ضعف سے پاک اور بالکل صحیح ہوں۔ لہٰذا جب ہم کسی حدیث کی ضعیف سند دیکھیں تو دقت نظر سے کام لے کر یوں کہنا چاہئے کہ "یہ حدیث اس سند کے ساتھ ضعیف ہے۔"[۱]

اور اگر کسی محدث نے اس کے متن کو ضعیف قرار دیا ہو تو یوں کہیں:

"یہ عبارت دوسری کسی صحیح سند سے منقول نہیں جیسا کہ فلاں محدث نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔"

علاوہ ازیں فقہ کی طرح حدیث نبوی میں اجتہاد کا دروازہ ابھی تک کھلا ہے اور کھلا رہے گا۔ اس لئے جو شخص حدیث کی روایت و درایت میں ماہرانہ بصیرت رکھتا ہو اور متقدمین کی طرح اس میں اجتہاد کے شرائط پائے جاتے ہوں تو وہ کسی حدیث پر ضعف کا حکم لگا سکتا ہے بشرطیکہ اس نے اس حدیث کے جمیع طرق و اسانید کا بغور مطالعہ کر لیا ہو اور اس کا ظن غالب یہ ہو کہ اس حدیث کا متن دوسری کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔

علم حدیث کا جو طالب علم اس فن میں ناپختہ کار اور مبتدی ہو۔ جب وہ ایسی روایت نقل کرنے جس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہ ہو کہ آیا صحیح ہے یا ضعیف تو اسے بڑے محتاط انداز میں یوں کہنا چاہئے کہ "آپ ﷺ سے یوں روایت کیا گیا" یا

[۱] الباعث الحثیث ص ۹۹

Marfat.com

''فلاں بات ہمیں اس طرح پہنچی'' اور یہ بات جائز نہیں کہ مشکوک الفاظ کے ساتھ کہے کہ یہ صحیح حدیث ہے اور اس کی سند بھی بیان نہ کرے۔ اس لئے کہ اس سے اس حدیث کے ضعیف ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے بلکہ پورے جزم و وثوق کے ساتھ کہے کہ ''آپ ﷺ نے یوں فرمایا''۔[1]

[1] الباعث الحثیث تعلیقات علامہ احمد شاکر ص ۱۰۰

Marfat.com

فصل : ۵

صحیح وحسن وضعیف میں مشترک اقسام

اب ہم ان مشترک اصطلاحات حدیث کا ذکر کرتے ہیں جن سے استقراء و بحث کے دوران ہم پر یہ حقیقت روشن ہوئی ہے کہ وہ ان اقسام سہ گانہ (صحیح۔حسن۔ضعیف) میں سے کسی ایک کے ساتھ مختص نہیں ہیں بلکہ ان میں تینوں اقسام کے وصف و لقب بننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔

یہ بیس اصطلاحات ہیں جن میں سے دو (موقوف ومقطوع) کا ذکر ہم کر چکے ہیں یہ دونوں قسمیں ایسی ہیں کہ صحت وضعف اور حسن تینوں کے ساتھ متصف ہو سکتی ہیں۔ باقی اٹھارہ اصطلاحات حسب ذیل ہیں:

مرفوع، مسند،متصل، مُؤَنَّن، مُعَنْعَنْ، مُعَلَّق، فرد، غریب، عزیز، مشھور،مستفیض، عالی، نازل، تابع، شاھد، مُدْرَج، مُسَلْسَل، مُصَحَّف

ہم ان سب سے بعض اصطلاحات کو تقارب و تداخل کے لحاظ سے تین قسموں اور بعض کو عکس و تقابل کے اعتبار سے دو میں تقسیم کریں گے تاکہ ان کے القاب و اوصاف میں موازنہ کیا جا سکے۔ البتہ ہم آخری تین قسموں پر مقابلۃً زیادہ طویل بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان تینوں قسموں یعنی مدرج مسلسل اور مصحف کے مابین کوئی تصادم اور کشمکش نہیں پائی جاتی اور ان کا مفہوم وضاحت وصراحت کی بناء پر مقارنہ وموازنہ سے بے نیاز ہے۔

Marfat.com

۱ــ۳ مرفوع' مسند' متصل

مرفوع

مرفوع اس قول فعل یا تقریر کو کہتے ہیں جو نبی ﷺ کی جانب منسوب ہو۔ خواہ اس کی نسبت آپ کی طرف صحابی نے کی ہو یا تابعی نے یا کسی اور نے اور خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ ہو۔[۱]

مذکورہ صدر تعریف سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ حدیث مرفوع ہمیشہ متصل ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ جب اس کی سند سے صحابی کا نام ساقط ہو جائے تو مرسل ہو جاتی ہے یا کسی اور راوی کا نام رہ جائے یا کسی مبہم شخص کا نام ذکر کر دیا جائے تو منقطع ہو جاتی ہے اور اگر دو یا دو سے زیادہ راویوں کے نام ساقط ہو جائیں تو معضل ہو جاتی ہے اور ان تینوں حالتوں (مرسل' منقطع' معضل) میں مرفوع ہونے کے باوصف ضعیف قرار پاتی ہے۔

نظر بریں کسی حدیث کے فقط مرفوع ہونے سے اس کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ کس سند سے مرفوع کے درجہ تک پہنچی ہے' تاکہ اس بات کا پتہ چل سکے کہ آیا وہ متصل ہے یا منقطع۔ نیز یہ اگر متصل ہے تو اس کے رواۃ و رجال حفظ و ضبط میں کیا درج رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث مرفوع کو ہم نے مشترک قرار دیا ہے۔ اگر اس کی سند میں انقطاع ہو گا تو حدیث ضعیف کی قسموں میں سے نوعیت انقطاع کے پیش نظر اس کا کوئی الگ نام تجویز کیا جائے گا اور اگر اس کی سند متصل ہو گی تو اس کے راویوں کے درجہ کے مطابق اس کو صحیح یا حسن کہیں گے۔

مرفوع قولی

مرفوع قولی کی مثال یہ ہے کہ صحابی کہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یوں فرماتے سنا یا آپؐ نے مجھے یہ حدیث سنائی یا آپؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے اس طرح فرمایا علیٰ ہذا القیاس۔

---

۱ التوضیح ج ۱۔ ص ۲۵۴

Marfat.com

مرفوع فعلی

مرفوع فعلی میں صحابی یوں کہتا ہے کہ "میں نے آپ ﷺ کو یوں کرتے دیکھا یا کسی اور نے مجھے بتایا کہ آپ ﷺ اس طرح کیا کرتے تھے۔"

مرفوع تقریری

مرفوع تقریری کی یہ ہے کہ صحابی کہے "میں نے آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں یوں کیا یا کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپؐ کے سامنے اس طرح کیا اور آپؐ نے اس پر اعتراض نہ فرمایا۔"[1]

- حدیث مرفوع میں صرف متن کو دیکھا جاتا ہے سند کو نہیں۔ اس لئے جو حدیث بھی نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب ہو گی اس کو مرفوع کہیں گے۔[2] قول و فعل ہو یا تقریر تینوں کو متن حدیث کہا جاتا ہے اس لئے کہ جب نگاہ صرف متن حدیث پر ہو گی تو سند کا اس کے ساتھ کچھ تعلق ہی نہیں۔

مسند

مسند اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند راوی سے لے کر آخر تک متصل ہو۔ (درمیان میں کوئی کڑی ٹوٹی ہوئی نہ ہو۔) اور وہ پیغمبر ﷺ تک پہنچ جائے۔[3]

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حدیث مسند کی تعریف میں مرفوع ہونے کی شرط غالب اکثریت کی بنا پر ہے (یعنی ہمیشہ ضروری نہیں ہے) خطیب فرماتے ہیں:

۱۔ یہ مثالیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح نخبہ ص ۲۶ میں بیان کی ہیں حافظ ابن حجر کے نزدیک یہ تینوں مثالیں مرفوع حقیقی کی ہیں جس میں اس بات کی صراحت ہوتی ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے اس کے بعد انہوں نے مرفوع حکمی کی بھی تین مثالیں بیان کی ہیں۔ دیکھئے ص ۲۷۔۲۸ ہم حدیث موقوف میں یہ مثالیں ذکر کر چکے ہیں۔

۲۔ التوضیح۔ ج ۱۔ ص ۲۵۹

۳۔ قواعد التحدیث ص ۱۰۴ نیز التوضیح ج ۱۔ ص ۲۵۸

Marfat.com

''کسی حدیث کو مسند کہنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ راوی سے لے کر مسند عنہ تک متصل ہو۔ مگر مسند کا اطلاق زیادہ تر اسی حدیث پر کیا جاتا ہے جو مرفوع ہو اور نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہو۔ اتصال سند کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ہر راوی نے اپنے اوپر والے راوی سے وہ حدیث سنی ہو۔ یہاں تک کہ وہ آخر تک پہنچ جائے۔ اگرچہ اس میں صراحۃً سماع کا ذکر نہ ہو بلکہ صرف ''عن'' کے ساتھ روایت کی گئی ہو۔''[1]

صحیح تر قول یہ ہے کہ مسند اور مرفوع دونوں مترادف نہیں ہیں اگرچہ مسند میں یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ مرفوع ہو۔ اس لئے کہ حدیث مرفوع کی سند میں انقطاع کا امکان ہوتا ہے۔ کیونکہ مرفوع میں توجہ کا مرکز حدیث کا متن ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری نہیں کہ ہر مرفوع حدیث مسند بھی ہو۔ بخلاف ازیں حدیث مسند میں رفع (مرفوع ہونا) اور اتصال (حدیث کا متصل ہونا) دونوں شرط ہیں۔ کیونکہ اس میں سند و متن دونوں کو دیکھا جاتا ہے اس لئے ہر مسند حدیث متصل بھی ہوتی ہے اس کی سند آخر تک ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لئے ہر مسند حدیث متصل بھی ہوتی ہے کیونکہ اس کا متن نبی ﷺ تک پہنچتا ہے۔[2]

اسی لئے امام حاکم کی رائے یہ ہے کہ مسند کا اطلاق ہمیشہ مرفوع متصل حدیث پر کیا جاتا ہے۔[3] امام موصوف کے نزدیک حدیث مسند کی شرط یہ ہے کہ موقوف مرسل اور معضل نہ ہو اور نہ اس کی سند میں کوئی مدلس راوی ہو۔[4] امام حاکم یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث مسند کی سند میں اس قسم کے الفاظ نہیں ہونے چاہئیں مثلاً: ''اُخْبِرْتُ عَنْ فُلَانٍ'' یا ''حُدِّثْتُ عَنْ فُلَانٍ'' یا ''بَلَغَنِیْ عَنْ فُلَانٍ'' یا ''رَفَعَهُ فُلَانٌ'' یا ''اَظُنُّهُ

---

1. الکفایہ ص ۲۱
2. التوضیح۔ ج ۱۔ ص ۲۵۹
3. التدریب ص ۶۰
4. معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۸

Marfat.com

مَرْفُوْعًا'' اس لئے کہ ان الفاظ سے اس کا اتصال قائم نہیں رہتا اور اس میں فساد رونما ہو جاتا ہے۔[1]

حدیث مسند کی لاتعداد مثالیں ہو سکتی ہیں امام حاکم نے صرف ایک مثال ذکر کی ہے جس پر باقی ہزار ہا مسند احادیث کو قیاس کیا جا سکتا ہے امام حاکم عثمان بن احمد سے وہ حسن بن مکرم سے وہ عثمان بن عمر سے وہ یونس سے وہ زہری سے اور وہ عبداللہ بن کعب بن مالک سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مسجد نبوی میں ابن ابی حدرد سے قرض کا تقاضا کیا اور ان کی آواز مسجد میں اس قدر بلند ہوگئی کہ نبی ﷺ نے سن لیا آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور پوچھا کیا آپ نے واقعی ان کا قرض دینا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! تب آپ نے یہ رقم ادا کر دی۔[2] اس سند کے تمام راویوں کا سماع ایک دوسرے سے ثابت ہے۔[3]

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ[4] نے حدیث مسند کو مرفوع کے مساوی قرار دے کر ایک انوکھے خیال کا اظہار کیا ہے ان کی رائے میں مسند اس حدیث کو کہتے ہیں جو آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہو۔ قطع نظر اس سے کہ متصل ہو یا منقطع۔[5] متصل کی مثال میں وہ امام مالک کی روایت کردہ حدیث بیان کرتے ہیں جس کو مالک نافع سے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور وہ رسول کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ منقطع کی مثال میں انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت از زہری از ابن عباس رضی اللہ عنہ از رسول کریم ﷺ ذکر کی ہے۔[6]

آخری حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث

---

[1] حوالہ مذکور ص ۱۹

[2] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۷۔ ۱۸

[3] حوالہ مذکور

[4] یوسف بن عبداللہ بن عبد الصمد بن عبد البر النمری القرطبی مصنف کتاب الاستیعاب و تمہید و جامع بیان العلم۔ آپ نے ۴۶۳ھ میں وفات پائی [شذرات الذہب ج ۳۔ ص ۳۱۴]

[5] اختصار علوم الحدیث ص ۴۸

[6] التدریب ص ۶۰

Marfat.com

مسند ہے اس لئے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب ہے۔ مگر یہ منقطع بھی ہے کیونکہ زہری کا سماع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔"[۱]

مگر ابن عبد البر کا یہ نقطۂ نگاہ محدثین کی عام روش کے خلاف ہے کیونکہ وہ مسند و مرسل کو ایک دوسرے کی ضد تصور کرتے ہیں محدثین کہتے ہیں کہ "فلاں محدث نے اس حدیث کو مسنداً روایت کیا" اور "فلاں نے اس کی روایت مرسلاً کی ہے۔"[۲]

حق بات یہ ہے کہ حدیث مسند میں انقطاع اور ارسال کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بخلاف ازیں اس میں بیک وقت رفع بھی ہوتا ہے اور اتصال بھی۔ یہ بات واضح ہے کہ رفع کی طرح اتصال بھی کسی حدیث کے صحیح ہونے کی ضمانت نہیں ہے۔[۳] اس لئے کہ کوئی حدیث صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے جب اس کے رواۃ و رجال میں حفظ و ضبط کے شرائط پائے جاتے ہوں۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔[۴]

متصل یا موصول

متصل یا موصول اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل ہو۔ خواہ وہ حدیث مرفوع ہو جو نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہو یا صحابی کی موقوف روایت ہو یا تابعی کی مقطوع روایت۔[۵]

مگر خطیب بغدادی متصل اور مسند کو مترادف قرار دیتے ہیں اور دونوں میں کوئی فرق و امتیاز روا نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک فرق صرف غلبہ استعمال کے اعتبار سے ہے اور بس[۶] ان کے خیال میں مسند زیادہ تر اس حدیث کو کہتے ہیں جو نبی کریم ﷺ سے

۱۔ التوضیح ج ۱ ص ۲۵۸

۲۔ کتاب مذکور ص ۲۵۸

۳۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۹

۴۔ دیکھئے کتاب ہذا میں حدیث صحیح کی بحث

۵۔ اختصار علوم الحدیث ص ۴۸

۶۔ التوضیح ج ۱۔ ص ۱۵۵

Marfat.com

مروی و منقول ہو۔ اس لئے رفع کی شرط مسند میں صرف غالب استعمال کے پیش نظر عائد کی جاتی ہے۔

مگر یہ خطیب کی اپنی اصطلاح ہے جس طرح مسند و متصل کو مترادف و مساوی قرار دینا ان کا ذاتی اور منفرد نظریہ ہے ان دونوں کے درمیان بھی وہ صرف کثرت استعمال کا فرق بتاتے ہیں ہم بتا چکے ہیں کہ مذہب راجح کے پیش نظر حدیث مسند میں مرفوع ہونے کی شرط حقیقی اور ہر لحاظ سے ہے۔ صرف غلبہ استعمال کی وجہ سے نہیں ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ حدیث متصل و مرفوع کی مثالیں بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ مرفوع حدیث کی جو مثالیں ہیں وہ اس کی مثالیں بھی بن سکتی ہیں۔ اسی طرح حدیث متصل جب موقوف (قول صحابی) ہو تو جملہ موقوف روایات اس کی مثالیں ہوں گی۔ ابن الصلاح متصل موقوف کی مثال میں امام مالک رحمہ اللہ کی روایت از نافع از ابن عمر از حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔[1]

جب تابعین کے اقوال ان تک پہنچ جاتے ہوں تو ان کو صرف متصل (بلا قید و علی الاطلاق) نہیں کہتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ "یہ قول سعید بن مسیب کی جانب متصل ہے" تابعی کا ذکر کئے بغیر ان کو فقط متصل کہنا اس لئے درست نہیں کہ جو روایت تابعی تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے اس کو "مقطوع" کہتے ہیں۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ مقطوع لغت اور ذوق دونوں کے لحاظ سے موصول کی ضد ہے اور اصطلاحاً یہ معیوب ہے کہ ایک لفظ کا اطلاق اس کی ضد پر کیا جائے۔[2]

مذکورہ بالا تصریحات کے پیش نظر ابن الصلاح کے حسب ذیل قول کا مطلب صاف سمجھ میں آجاتا ہے ابن الصلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جہاں متصل کا ذکر علی الاطلاق کیا جاتا ہے وہاں اس سے مرفوع اور موقوف مراد ہوتی ہے۔"[3]

---

[1] التدریب ص ۶۰

[2] التوضیح ج ا ص ۲۶۰ نیز التدریب ص ۶۰-۶۱

[3] التوضیح۔ ج ا۔ ص ۲۶۰

Marfat.com

حالانکہ ہم متصل کی تعریف میں بتا چکے ہیں کہ اس کا اطلاق مقطوع روایات یعنی اقوال تابعین پر بھی کیا جاتا ہے۔

مذکورہ صدر بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث مرفوع متصل بھی ہوتی ہے اور غیر متصل بھی۔ اسی طرح حدیث متصل مرفوع بھی ہوتی ہے اور غیر مرفوع بھی۔ مگر مسند میں ان دونوں (مرفوع و متصل) کی نسبت زیادہ عموم پایا جاتا ہے چنانچہ حدیث مسند بیک وقت متصل بھی ہو سکتی ہے اور مرفوع بھی۔[1]

حدیث کی یہ تمام قسمیں اپنے رواۃ و رجال کے مرتبہ و مقام کے پیش نظر صحیح حسن اور ضعیف سب کچھ ہو سکتی ہیں۔

۴-۶ معنعن، مُؤَنَّن، معلق

معنعن

معنعن اس روایت کو کہتے ہیں جس میں "فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ" کے الفاظ سے روایت کی گئی ہو اور سماع حدیث کا ذکر صراحۃً نہ کیا گیا ہو۔[2] مذہب راجح کے مطابق روایت معنعن کو متصل قرار دیا جائے گا بشرطیکہ اس میں تین شرائط پائے جاتے ہوں۔

① راوی کی عدالت۔

② راوی اپنے استاد سے مل چکا ہو۔

③ راوی میں تدلیس (استاد کو چھپانا) کا عیب نہ پایا جاتا ہو۔[3]

یوں تو معنعن روایات صحیحین میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ مگر مقابلۃً صحیح مسلم میں ان کی اکثریت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ اس بات کو ضروری نہیں سمجھتے کہ راوی جس استاد سے عن عن کے ساتھ روایت کرتا ہے اس سے ملا بھی ہو۔ بخلاف ازیں

1. قواعد التحدیث۔ ص ۱۰۴
2. التوضیح۔ ج ا۔ ص ۳۳۰
3. دیکھیے شرح العراقی علی علوم الحدیث ص ۶۷

Marfat.com

انہوں نے مقدمہ صحیح مسلم میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جو اس شرط کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ شرط عائد کرنے والوں میں امام بخاری ابن المدینی اور دیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ کے نام شامل ہیں۔ امام مسلم نے اپنے مسلک کی اساس متقدمین ومتاخرین اہل علم کے اس نظریہ پر رکھی ہے کہ عن عن کے ساتھ جو روایت کی جائے وہ ثابت ہوتی ہے اور دین میں حجت سمجھی جاتی ہے۔ نیز یہ کہ عن کو ہمیشہ سماع پر محمول کیا جائے گا۔ بشرطیکہ راوی اور مروی عنہ دونوں ثقہ بھی ہوں اور معاصر بھی۔[1]

کسی محدث نے بھی امام مسلم کے قول کی تائید وحمایت نہیں کی بلکہ ان کو ہمیشہ ہدف طعن وتنقید بناتے رہے۔ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

''مسلم کا قول محل نظر ہے۔ کہا گیا ہے کہ امام مسلم نے جس نظریہ کی تردید کی ہے اس کی حمایت کرنے والوں میں امام بخاری اور علی ابن المدینی رحمہما اللہ جیسے اکابر محدثین شامل ہیں۔''[2]

امام نووی اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

''محدثین نے امام مسلم کے نظریہ سے اتفاق نہیں کیا بلکہ اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ جس نظریہ کی انہوں نے تردید کی ہے صحیح اور مختار مذہب وہی ہے اور آئمہ حدیث سب اسی کو درست خیال کرتے ہیں۔''[3]

بعض نقاد حدیث کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ حدیث معنعن مرسل کے قبیل سے ہے اور اس لئے ناقابل احتجاج ہے[4] مگر اس کے باوصف محدثین کا ایک گروہ اس کو قابل استناد خیال کرتا ہے وہ کہتے ہیں کہ اکثر وہ صحابہ عن عن سے مرسل روایتیں بیان کرتے ہیں جو روایت کی اصطلاحات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ روایت کرتے وقت ایسے صحابہ

---

[1] مقدمہ صحیح مسلم ج ۱۔ ص ۲۳

[2] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۶۷

[3] شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱۔ ص ۱۲۸

[4] التوضیح ج ۱۔ ص ۳۳۵

Marfat.com

بعض اوقات "سمعت" بعض دفعہ "عن رسول اللہ" اور گاہے "قال رسول اللہ" کہتے ہیں چنانچہ اس ضمن میں انہوں نے حسب ذیل تفصیل کو زیادہ مناسب خیال کیا ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ جو صحابی اکثر نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں رہا ہو اس کی روایت ہر حال میں سماع پر محمول کی جائے گی خواہ وہ کسی عبارت میں روایت بیان کرے اور اگر وہ اس وصف سے موصوف نہ ہو تو اس کی روایت میں سماع اور عدم سماع دونوں کا احتمال ہوگا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کا ایک پڑوسی روزانہ باری باری آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کا پڑوسی آ کر ان سے دریافت کر لیتا۔ دوسرے دن پڑوسی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے آپ کے ارشادات کے بارے میں دریافت کرتے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں صراحۃً مذکور ہے۔

مگر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علمائے سلف کے نزدیک حدیث معنعن کو مرسل قرار دینے کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔[1] صحیحین اور خصوصاً صحیح مسلم کی کثرت کے بارے میں محدثین یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ جن کتب میں بخاری و مسلم کی احادیث کی تخریج کی گئی ہے ان میں ایسی احادیث کو متعدد طرق سے روایت کیا گیا ہے جن میں تحدیث و سماع کا ذکر واضح الفاظ میں کیا گیا ہے۔[2]

مسلم میں معنعن روایات کی کثرت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں ایک حدیث کو متعدد طرق و اسانید سے ذکر کیا گیا ہے جن میں سب کی سب روایات معنعن نہیں بلکہ بہت سی روایات میں سماع کی صراحت بھی پائی جاتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں ایک فیصلہ کن بات کہی ہے، فرماتے ہیں:

❶ عَنْ عَنْ سے روایت حَدَّثَنَا وَ اَخْبَرَنَا کی مانند ہے۔

---

[1] التوضیح، ج ۱، ص ۲۳۵ [2] قواعد التحدیث ص ۱۰۴، ۱۰۵

[3] شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱، ص ۱۴

Marfat.com

۲ جب مدلس راوی عن عن سے روایت کرے تو وہ حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا کی مانند نہیں ہے۔

۳ عن عن کے ساتھ جو روایت کی جاتی ہے وہ اس ''اَخْبَرَنَا'' کی طرح ہے جس کو روایت کی اجازت دینے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کو اتصال پر محمول کریں گے مگر اس کا مرتبہ سماع سے بہرحال فروتر ہو گا جیسا کہ اخذ روایت کی صورتوں میں ہم بیان کر چکے ہیں۔[1]

حدیث مُؤَنَّن

حدیث مؤنن وہ ہے جس کی سند میں ''حَدَّثَنَا فُلَانٌ اَنَّ فُلَانًا'' کے الفاظ ہوں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایسی روایات کو حدیث معنعن کی طرح خیال کرتے ہیں جب ان سے دریافت کیا جاتا کہ ''عَنْ فُلَانٍ'' اور ''اَنَّ فُلَانًا قَالَ کَذَا'' میں کیا فرق ہے؟ تو آپ فرماتے کہ ''دونوں مساوی ہیں۔''[2]

امام بردیجی[3] ایسی روایات کو منقطع قرار دیتے ہیں الا یہ کہ کسی اور سند سے سماع ثابت ہو جائے۔[4]

اس ضمن میں سچی بات وہی ہے جو ہم ''سماع'' کی بحث میں ذکر کر چکے ہیں۔ اور وہ یہ کہ راوی جو بھی مختلف الفاظ اس ضمن میں ذکر کرتا ہے ان کو علمائے لسانیات سماع پر محمول کریں گے البتہ نقاد حدیث کے یہاں عرف و عادت کے اعتبار سے ان میں فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔[5]

---

۱ التوضیح ج ۱۔ص ۳۳۶

۲ التوضیح ج ۱۔ص ۳۳۷

۳ ان کا تعارف قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

۴ التوضیح ج ۱۔ص ۳۳۸

۵ الکفایہ ص ۲۸۸

Marfat.com

معلق

معلق اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کے آغاز سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی ترتیب وار محذوف ہوں۔ اور حدیث کو ان راویوں کی طرف منسوب کیا گیا ہو جو محذوف راویوں کے اوپر ہوں[1] بخاری میں ایسی روایات بہت ہیں۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کو عثمان بن ہیثم عوف سے اور وہ محمد بن سیرین سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صدقہ فطر کی حفاظت پر مامور فرمایا (رات کو) ایک آنے والا آیا اور خوردنی اشیاء کو چادر میں ڈالنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا بخدا میں تمہارا معاملہ بارگاہ نبویؐ میں پیش کروں گا۔''[2]

صحیح بخاری میں جو معلق روایات مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

① وہ معلق روایات جو بخاری میں دوسری جگہ موصولاً مذکور ہیں یہاں اختصاراً طوالت سے بچنے کے لئے ان کو معلق ذکر کیا۔

② ایسی روایات جو بخاری میں صرف بطور معلق مذکور ہیں مگر ان کا ذکر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پورے جزم و وثوق کے ساتھ کیا ہے جس سے اس روایت کی صحت واضح ہوتی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں فرماتے ہیں:

''جو معلق روایتیں امام بخاری نے صیغہ جزم مثلاً '' قَالَ، فَعَلَ، اَمَرَ، رَوٰی اور ذَکَرَ'' کے ساتھ ذکر کی ہیں ان سے اس جانب اشارہ مقصود ہے کہ مروی عنہ کی جانب ان کی نسبت درست ہے۔ بایں ہمہ ان روایات کو صحیح بخاری میں وارد کرنا اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ یہ اپنی اصل کے اعتبار سے صحیح ہیں۔ محقق پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جب وہ ایسی روایات سے استدلال کرے تو اچھی طرح سے دیکھ لے کہ ان کے رواۃ و رجال اور سند کا کیا حال

---

1. قواعد التحدیث ص ۱۰۵
2. صحیح بخاری ج ۳۔ ص ۶۴ کتاب الوکالہ

Marfat.com

ہے؟ اور آیا یہ قابل احتجاج بھی ہیں یا نہیں؟''[۱]

بعض علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ حدیث معلق ''منقطع'' کی ایک قسم ہے جس کی سند سے کوئی راوی ساقط ہو گیا ہوتا ہے یا کوئی مبہم راوی مذکور ہوتا ہے امام سیوطی فرماتے ہیں:

''صحیح مسلم میں ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جن کے بعض راوی مبہم ہیں اور ان میں سے بعض حدیثیں منقطع ہیں۔''[۲]

بخلاف ازیں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ایسی حدیثوں کو معلق کہتے اور یا منقطع اور معلق کے درمیانی نام سے موسوم کرتے ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''امام مسلم نے کہا کہ یہ روایت لیث بن سعد نے بیان کی...... اس کے بعد امام نووی پوری حدیث ذکر کرتے اور آخر میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت مسلم میں جملہ طرق سے مسلم اور لیث کے درمیان بطور منقطع واقع ہوئی ہے اس کو معلق کہتے ہیں۔''[۳]

مذکورہ صدر ہر سہ احادیث کے بارے میں جو خاص بات ہم کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان پر علی الاطلاق حدیث ضعیف کا حکم لگانا دقت نظر اور بالغ نظری کے خلاف ہے۔

بخلاف ازیں ان تینوں احادیث کو ان کے رواۃ و رجال کے حالات کے پیش نظر حسب مرتبہ و مقام حدیث صحیح حسن یا ضعیف قرار دے سکتے ہیں۔

۷-۸ فرد غریب

فرد اور غریب کے مابین لغت و اصطلاح دونوں کے اعتبار سے گہرا ربط و تعلق پایا

---

۱ قواعد التحدیث ص ۱۰۵

۲ التدریب ص ۱۱۷-۱۱۸

۳ شرح مسلم للنووی ج ۴- ص ۶۳

Marfat.com

جاتا ہے وہ ربط یہ ہے کہ دونوں میں تفرد کا مفہوم موجود ہے۔ اسی ربط کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض علماء نے دونوں کو مترادف قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''تَفَرَّدَ بِهٖ فُلَانٌ'' اور ''اَغْرَبَ بِهٖ فُلَانٌ'' کے معنی ومفہوم میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔[1]

اس ضمن میں حق بات یہ ہے کہ اکثر محدثین کثرت وقلت استعمال کے اعتبار سے دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ چنانچہ فرد کا اطلاق وہ زیادہ تر فرد مطلق پر کرتے ہیں جو ہر قید وشرط سے آزاد ہوتا ہے۔ بخلاف ازیں غریب کا لفظ فرد نسبی پر بولتے ہیں۔ جس میں نسبت ایک معین چیز کی جانب کی جاتی ہے۔ گویا اصطلاحی معنی ومفہوم کے اعتبار سے دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اس لئے اپنی اصل کے لحاظ سے یہ دونوں مترادف نہیں ہیں۔ مگر جب فرد اور غریب کے افعال مشتقہ استعمال کرتے ہیں تو ان میں اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے۔[2]

یاد رہے کہ فرد مطلق کا التباس شاذ کے ساتھ نہیں پڑنا چاہئے ہم دیکھ چکے ہیں کہ شاذ میں دو شرطیں ازبس ناگزیر ہوتی ہیں۔ ❶ تفرد ❷ مخالفت' بخلاف ازیں فرد میں صرف تفرد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اسی لئے حدیث فرد کی تعریف محدثین ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حدیث فرد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت میں ایک راوی منفرد ہو اگرچہ اس کے طرق متعدد ہوں۔''[3]

حدیث فرد کو اس کے رواۃ ورجال کے مرتبہ ومقام کے پیش نظر صحیح حسن یا ضعیف کے ساتھ موصوف کرسکتے ہیں۔ حدیث فرد مطلق صحیح کی مثال میں محدثین وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں ولاء (غلام کا حق وراثت جو آزاد کنندہ کو غلام کی موت کے بعد حاصل ہوتا ہے) کو فروخت اور ہبہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ عبداللہ بن دینار'

---

[1] التوضیح ج ۲۔ حاشیہ ص ۸

[2] شرح نخبہ ص ۸

[3] بحث حدیث شاذ کتاب ہذا

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد ہیں[1] اور عبداللہ بن دینار بالاتفاق ایک ثقہ اور صاحب حفظ وضبط راوی ہیں۔

فرد نسبی (جس کو اصطلاحاً غریب کہتے ہیں) کا التباس بھی شاذ کے ساتھ نہیں پڑتا کیونکہ اس میں مخالفت اور تفرد (شاذ کی دو شرطیں) دونوں کا وجود نہیں ہوتا بخلاف ازیں فرد نسبی میں ایک خاص قسم کا تفرد پایا جاتا ہے جو ایک خاص راوی یا ایک خاص شہر کے رہنے والوں سے روایت کرنے تک محدود ہوتا ہے۔ اسی لئے محدثین نے فرد نسبی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"فرد نسبی اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے روایت کرنے میں ایک شخص منفرد ہو۔ خواہ تفرد سند کے کسی حصہ میں واقع ہو۔"[2]

حدیث غریب مین بعض اوقات تفرد وسط سند میں واقع ہوتا ہے اور اسی جگہ کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے۔ مثلاً صحابی سے روایت کرنے والے ایک سے زیادہ راوی ہوں۔ پھر ان میں سے کسی ایک سے روایت کرنے والا منفرد ہو۔[3] بخلاف ازیں حدیث فرد میں تفرد اس جانب واقع ہوتا ہے جس طرف صحابی ہوتا ہے اگرچہ اس حدیث کے طرق متعدد ہوں۔ مگر تفرد کا تعلق اسی جانب کے ساتھ ہوتا ہے۔[4]

جب حدیث غریب میں کسی خاص شہر کے راویوں کی شرط لگائی جاتی ہے تو ان کے تفرد سے مجازاً صرف ایک ہی راوی کا منفرد ہونا مراد لیا جاتا ہے۔[5] خلاصہ یہ کہ حدیث غریب کا راوی جملہ حالات میں صرف ایک ہی ہوتا ہے۔

حدیث غریب کی یوں تو بہت قسمیں ہیں مگر ان سب میں تفرد کی نسبت ایک خاص چیز کی جانب کی جاتی ہے غریب کی تین قسمیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں:

---

[1] الفیہ سیوطی ص ۹۵ نیز حاشیہ شعر نمبر ۱۸۴

[2] شرح نخبہ ص ۸

[3] شرح نخبہ ص ۸

[4] شرح نخبہ ص ۸

[5] التدریب ص ۸۸

Marfat.com

① پہلی قسم یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے روایت کرنے میں متفرد ہو۔[1] مثلاً عبدالرحمن بن مہدی ثوری سے اور واصل سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ حضرت عبداللہ نے دریافت کیا ''یارسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟'' فرمایا ''یہ کہ تم خدا کا شریک ٹھہراؤ حالاں کہ اسی نے تم کو پیدا کیا ہے'' عرض کی ''اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟'' فرمایا ''یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے۔''[2]

غریب کی یہ قسم محدثین کے یہاں کثیرالوجود اور عام طور سے متعارف ہے۔

② حدیث کی دوسری قسم یہ ہے کہ ایک شہر کے لوگ کسی آدمی سے روایت کرنے میں متفرد ہوں[3] مثلاً ابن بریدہ کی یہ روایت کہ ''جب سے میں نے اپنے والد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قضاۃ کے بارے میں حدیث سنی ہے میں قاضی بننے کے لئے تیار نہیں ہوں'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے دو دوزخی ہیں اور ایک جنتی۔ ایک قاضی وہ جو دانستہ بے انصافی پر مبنی فیصلہ کرتا ہے۔ یہ دوزخی ہے۔ دوسرا قاضی وہ ہے جو غیر شعوری طور پر غلط فیصلہ صادر کرتا ہے یہ بھی جہنمی ہے۔ تیسرا جنتی قاضی وہ ہے جو حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے''۔

امام حاکم کہتے ہیں اس حدیث کے روایت کرنے میں اہل خراسان متفرد ہیں۔ اس حدیث کے سب راوی شہر مرو کے رہنے والے ہیں۔[4]

③ غریب کی تیسری قسم یہ ہے کہ ایک شہر کے رہنے والوں میں سے ایک راوی

---

[1] التوضیح ج ۲۔ ص ۱۰۔ امام حاکم نے اس کو دوسری قسم شمار کیا ہے اور اس کا نام تجویز کیا ہے ''ایسی احادیث جن کو صرف ایک شخص ایک امام حدیث سے روایت کرتا ہے۔'' [معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۹]

[2] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۰

[3] التوضیح ج ۲۔ ص ۱۰۔ امام حاکم اس کو قسم اول قرار دیتے اور اس کا نام رکھتے ہیں ''ان احادیث کی پہچان جن کے صحابی سے روایت کرنے میں ایک شہر کے لوگ متفرد ہوں۔'' [معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۶]

[4] معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۹۔ نیز دیکھئے کتاب ہذا باب ''الطابع الاقلیمی فی نشاۃ الحدیث''

Marfat.com

دوسرے شہر والوں سے روایت کرنے میں متفرد ہو۔[1] مثلاً خالد بن نزار کی روایت از نافع بن عمر از بشر بن عاصم از والد خود از عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ بلیغ آدمی ہے جو باتوں کو یوں لپیٹتا جائے جیسے گائے گھاس کو لپیٹتی جاتی ہے۔"

امام حاکم فرماتے ہیں "اس فرد حدیث کو مصری لوگ مکہ والوں سے روایت کرتے ہیں اس لئے کہ خالد بن نزار کا شمار مصری راویوں میں ہوتا ہے اور نافع بن عمر مکہ والوں میں سے گنے جاتے ہیں۔"[2]

امام حاکم نے اس تیسری قسم کے بارے میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں:

> "اہل مدینہ کی احادیث جن کی روایت کرنے میں اہل مکہ منفرد ہیں اور اہل مکہ کی روایات جن کے روایت کرنے میں اہل مدینہ منفرد ہیں۔ نیز وہ احادیث جن کو صرف اہل خراسان اہل حرمین سے روایت کرتے ہیں یہ قسم بڑی نادر الوجود اور دقیق ہے۔"[3]

جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں ان تینوں قسموں میں صرف ایک شخص متفرد ہوتا ہے ہر قسم میں تفرد سند کی ایک خاص جگہ میں واقع ہوتا ہے نیز یہ کہ تفرد اصل سند میں جس جانب صحابی ہوتا ہے وہاں نہیں واقع ہوتا بلکہ وسط سند میں وقوع پذیر ہوتا ہے اسی اضافی قید و شرط کی بناء پر حدیث غریب کو فرد نسبی کا نام دیا جاتا ہے ہم نے جن امثلہ سے اس ضمن میں استشہاد کیا ہے امام حاکم نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" کی پچیسویں قسم میں زیر عنوان "معرفۃ الافراد" ان کا ذکر کیا ہے[4] گویا ان کے نزدیک فرد و غریب کے مابین جو فرق و امتیاز بھی پایا جاتا ہے وہ صرف مطلق و مقید میں محدود ہے اور بس۔

---

1. التوضیح ج ۲ ص ۱۰
2. معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۲
3. حوالہ مذکور۔ ص ۱۰۰
4. معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۶۔۱۰۲

Marfat.com

۹-۱۱ عزیز، مشہور، مستفیض

ان تینوں قسموں میں یہ وصف مشترک پایا جاتا ہے کہ فرد نسبی اور تواتر معنوی کے درمیان واقع ہیں چنانچہ ان میں کسی حد تک غرابت پائی جاتی ہے جس کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ اس کو فرد نسبی بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ حدیث غریب کے روایت کرنے میں جب دو یا تین راوی شریک ہوں تو اس حدیث کو ''عزیز'' کہتے ہیں۔ اور اگر ایک جماعت روایت کرتی ہو تو اس کو ''مشہور'' کہا جاتا ہے[1] اور اگر راویوں کی ایک جماعت روایت کرتی ہو اور ان کی تعداد روایت کے آغاز و انتہاء میں یکساں رہتی ہو تو اس کو ''مستفیض'' کہتے ہیں۔[2]

ان اقسام سہ گانہ میں ایک طرح کا معنوی تواتر پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ تعدد رواۃ کی بناء پر ایسی احادیث شہرت پذیر ہو جاتی ہیں نیز زیادہ راویوں کی وجہ سے حدیث کو تائید و تقویت حاصل ہوتی ہے اور راویوں کی ایک جماعت کے مسلسل نقل کرنے کی بناء پر زبان زد عام ہو جاتی ہے۔

البتہ ان اقسام ثلاثہ کا تعلق متواتر کی نسبت غریب کے ساتھ زیادہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مباحث اسناد کے ساتھ متعلق ہیں اور متواتر کا سند کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔[3] پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ان تینوں اقسام کے راویوں میں بہ تفاوت درجات جو تعدد پایا جاتا ہے وہ ان کو اخبار آحاد ہونے سے خارج نہیں کر سکتا اور نہ جمع کے اس درجہ پر فائز کر سکتا ہے جو متواتر کے لئے شرط ہے خلاصہ یہ کہ یہ تینوں قسمیں بہرکیف حدیث غریب ہی کے جداگانہ اسماء و القاب ہیں۔ اور غریب ہی کی طرح صحیح و حسن اور ضعیف میں منقسم ہوتی ہیں۔

---

۱ اختصار علوم الحدیث ص ۱۸۷

۲ شرح نخبہ ص ۵

۳ ہم قبل ازیں اس پر تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں۔

Marfat.com

عجلت پسند ناظر جب ان اقسام سہ گانہ کو دیکھتا ہے تو وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ان کو صرف صحیح کے اندر محدود رہنا چاہئے (یعنی ان میں سے کوئی قسم بھی حسن اور ضعیف نہیں ہونی چاہئے) اس کے خیال میں یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حدیث عزیز جو ایک اور سند سے مروی ہونے کی بناء پر قوی تر ہو جاتی ہے یا حدیث مستفیض و مشہور جو راویوں کی ایک جماعت سے منقول ہونے کے باعث شہرت پذیر ہو چکی ہوتی ہے اس غریب روایت کے مرتبہ و مقام تک اتر آئے جس کو صرف ایک راوی روایت کرتا ہے۔ جس طرح لوگ ہر زمان و مکان میں عدد و کثرت سے متاثر ہونے کے خوگر ہیں اس کے پیش نظر یہ نتیجہ بلکہ عقل و منطق سے قریب نظر آتا ہے۔

مگر علمی تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ روایات کی توثیق یا تضعیف میں محدثین کا مقیاس و معیار کمیت کے بجائے کیفیت پر مبنی ہے چنانچہ اس ضمن میں ارقام و اعداد اور جموع و افراد کے بجائے وہ رواۃ و رجال کے اوصاف کو ملحوظ رکھتے ہیں جو سند میں مذکور ہوتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ تعداد میں کم ہوں یا زیادہ۔ یہی وجہ ہے کہ ناقدین حدیث متواتر میں راویان حدیث کی خاص تعداد کو معین نہیں کرتے۔ بلکہ یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ عرفاً و عادۃً اتنے لوگوں کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔[1]

اس موضوع پر بحث کرنے والے غلطی کی انتہاء کو پہنچ جاتے ہیں جب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ بعض محدثین کے نزدیک راویان حدیث کا تعدد بڑی حد تک حدیث کی تصحیح پر اثر انداز ہوتا ہے۔ امام حاکم کے کلام میں بعض ایسے اشارے موجود ہیں جن سے متوہم ہوتا ہے کہ وہ عددی معیار کو معتبر سمجھتے ہیں مثلاً وہ صحیح حدیث کے لئے یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ کم از کم اس کو دو راوی روایت کریں۔ ہم حدیث صحیح کی بحث میں ان کے نقطہ نظر کو واضح کر چکے ہیں۔[2] امام حاکم کا ہم پر یہ حق بھی ہے کہ ہم صحیح طریقہ سے ان کے نقطہ نظر کی وضاحت پیش کریں۔

---

[1] جیسا کہ ہم قبل ازیں واضح کر چکے ہیں۔

[2] ہم قبل ازیں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔

Marfat.com

اس ضمن میں واضح ہو کہ امام حاکم کے نزدیک حدیث صحیح کا عزیز ہونا شرط ہے۔ یعنی ان کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ جو حدیث صحیح ہو وہ عزیز بھی ہو یعنی فرد اور غریب نہ ہو۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ ہر عزیز حدیث لازماً صحیح بھی ہوتی ہے بخلاف ازیں حدیث مشہور و مستفیض تعدد رواۃ اور راویوں میں ایک جماعت کی شرط ہونے کے باوصف ہمیشہ صحیح نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان میں صحیح اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں ہوتی ہیں۔ ہم اس سے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ حدیث مستفیض و مشہور میں باطل اور موضوع حدیثیں بھی ہوتی ہیں۔ امام حاکم کی عبارت اس ضمن میں واضح اور ناقابل تاویل ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ ''بہت سی مشہور حدیثیں صحیح نہیں ہیں۔''[1] حاکم بکثرت احادیث کا ذکر کر کے جن میں حسن اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں کہتے ہیں کہ یہ جملہ احادیث اپنے طرق و اسانید کی بناء پر مشہور ہیں۔ ان میں سے ہر حدیث کے اتنے طرق ہیں جو ایک جزء یا دو جزء میں سماتے ہیں مگر ان میں سے کسی کی تخریج بھی حدیث صحیح میں نہیں کی گئی۔

جن احادیث سے امام حاکم نے استشہاد کیا تھا سیوطی نے ان احادیث کو بنظر غائر دیکھا اور بہت اچھی طرح سے ان کی چھان پھٹک کی۔ پھر ہر ایک کو اصطلاحی نام سے موسوم کیا جو اس کے شایان شان تھا۔ ان پر بہت کچھ اضافہ بھی کیا اور امام زرکشی کی کتاب ''التذکرہ فی الاحادیث المشتہرۃ'' میں جو کمی رہ گئی تھی اس کی تلافی کے لئے حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق ایک کتاب مرتب کی۔[2]

• امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب التدریب میں ایسے شواہد بکثرت موجود ہیں جن کو سیوطی حدیث مشہور کی تمام قسموں یعنی صحیح حسن ضعیف اور موضوع کے لئے مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

1 حدیث مشہور صحیح

حدیث مشہور صحیح کی مثال یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۲

[2] التدریب ص ۱۸۸

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے یک لخت چھین نہیں لے گا۔ بلکہ وہ علماء کو وفات دے کر لوگوں کو علم سے محروم کر دے گا اور جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیں گے جو علم کے بغیر فتویٰ دیا کریں گے اور اس طرح خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی ضلالت میں مبتلا کریں گے۔''[1]

۲ حدیث مشہور حسن

اس کی مثال یہ حدیث ہے کہ:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ))

''ہر مسلمان پر علم کی تلاش فرض ہے۔''

امام المزی[2] فرماتے ہیں:

''اس حدیث کے متعدد طرق ہیں جن کی بناء پر یہ حدیث حسن کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔''[3]

۳ حدیث مشہور ضعیف

اس کی مثال یہ حدیث ہے:

((جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰى حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا))[4]

''دلوں کو اس شخص کی محبت پر پیدا کیا گیا ہے جو ان سے نیک سلوک روا رکھتا ہے۔''

۱۔ التدریب ص ۱۸۸ نیز معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۲

۲۔ یوسف بن عبد الرحمٰن ابو الحجاج المعروف المزی (بکسر المیم وتشدید الزاء المکسورہ) مزہ دمشق کے قریب ایک بستی کا نام ہے آپ کی وفات دمشق کے دار الحدیث اشرفیہ میں ۷۴۲ھ میں ہوئی۔ [الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۲۶]

۳۔ التدریب ص ۱۷۹ نیز معرفۃ علوم الحدیث

۴۔ التدریب ص ۱۸۹

Marfat.com

۱۴ حدیث مشہور باطل

حدیث مشہور جو باطل اور بے اصل ہو اس کی لاتعداد مثالیں ہیں ان میں سے بعض مرفوع بعض قول صحابی اور بعض اقوال تابعین کے درجہ کی ہوتی ہیں۔

ایسی حدیثیں عوام میں زبان زد عام ہوتی ہیں چند احادیث ملاحظہ ہو:

۱ ((مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ))

''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔''

۲ ((يَوْمُ صَوْمِكُمْ يَوْمُ نَحْرِكُمْ))

''تمہاری قربانی کا دن تمہارے روزے کا دن ہے''

۳ ((كُنْتُ كَنْزًا لَا اُعْرَفُ))

''میں ایک ایسا خزانہ تھا جس کو کوئی پہچانتا نہ تھا''

((اَلْبَاذُنْجَانُ لِمَا اُكِلَ لَهُ))[۱]

''بینگن ہر مرض کی دوا ہے''

حدیث کی شہرت ایک اضافی امر ہے[۲] بعض اوقات ایک حدیث صرف محدثین کے یہاں مشہور ہوتی ہے۔ گاہے محدثین علماء اور عوام سب اس سے آگاہ و آشنا ہوتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

۱ حدیث ''اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ'' فقہاء میں مشہور ہے۔

۲ حدیث ''رُفِعَ عَنْ اُمَّتِيْ اَلْخطاء وَ النِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ'' علمائے اصول کے یہاں شہرت رکھتی ہے۔

۳ حدیث ''نِعْمَ الْعَبْدُ صُهَيْبٌ'' علمائے نحو میں مشہور ہے۔

۴ حدیث ''مُدَارَةُ النَّاسِ صَدَقَةٌ'' عوام کے یہاں مشہور ہے۔

۵ حدیث ''مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ'' بیک وقت محدثین علماء

---

[۱] امام سیوطی رحمہ اللہ نے صراحۃً ان کو موضوع کہا ہے فرماتے ہیں ''وَكُلُّهَا بَاطِلٌ لَا اَصْلَ لَهَا۔'' [التدریب ص ۱۸۹]

[۲] اختصار علوم الحدیث ص ۱۸۵

Marfat.com

اور عوام سب میں مشہور ہے۔[1]

جہاں تک اس حدیث مشہور اصطلاحی کا تعلق ہے جس سے نقاد حدیث بھی آشنا ہوں اس سے وہ مراد نہیں ہوتی جو علماء و عوام کی زبانوں پر جاری و ساری ہو۔ بلکہ مشہور اصطلاحی اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو تین یا تین سے زیادہ راویوں نے روایت کیا ہو۔[2] اس کی مثالیں اگرچہ بہت ہیں مگر محدثین و مجتہدین کے سوا کوئی بھی ان سے آشنا نہیں۔[3]

حدیث مشہور اصطلاحی کی روشن ترین مثال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھتے اور رعل و ذکوان کے قبیلوں پر بددعا فرماتے رہے یہ حدیث بخاری و مسلم نے بروایت سلیمان التیمی از ابی مجلز از انس بیان کی ہے۔[4] امام حاکم اس کے مشہور ہونے کے وجوہ و اسباب ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

> ''اس کی تخریج احادیث صحیحہ میں کی گئی ہے۔ ابو مجلز کے علاوہ اور راویوں نے بھی اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ پھر ابو مجلز سے روایت کرنے والے سلیمان التیمی کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں۔ مزید برآں سلیمان التیمی سے روایت کرنے والے بھی انصار کے علاوہ بہت سے لوگ ہیں۔ مگر فن حدیث میں مہارت رکھنے والوں کے علاوہ کوئی شخص بھی اس امر سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ فن حدیث سے بے خبر تو یہ کہے گا کہ سلیمان التیمی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کا (بلا واسطہ) شاگرد ہے۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ابی مجلز روایت کرتا ہے اس لئے یہ حدیث غریب ہے

---

[1] التدریب ص ۱۸۹ نیز التوضیح ج ۲ ص ۴۰۸

[2] التوضیح ج ۲۔ ص ۴۸۹

[3] معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۴

[4] التدریب ص ۱۸۹

Marfat.com

اسے یہ معلوم نہیں کہ اس حدیث کی روایت زہری اور قتادہ نے بھی کی ہے۔ قتادہ سے روایت کرنے والے بہت سے راوی ہیں۔ فن حدیث سے نابلد شخص یہ بھی نہیں جانتا کہ قبیلہ عرینہ والوں کے ضمن میں اس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے اس حدیث کے طرق و اسانید بھی "حدیث عرینہ" کی طرح بہت زیادہ ہیں۔"[1]

حدیث مشہور کی جو مثالیں ہم نے ذکر کی ہیں وہ "مستفیض" کی مثالیں بھی بن سکتی ہیں اس لیے کہ فقہاء کی ایک جماعت کی رائے میں "مشہور اور مستفیض" دونوں مترادف ہیں۔ لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے۔ حدیث مستفیض ابتداء و انتہاء دونوں میں یکساں طور پر مشہور ہوتی ہے۔ مگر حدیث مشہور میں زیادہ عموم پایا جاتا ہے۔[2]

بعض محدثین نے دونوں کا فرق ایک اور طریقہ سے واضح کیا ہے ان کے نزدیک راویوں کی جو جماعت حدیث مشہور کو روایت کرتی ہے وہ تین یا اس سے زیادہ راویوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ گویا مشہور کے طرق و اسانید دو سے زیادہ راویوں میں محصور و محدود ہوتے ہیں۔ بخلاف ازیں مستفیض اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی تین سے زیادہ ہوں۔ تین راویوں سے کم کی روایت کو مستفیض نہیں کہتے۔[3] چونکہ مستفیض عام طور سے پھیلی ہوئی ہوتی ہے اس لئے اس کو مستفیض کہتے ہیں۔ یہ "فاض الماء" (پانی بہہ نکلا) سے ماخوذ ہے یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب پانی برتن کے کناروں سے بہنے لگے۔[4]

علماء نے حدیث مشہور اور مستفیض میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں دیکھی۔ ان کی

---

۱ معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۳۔۹۴

۲ شرح نخبہ ص ۵

۳ التوضیح ج ۲ ص ۴۰۲۔۴۰۳ بر حاشیہ

۴ التدریب ص ۱۸۸ نیز التوضیح ج ۲۔ص ۴۰۷

Marfat.com

مثالیں بھی لاتعداد ہیں۔ البتہ حدیث عزیز کے بارے میں انہوں نے شکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے۔

ابن حبان بستی فرماتے ہیں:

''حدیث عزیز کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اس لئے کہ عزیز اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو دو راوی دوسرے دو راویوں سے سلسلہ سند کے آخر تک روایت کریں۔''[1]

ابن حبان کے خیال کے مطابق اس حدیث کو عزیز اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا وجود عزیز یعنی دشوار ہے۔ اس لئے نہیں کہ یہ قلیل الوجود یا نادر الوجود ہوتی ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تردید میں فرماتے ہیں:

''اگر ابن حبان کا مطلب یہ ہے کہ دو راویوں کی صرف دو سے روایت اصلاً موجود نہیں تو یہ بات قابل تسلیم ہے۔ مگر حدیث عزیز کی جو صورت ہم نے بیان کی ہے وہ موجود ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ عزیز اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو دو سے کم راوی دوسرے دو سے کم راویوں سے نقل نہ کرتے ہوں۔ اس کی مثال بخاری ومسلم کی وہ روایت ہے جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ نیز بخاری میں یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ مجھے اپنے والدین سے بڑھ کر محبوب نہ رکھے۔'' انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث قتادہ اور عبد العزیز بن صہیب نے روایت کی ہے۔ پھر قتادہ سے شعبہ اور سعید نے۔ عبد العزیز سے اسماعیل بن علیہ اور عبد الوارث نے روایت کی۔ اور ان سب سے راویوں کی ایک جماعت نے یہ حدیث روایت کی۔''[2]

حدیث کی اصطلاحات میں یہ صورت بڑی نادر ہے کہ کسی حدیث میں عزیز اور

---

[1] التوضیح ج ۲ حاشیہ ص ۴۰۵

[2] نزہۃ النواظر ص ۸۔ نیز التدریب ص ۱۹۱

Marfat.com

مشہور دونوں کے اوصاف پائے جاتے ہوں اس حالت میں اس کو "عزیز مشہور" کہیں گے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کسی حدیث کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کسی خاص طبقہ میں دو راویوں سے مروی ہونے کی وجہ سے عزیز کے درجہ کی حدیث ہے مگر اس سے پہلے یا بعد کے طبقہ میں زیادہ راویوں سے منقول ہونے کی بناء پر مشہور کے درجہ پر فائز ہو گی۔

حافظ علائی[1] اس کی مثال میں حدیث "نحن الاخرون السابقون یوم القیمٰة" پیش کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث عزیز ہے۔ اس کو حذیفہ بن یمان اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سات راویوں نے یہ حدیث روایت کی۔ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، ابو حازم، طاؤس، اعرج، ہمام، ابو صالح، عبد الرحمٰن مولیٰ ام برثن۔[2]

۱۲-۱۳ عالی، نازل

اصحاب ورع و تقویٰ علماء ہمیشہ ایسے محدثین کی روایت کو ترجیح دیتے رہے جن کی سند عالی ہو۔ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہو۔ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اسنادی قرب تقرب الی اللہ کا باعث ہے۔[3] قرب اسنادی انہیں ہمیشہ بسہولت حاصل نہیں ہوا کرتا تھا اس لئے وہ صحابہ تابعین اور علمائے اعلام سے ایسی سند کے حصول میں کوشاں رہا کرتے تھے اس طرح سند عالی کی دو صورتیں وجود میں آ گئی تھیں۔ ❶ مطلق ❷ نسبی و اضافی۔

❶ سند عالی مطلق

وہ سند ہے جس کے راوی قلت تعداد کے باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب

۱۔ ان کا تعارف کرایا جا چکا ہے۔

۲۔ التدریب ص ۱۹۳

۳۔ الجامع۔ ج ۱۔ ص ۱۳

Marfat.com

ہوں۔ اور اسی حدیث کی کسی دوسری سند میں راویوں کی تعداد اس سے زیادہ ہو۔[۱]

ایسی سند عالی کو ''اجل الاسانید'' تصور کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ سند صحیح اور پاکیزہ ہو۔ اگر ضعیف ہو گی تو اسے ناقابل التفات قرار دیا جائے گا خصوصاً جب کہ اس میں پچھلے زمانہ کے ایسے جھوٹے راوی بھی موجود ہوں جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے سماع کے دعویٰ دار تھے۔ مثلاً ابن ہدبہ، دینار، خراشہ، نعیم بن سالم، ابی الدنیا۔

اسی لئے حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب کسی محدث کو دیکھو کہ ایسے راویوں کی سند عالی کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ جاہل آدمی ہے۔''[۲]

۲ سند عالی نسبی

وہ سند ہے جس کے راوی کسی امام حدیث سے قرب تر ہوں۔ مثلاً اعمش، ابن جریج، مالک، شعبہ اور دیگر آئمہ حدیث۔ اس کے ساتھ ساتھ سند صحیح بھی ہو یا اس سند کے راوی معتبر کتب حدیث میں سے کسی کتاب سے قریب تر ہوں مثلاً کتب صحاح ستہ، موطا امام مالک اور دیگر کتب[۳] اس کو نسبی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جو علو سند پایا جاتا ہے وہ حقیقی نہیں بلکہ نسبی اور اضافی ہوتا ہے۔

سند عالی نسبی کی متعدد صورتیں ہیں۔ مشہور ترین صورت یہ ہے کہ بخاری کی روایت کردہ ایک حدیث کو لے کر کسی دوسری سند سے اس طرح روایت کیا جائے کہ وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ یا شیخ الشیخ تک پہنچ جائے اور اس سند میں بخاری کی سند کے مقابلہ میں راویوں کی تعداد کم ہو۔[۴]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے سند عالی نسبی کو چار قسموں میں منقسم کیا ہے۔

۱۔ قواعد التحدیث ص ۱۰۸

۲۔ التدریب ص ۱۸۴

۳۔ التدریب۔ ص ۱۸۵

۴۔ الباعث الحثیث ص ۱۸۲

Marfat.com

❶ موافقت ❷ بدل ❸ مساواۃ ❹ مصافحہ

❶ موافقت

موافقت کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی کسی کتاب کے مولف کے شیخ تک کسی دوسری سند سے پہنچ جائیں۔ مثلاً امام بخاری ایک حدیث قتیبہ سے اور وہ مالک سے روایت کرتے ہیں۔ کوئی دوسرا شخص کسی اور سند سے یہی روایت قتیبہ سے بیان کرے اور اس سند میں امام بخاری کی نسبت راویوں کی تعداد کم ہو۔[1]

❷ بدل

اور اگر کوئی شخص مولف کتاب کے شیخ الشیخ تک کسی اور سند سے پہنچ جائے تو اس کو بدل کہتے ہیں۔ مثلاً سند مذکورہ بالا کو کوئی شخص ایک اور سند سے قعنبی از مالک روایت کرے تو اس صورت میں قعنبی گویا قتیبہ کا بدل ہوگا۔[2]

❸ مساواۃ

مساواۃ کا مطلب یہ ہے کہ مولف کتاب نے ایک حدیث کو ایک خاص سند سے روایت کیا ہو۔ ایک دوسرا شخص کسی دوسری سند سے یہ حدیث بیان کرے اور دونوں میں راویوں کی تعداد برابر ہو۔ اس کی مثال بقول ابن حجر یہ ہے کہ فرض کیجیے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث روایت کرتے ہیں اور اس کی سند میں ان سے لے کر نبی ﷺ تک گیارہ راوی ہوں۔ ہم یہی حدیث کسی اور سند سے بیان کریں اور اس میں بھی اتنے ہی راوی ہوں تو گویا ہم اس صورت میں امام نسائی کے مساوی ہوں گے۔ اگرچہ ان کی سند ہماری سند سے الگ ہے۔[3]

محدث ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

1. شرح نخبہ ص ۳۱
2. شرح نخبہ ص ۳۱ نیز التدریب ص ۱۸۵
3. شرح نخبہ۔ ص ۳۲

Marfat.com

''ہمارے عصر و عہد میں مساواۃ سے مراد یہ ہے کہ کسی سند میں راویوں کی مساواۃ صرف امام مسلم یا دیگر مولفین کے شیخ یا شیخ الشیخ تک پہنچنے کے اعتبار سے نہیں بلکہ صحابی یا تابعی بلکہ رسول کریم ﷺ تک پہنچنے کی نسبت سے ہو۔ مثلاً کسی حدیث کو روایت کرنے والے اور صحابی کے درمیان اتنے ہی راوی ہوں جتنے امام مسلم اور اس صحابی کے درمیان۔ اس طرح وہ روایت کنندہ قرب اسناد اور عدد رجال میں امام مسلم کے برابر ہوگا۔''[1]

۴ مصافحہ

مصنف کتاب کے تلمیذ کے ساتھ مساوات کو مصافحہ کہتے ہیں مصافحہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب دو آدمی ملتے ہیں تو وہ باہم مصافحہ کرتے ہیں۔[2] اگر تلمیذ مصنف نے تمہارے شیخ کی برابری ہو تو گویا تم نے مصنف کتاب سے مصافحہ کیا اور ان سے روایت کی اور اگر مساوات تمہارے شیخ الشیخ کے ساتھ ہوئی تو مصافحہ کرنے والا تمہارا شیخ ہوگا اور مساوات تمہارے شیخ الشیخ کے ساتھ ہوئی تو مصافحہ کرنے والا تمہارا شیخ الشیخ ہوا۔[3]

مذکورہ صدر اقسام میں سے مساواۃ اور مصافحہ کا عالی ہونا محتاج بیان نہیں یہ دونوں قسمیں نسبتاً مولف کتاب کے اپنی سند میں نازل ہونے کی وجہ سے عالی ہوئیں اسی لئے عصر حاضر یعنی چودھویں صدی اور اس کے قریب زمانہ میں ان دونوں قسموں کا وجود متعذر ہے کیونکہ ان ادوار کے اندر اسناد میں بہت بعد پیدا ہوگیا ہے۔

ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ مساواۃ اور مصافحہ کو ایک ہی نگاہ دیکھتے اور ان کو حقیقی علو سے عاری خیال کرتے ہیں پھر پورے وثوق سے کہتے ہیں:

''علو کی یہ اقسام نزول کے تابع ہیں اس لئے کہ اگر مولف کتاب اپنی سند میں نازل نہ ہوتا تو اس کے مقابل راوی کو علو سند نصیب نہ ہوتا۔''[4]

---

[1] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۲۱۹

[2] شرح نخبہ ص ۳۲

[3] التدریب ص ۱۸۶

[4] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۲۲۰

Marfat.com

علونسبی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ راوی اپنے استاد سے قبل فوت ہو جائے اگرچہ دونوں سندیں راویوں کی تعداد کے لحاظ سے مساوی ہوں۔ مثلاً جس نے مسند احمد کا سماع بطریق احمد علی حلاوی از ابو العباس حلبی از نجیب کیا ہو۔ وہ اس شخص کی نسبت عالی ہو گا جس نے جمال کتانی از قرضی از زینب بنت مکی کی سند سے مسند کا درس لیا ہو اس لئے کہ اول الذکر تینوں راوی موخر الذکر سے پہلے وفات پا چکے تھے۔[1] اور اس لئے وہ احمد اور مسند احمد سے قریب تر ہیں۔

علونسبی تقدم سماع سے بھی حاصل ہوتا ہے[2] چنانچہ جس نے کسی شیخ سے پہلے سنا ہے وہ بعد میں سننے والے سے اعلیٰ ہو گا۔ مثلاً دو شاگردوں نے ایک ہی استاد سے استفادہ کیا ہو۔ ایک کو اس سے استفادہ کیے ہوئے ساٹھ برس گزرے اور دوسرے کو چالیس۔ تو اندریں صورت پہلا دوسرے سے اعلیٰ ہو گا۔[3]

پچھلے ادوار کے محدثین اسناد عالی ...... بہر دو صنف مطلق و نسبی ...... کے بڑے شائق تھے ان کے اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اسی کو سرمایہ افتخار بنا کر دیگر اہم امور کو نظر انداز کر دیا تھا چنانچہ انہوں نے اس پر اسی طرح کبر و فخر کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا جس طرح وہ غریب اور منکر حدیثیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان پر اترایا کرتے تھے جیسا کہ ہم قبل ازیں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ علو سند کے مرغوب و محبوب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں اقرب الی الصحت اور قلت خطاء کے امکانات زیادہ ہیں اس لئے کہ سند میں جتنے راوی ہوں گے ہر راوی سے غلطی کا صدور جائز ہو گا۔ درمیانی وسائط جتنے بڑھتے جائیں گے اور سند لمبی ہوتی جائے گی۔ غلطی کے احتمالات میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور سند میں جتنے راوی کم ہوں گے اسی قدر غلطی کا احتمال کم ہوتا جائے گا۔[4] اسی لئے محدثین کے یہاں یہ مقولہ زبان زد عام ہے کہ "سندِ نازل گھٹیا ہوتی ہے۔"[5]

---

۱ التدریب ص ۱۸۶

۲ علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۲۲۰

۳ الباعث الحثیث ص ۱۸۴ نیز التدریب ص ۱۸۷

۴ شرح نخبہ ص ۳۱

۵ اختصار علوم الحدیث ص ۱۸۴

Marfat.com

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الفیہ میں فرماتے ہیں

وَ طَلَبُ الْعُلُوِّ سُنَّةٌ وَّ مَنْ
يُّفَضِّلُ النُّزُوْلَ عَنْهُ مَا فَطِنَ

''سند عالی کی طلب وتلاش (محدثین کی) سنت ہے اور جو سند نازل کو ترجیح دیتا ہے وہ (اس کی فضیلت کو) سمجھا ہی نہیں۔''[1]

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ سند نازل عالی کی ضد ہے سند نازل کی قسموں کی تفصیل سند عالی کی اقسام ہی سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں۔[2]

یاد رہے کہ سند عالی کو نازل کے مقابلہ میں جو عظمت وفضیلت حاصل ہے وہ ہر وقت اور ہر جگہ (مطلقاً) نہیں ہے بخلاف ازیں جب سند نازل میں کوئی خوبی پائی جاتی ہو تو وہ عالی سے بڑھ جاتی ہے مثلاً جب سند نازل کے راوی زیادہ حافظ ثقہ اور فقیہ تر ہوں۔ یا اس کے اخذ وروایت کی صورت اقرب الی السماع ہو۔[3]

وکیع[4] اپنے اصحاب وتلامذہ سے فرمایا کرتے تھے ''بتایئے ان دو سندوں میں سے تمہیں کون سی سند پسند ہے؟ آیا ☆ اعمش از ابی وائل از ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا ☆ سفیان از منصور از ابراہیم از علقمہ از ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

پہلی سند میں سب شیوخ حدیث ہیں اور دوسری سند فقہاء پر مشتمل ہے اور فقہاء کی سند ہمیں شیوخ کی سند سے عزیز تر ہوتی ہے۔[5]

حافظ سلفی[6] نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حدیث میں وجہ فضیلت صرف یہ ہے

---

[1] الفیہ سیوطی ص ۲۶۰ شعر نمبر ۶۰۴ [2] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۲۲۳

[3] التدریب ص ۱۸۸

[4] وکیع بن جراح بن ملیح بن عدی ان کی کنیت ابوسفیان ہے کوفہ کے باشندہ تھے اور قیس عیلان کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین رحمہما اللہ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے ''عراق میں ثقہ راوی وکیع ہیں۔'' [تاریخ بغداد۔ ج ۱۳۔ ص ۴۶۶۔ ۴۸۱]

[5] اختصار علوم الحدیث ص ۱۸۵

[6] ان کا تعارف قبل ازیں کرایا جاچکا ہے۔

Marfat.com

لہ علماء سے مروی و منقول ہو۔ اس لئے جو سند علماء پر مشتمل ہو وہ نازل بھی ہو تو جہلاء کی سند عالی سے بہتر ہے محققین کا مذہب یہی ہے۔

اندریں صورت سند نازل نظر و تحقیق کی بناء پر عالی کہلانے کی مستحق ہوگی۔[1]

۱۴-۱۵ متابع و شاہد

بعض محدثین متابع و مشاہد شاہد کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے[2] اس لئے کہ یہ دونوں قسمیں ایسی ہیں کہ ان سے فرد نسبی (حدیث غریب) کو تقویت و تائید حاصل ہوتی ہے مگر اس سے دونوں کا مترادف ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ ان کے درمیان بڑا نازک فرق پایا جاتا ہے اور علماء نے ان کی جداگانہ تعریفیں کی ہیں۔

اس ضمن میں جو اقوال و امثلہ محفوظ ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ شاہد میں متابع کی نسبت زیادہ عموماً پایا جاتا ہے اس لئے کہ شاہد لفظ و معنی دونوں کی تائید کرتا ہے بخلاف ازیں متابع میں صرف الفاظ کی تائید مقصود ہوتی ہے معنی کی نہیں۔[3]

اس اساسی و اصولی فرق و امتیاز کی بناء پر ہم متابع کی یہ تعریف کر سکتے ہیں کہ جس کے راوی کی دوسرا راوی تائید کرتا ہو۔ اور تائید کرنے والا اس قابل ہو کہ اس کی روایت تسلیم کی جا سکے۔ تائید کرنے والا پہلے راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ سے ایسے الفاظ میں روایت کرے جو پہلے راوی کے بیان کردہ الفاظ سے ملتے جلتے ہیں۔[4]

شاہد کی تعریف یہ ہے کہ دوسرا راوی یوں تو اس کے راوی کی تائید کرتا ہو مگر وہ مختلف صحابی سے روایت کرتا ہو اور اس کی یہ روایت لفظ و معنی دونوں میں یا صرف معنی میں پہلے راوی کی روایت سے ملتی جلتی ہو۔[5]

---

[1] التدریب ص ۸۸

[2] شرح نخبہ ص ۱۵۔ نیز التدریب ص ۸۵

[3] التدریب ص ۸۵

[4] قواعد التحدیث ص ۱۸۹

[5] شرح نخبہ ص ۱۵

Marfat.com

متابع کی دو قسمیں ہیں: (۱) متابع تام (۲) متابع قاصر

اسی طرح شاہد کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) شاہد لفظی (۲) شاہد معنوی

متابع تام

وہ ہے جس میں ایک راوی دوسرے راوی کی تائید کرتا ہو۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الام'' میں امام مالک از عبداللہ بن دینار از ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے چاند دیکھے بغیر نہ روزہ رکھو اور نہ افطار کرو۔ اگر بادل چھایا ہوا ہو تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔''

بعض علماء کا خیال ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے میں شافعی متفرد ہیں اور اس لئے اس حدیث کو غرائب شافعی میں شمار کرتے ہیں اس لئے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے تلامذہ نے اسی سند سے حدیث کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ ''اگر بادل چھا جائے تو اندازہ کرلو۔'' مگر علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ امام شافعی کے ایک متابع بھی ہیں اور وہ عبداللہ بن مسلمہ قعنبی ہیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بطریق قعنبی از مالک اسی طرح روایت کی ہے۔[۱]

متابع قاصر

وہ ہے جو راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ کی تائید کرتا ہو۔ اس کی مثال ابن خزیمہ کی ذکر کردہ مذکورہ صدر حدیث ہے جو موصوف نے بطریق عاصم بن محمد از والد خود محمد بن زید از جد خود عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بایں الفاظ روایت کی ہے کہ تیس دن پورے کرلو۔'' بخلاف ازیں صحیح مسلم میں عبید اللہ بن عمر نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ''تیس دن کا اندازہ کرلو۔''[۲]

۱۔ شرح نخبہ ص ۱۴

۲۔ التوضیح ج ۲، ص ۱۴، نیز شرح نخبہ ۱۴

Marfat.com

شاہد لفظی

جو متن حدیث کی لفظاً تائید کرے اس کو شاہد لفظی کہتے ہیں۔ اس کی مثال سابقاً ذکر کردہ حدیث کی وہ روایت ہے جو نسائی نے بروایت محمد بن حنین از ابن عباس ازِ نبی کریم ﷺ ذکر کی ہے یہ اس حدیث کے بالکل مطابق ہے جو عبداللہ بن دینار نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔[1]

شاہد معنوی

جو کسی حدیث کے معنی و مفہوم کی تائید کرے اسے شاہد معنوی کہتے ہیں اس کی مثال حدیث سابق کی وہ روایت ہے جو امام بخاری نے بطریق محمد بن زیاد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ ''بادل چھا جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کر لیا کرو۔''[2]

اس طرح رویت ہلال سے متعلق حدیث متابعت تامہ و قاصرہ نیز شاہد لفظی و معنوی چاروں کی مثال بن گئی۔[3]

اصولِ حدیث سے متعلق کتب میں متابع و شاہد کے ساتھ ساتھ ''اعتبار'' کا ذکر بھی کیا جاتا ہے جس سے قاری سمجھنے لگتا ہے کہ مجموعی اعتبار سے یہ تین قسمیں ہیں حق بات یہ ہے کہ اعتبار متابع و شاہد کی پہچان کے لئے ایک ذریعہ و وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الفیہ میں فرماتے ہیں۔

اَلْاِعْتِبَارُ سَبْرُ مَا يَرْوِيْهِ
هَلْ شَارَكَ الرَّاوِيْ سِوَاهُ فِيْهِ

''اعتبار روایت کی اس جانچ پڑتال کو کہتے ہیں کہ کیا کوئی دوسرا راوی بھی اس کے روایت کرنے میں شریک ہے یا نہیں۔''[4]

---

1. التدریب ص ۸۶
2. شرح نخبہ ص ۱۵
3. التوضیح ج ۲۔ ص ۱۵
4. الفیہ سیوطی ص ۱۰۴۔ شعر نمبر ۲۰۴

Marfat.com

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''مختلف کتب حدیث مثلاً جوامع مسانید اور اجزاء سے طرق و اسانید کو اس مقصد کے لئے تلاش کرنے کو اعتبار کہتے ہیں کہ آیا جس حدیث کو فرد اور غریب سمجھا جاتا ہے اس کا کوئی متابع بھی ہے یا نہیں؟ ابن الصلاح کے قول ''معرفة الاعتبار و المتابعات والشواهد'' سے وہم پڑتا ہے کہ شاید اعتبار بھی متابع وشاہد کی طرح ایک مستقل قسم ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اعتبار متابعات وشواہد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔''[1]

جو احادیث اصل کی حیثیت رکھتی ہیں محدثین ان میں جس حد تک تشدد سے کام لیتے ہیں شواہد و متابعات میں اتنی سختی نہیں برتتے۔ چنانچہ شواہد و متابعات میں اگر کسی قدر ضعف بھی پایا جاتا ہو تو اس کو گوارا کرتے ہیں مگر اصل روایات میں اس کو ناقابل برداشت تصور کرتے ہیں۔ بلکہ ایسا ضعف صحیحین کے متابعات وشواہد میں بھی موجود ہے۔ اسی لئے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر نقاد حدیث بعض ضعیف راویوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''یہ راوی اعتبار کے لئے موزوں ہے اور فلاں موزوں نہیں۔''[2]

جب کسی ضعیف راوی کے بارے میں ''متروک الحدیث'' کے الفاظ منقول ہوں تو وہ ''اعتبار'' کے لئے موزوں نہیں ہے اس کی مثال حدیث نبوی ''اَحْبِبْ حَبِيْبَكَ هَوْنًا مَّا'' ہے یہ حدیث ترمذی نے بطریق حماد بن سلمہ از ایوب از ابن سیرین از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث غریب ہے اور کسی دوسری سند سے مروی نہیں۔'' سیوطی نے امام ترمذی کی اس عبارت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ ''یہ حدیث کسی صحیح سند سے منقول نہیں۔ ورنہ حسن بن دینار نے اس کو ابن سیرین سے روایت کیا ہے مگر حسن متروک الحدیث ہونے کی بناء پر متابعات روایت کرنے کے لائق نہیں۔''[3]

---

1. نزہۃ النظر ص ۲۳ نیز التوضیح ج ۲ ص ۱۱۔۱۲
2. اختصار علوم الحدیث ص ۶۴
3. الباعث الحثیث ص ۶۴ بحوالہ التدریب ص ۸۵

Marfat.com

جو شخص ایسے طرق و اسانید کا طالب ہو جو متابعات و شواہد کے لائق ہیں اسے مختلف کتب حدیث مثلاً جوامع مسانید اور اجزاء کا مطالعہ کرنا چاہئے ہم قبل ازیں متابعات و شواہد پر روشنی ڈال چکے ہیں۔

۱۶۔ مدرج

مدرج اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند یا متن میں ایسے اضافہ کا پتہ چلے جو دراصل اس میں نہ ہو[1] اس کی وجہ تسمیہ واضح ہے ادراج ایک چیز کو دوسری کے اندر داخل کرنے اور اس کے سمونے کو کہتے ہیں۔[2]

احادیث صحیحہ حسن اور مسند کے راوی عموماً بتا دیا کرتے ہیں کہ اضافہ کہاں واقع ہوا ہے۔ اضافہ معمولی بھی ہو تو بھی وہ اس سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ اضافہ کرنے والا کون ہے۔ خواہ یہ زیادت متن میں ہو یا سند میں۔ ادراج کو ظاہر نہ کرنے کی صورت میں انہیں یہ خدشہ دامن گیر رہتا ہے کہ کوئی شخص ان کی زبانی یہ روایت نقل کرے اور اس بات کی تصریح نہ کرے کہ یہ ادراج ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ غیر شعوری طور پر حدیث رسول ﷺ یا رواۃ حدیث کے بارے میں دروغ گوئی کرنے والوں کے معاون ٹھہریں گے۔

اس میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ ادراج کذب و تدلیس کی ایک قسم ہے۔ اور وہی شخص اس کا ارتکاب کرتا ہے جو ضعیف الایمان ہو اور راسخ العقیدہ نہ ہو۔

سمعانی فرماتے ہیں:

''جو شخص دانستہ ادراج کا مرتکب ہوتا ہے وہ ساقط العدالت ہے اور ان لوگوں میں شمار ہوتا ہے جو کلمات کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ کذابین کے زمرہ میں شامل ہے۔''[3]

۱۔ باعث الحثیث ص ۸۰

۲۔ التوضیح ج ۲۔ حاشیہ ص ۵۰

۳۔ التدریب ...

Marfat.com

ادراج فی المتن اکثر حدیث کے آخری حصہ میں وقوع پذیر ہوتا ہے بعض راویان حدیث ایضاح وتفسیر کے نقطہ خیال سے حدیث کے آخر میں بعض الفاظ درج کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ اضافہ آغاز حدیث اوراس کے وسط میں بھی ہوتا ہے زیادہ تر شروع میں ہوتا ہے اوراس کی نسبت وسط میں بہت کم وقوع پذیر ہوتا ہے۔[1]

ادراج فی الوسط کی مثال وہ حدیث ہے جو امام نسائی نے مرفوعاً حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

"اَنَا زَعِیْمٌ ...... وَالزَّعِیْمُ الْحَمِیْلُ ...... لِمَنْ اٰمَنَ بِیْ وَ اَسْلَمَ وَ جَاهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِبَیْتٍ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّةِ"[2]

"جو مجھ پر ایمان لائے مشرف باسلام ہو جائے اور خدا کی راہ میں جہاد کرے میں اس کے لئے جنت کے کنارے پر ایک گھر کا ضامن ہوں"

اس حدیث میں "وَالزَّعِیْمُ الْحَمِیْلُ" کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ نہیں۔ بلکہ حدیث کے راوی ابن وہب نے لفظ "زعیم" کی تشریح کے لئے درج کئے ہیں راوی نے سمجھا کہ "زعیم" کا لفظ عام فہم نہیں ہے لہٰذا اس کا مفہوم واضح کر دیا۔

آغاز حدیث میں ادراج کی مثال خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی وہ روایت ہے جو موصوف نے بطریق ابوقطن وشبابہ از محمد بن زیاد از ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ))

"وضو اچھی طرح کیا کرو افسوس کہ ایڑیاں جہنم کی آگ کی نذر ہوں گی۔"

اس حدیث میں "اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ" کے الفاظ آپؐ نے نہیں فرمائے بلکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے درج کئے تھے۔ ابوقطن اور شبابہ نے جب شعبہ سے روایت کی تو انہوں نے اس کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سمجھا۔[3]

---

[1] التوضیح ج ۲ حاشیہ ص ۵۳

[2] التدریب ص ۹۷

[3] روایات کثیرہ سے اس ادراج کا پتہ چلتا ہے جن میں "اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ" کے الفاظ سرے سے ←

Marfat.com

حدیث کے آخری حصہ میں ادراج کی مثال ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ صحیح اور مرفوع روایت ہے کہ ''غلام کو دو اجر ملیں گے مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر جہاد حج اور والدہ کی اطاعت کا خیال دامن گیر نہ ہوتا تو میں غلامی کی حالت میں مرنے کو ترجیح دیتا۔''[۱]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ فرمایا تھا کہ ''غلام کو دو اجر ملیں گے'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے غلام بننے کی آرزو کا اظہار کر کے حدیث میں ذکر کردہ اجر وثواب کی تائید کر دی ہے ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو خود غلاموں کو آزاد کرنے کی تعلیم دیتے تھے آپ ایسی خواہش کا اظہار کیونکر کر سکتے تھے۔ نیز یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ تو بچپن ہی میں وفات پا گئی تھیں۔ پھر یہ الفاظ آپ کے کیونکر ہو سکتے ہیں۔[۲]

جہاں تک مدرج الاسناد کا تعلق ہے اس کا نتیجہ بھی دراصل ادراج فی المتن ہی کی صورت میں رونما ہوتا ہے[۳] تاہم مدرج الاسناد کی دو صورتیں زیادہ اہم ہیں۔[۴]

❶ ایک صورت یہ ہے کہ راوی ایک سند کے ساتھ متعدد سندوں والی حدیث کو جمع کر دے اور اختلاف اسانید کو بیان نہ کرے۔[۵] اس کی مثال ترمذی کی وہ حدیث ہے جو موصوف نے بطریق ابن مہدی از ثوری از واصل ومنصور واعمش از ابووائل از عمرو بن شرحبیل از ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ (آخر تک) واصل نے اپنی روایت میں عمرو بن شرحبیل

← موجود ہی نہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی [illegible] موصوف نے بطریق آدم از شعبہ از محمد بن زیاد از ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کی ہے کہ ابو ہریرہ [illegible] ''اسبغوا الوضوء'' (وضو اچھی طرح کیا کرو) کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ویل للاعقاب من النار [illegible] امام سیوطی تدریب ص ۹۶ پر خطیب سے نقل کرتے ہیں کہ [illegible] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سابق الذکر راوی [illegible] کی طرح [illegible] روایت کیا ہے۔

۱۔ التدریب ص ۱۶

۲۔ التوضیح ج ۲۔ ص ۶۲

۳۔ الباعث الحثیث ص ۸۲

۴۔ حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ ص ۲۱۔ ۲۲ پر مدرج الاسناد کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔

۵۔ الباعث الحثیثہ ص ۸۲

Marfat.com

کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ واصل نے براہِ راست ابووائل اور اس نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اس لئے عمرو بن شرحبیل کا ذکر واصل کی روایت میں ادراج اور منصور و اعمش کی سند میں درست ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ یحییٰ قطان نے ثوری سے دو سندوں کے ساتھ یہ حدیث واصل سے روایت کی ہے اور کسی میں بھی عمرو بن شرحبیل کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ ایک روایت منصور سے ہے اور دوسری اعمش سے۔ قطان کی روایت بخاری نے بھی ذکر کی ہے۔[1]

مذکورہ صدر روایت سے واضح ہوتا ہے کہ اس حدیث کی سندیں متعدد ہیں مگر راوی نے اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ حدیث واصل نے عمرو بن شرحبیل سے روایت کی ہے۔ کیونکہ منصور اور اعمش نے صراحۃً عمرو بن شرحبیل کا ذکر کیا ہے۔

۲ مدرج الاسناد کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک حدیث راوی نے ایک سند کے ساتھ روایت کی ہو۔[2] علاوہ ازیں اس نے ایک اور حدیث علیحدہ سند کے ساتھ بھی روایت کی ہو۔ بعد ازاں ایک راوی آئے اور دونوں میں سے ایک حدیث کو اس کی سند کے ساتھ روایت کرے اور بلا اطلاع دوسری حدیث کو بھی اس میں شامل کر دے۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو سعید بن ابی مریم نے بروایت مالک از زہری از انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے

((لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا))

"ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو اور ایک دوسرے پر رشک نہ کرو۔"

سعید ابن ابی مریم نے اس حدیث میں ایسی عبارت بھی شامل کر دی ہے جو اس

---

[1] التدریب ص ۹۸

[2] الباعث الحثیث ص ۸۳

Marfat.com

میں نہیں ہے بلکہ وہ دوسری حدیث کی عبارت ہے جس کی سند الگ ہے اور وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بطریق ابو الزناد از اعرج از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کی گئی ہے۔ وہ مدرج عبارت ''لَا تَنَافَسُوْا'' ہے یہ عبارت دوسری سند میں صراحۃً مذکور ہے جیسا کہ بخاری و مسلم نیز موطا میں یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔[1]

ادراج کے اسباب و محرکات بہت سے ہیں مثلاً:

1. حدیث نبوی میں ذکر کردہ بعض نادر الاستعمال الفاظ کی تشریح و توضیح۔
2. راوی متن حدیث کے آغاز میں اپنی جانب سے چند تمہیدی الفاظ کا اضافہ کر دیتا ہے۔
3. حدیث نبوی سے کسی شرعی حکم کا استنباط کر کے راوی حدیث کے وسط یا آخر میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دیتا ہے۔[2]

مذکورہ صدر محرکات ایسے ہیں کہ اگر راوی سے عمداً صادر ہوں تو بھی ہم انہیں جائز قرار دے سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر آئمہ حدیث نادر الفاظ کی تفسیر کے لئے ادراج کو جائز سمجھتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں خیال کرتے تھے۔[3]

علاوہ ازیں دیگر اسباب و محرکات کے زیر اثر سب محدثین و فقہاء کے نزدیک حدیث نبوی کے الفاظ میں دانستہ اضافہ کرنا حرام ہے یہ بات روشن ہے کہ حدیث مدرج کی جس قسم کو ہم نے حدیث صحیح حسن وضعیف کی مشترک قسم میں داخل کیا ہے وہ ایسی مدرج ہے جس میں تدلیس کو دخل نہ ہو۔ نیز یہ کہ صرف اسی مدرج کو صحیح یا حسن کہہ سکیں گے جس میں مدرج عبارت معلوم ہو اور یہ بھی جانتے ہوں کہ یہ ادراج ایضاح و تفسیر کی خاطر کیا گیا ہے ورنہ حدیث نبوی اس سے خالی ہے۔ حدیث نبوی میں یا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال شامل ہیں یا صحابہ و تابعین کے آثار وغیرہ۔

---

[1] التوضیح ج ۲ ص ۶۵۔ نیز حاشیہ لقط الدرر ص ۷۹

[2] التوضیح ج ۲۔ بر حاشیہ ص ۵۲۔

[3] التدریب۔ ص ۹۸

Marfat.com

مدرج کی پہچان کے کئی طریقے ہیں:[1]

① مدرج کی پہچان کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی جانب محال ہو مثلاً حدیث "اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ وَّمَا مِنَّا اِلَّا ...... اس حدیث میں آخری عبارت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی درج کردہ ہے اس لئے کہ شرکیہ کلمات کو آپ کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے غلامی کی آرزو کرنے کا واقعہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔

② دوسرا طریقہ یہ ہے کہ صحابی خود تصریح کرے کہ اس نے یہ مدرج جملہ نبی کریم ﷺ سے نہیں سنا مثلاً عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فقرہ کہتے سنا کہ:

((مَنْ جَعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ))

"جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ دوزخ میں داخل ہوگا"

اور دوسرا فقرہ میں خود کہتا ہوں کہ:

((مَنْ مَّاتَ لَا یَجْعَلُ لِلّٰہِ نِدًّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ))

"جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے بغیر مر جائے وہ جنت میں جائے گا"

صحیح مسلم میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

"ایک فقرہ آنحضور ﷺ نے فرمایا اور دوسرا میں خود کہتا ہوں"

مگر اختلاف روایت کی بناء پر ہم قطعی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ دونوں میں سے مدرج جملہ کون سا ہے۔

③ مدرج کی پہچان کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ راوی صراحۃً مرفوع سے مدرج عبارت کو علیحدہ کر دے اور بتا دے کہ یہ فلاں شخص نے درج کی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تشہد کے بارے میں حدیث نبوی ذکر کر کے فرمایا: "جب تم نے یہ سب کچھ کر لیا تو تمہاری نماز پوری ہو گئی۔ اگر چاہو تو اٹھ جاؤ ورنہ بیٹھے رہو۔" [ابوداؤد]

---

[1] لقط الدرر ص ۹۰۔ نیز التوضیح ج ۲۔ ص ۶۲

Marfat.com

یہ عبارت مدرج ہے۔ شبابہ بن سوار نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت بیان کی ہے اس سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔ شبابہ کہتے ہیں:

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا جب تم نے ایسا کیا تو تمہاری نماز پوری ہو گئی۔''

یہ حدیث دارقطنی نے روایت کی اور کہا کہ شبابہ ثقہ راوی ہے۔

۱۷۔ مسلسل

مسلسل وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو تدلیس سے پاک ہو اور جس کی روایت میں ایک خاص عبارت یا فعل کی تکرار ہوتی ہو اور ہر راوی اوپر والے راوی سے اس فعل یا عبارت کو نقل کرتا ہو۔ یہاں تک کہ وہ سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔[۱]

فن حدیث میں ناپختہ کار شخص حدیث مسلسل کی تدلیس و انقطاع سے پاک ہونے سے متاثر ہو کر فوراً اس کی صحت کا فیصلہ صادر کرتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ اس روایت میں جس عبارت یا ہم رنگ و ہم آہنگ فعل کی تکرار پائی جاتی ہے وہ شک و شبہ سے پاک نہیں ہے...... ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث مسلسل میں یہ فائدہ ضرور ہے کہ وہ تدلیس و انقطاع سے پاک ہوتی ہے مگر ایسی حدیثیں شاذ و نادر ہی صحیح ہوتی ہیں۔''[۲]

مسلسل احادیث کا اصل متن اگرچہ تدلیس سے پاک ہونے کی بناء پر صحیح ہوتا ہے مگر بعض اقوال و افعال کے کامل اور متماثل تسلسل کی وجہ سے ان میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے اس لئے کہ اخبار و احوال کی نقل و روایت میں اس قسم کا تسلسل بہت نادر اور

---

۱ لقط الدرر۔ ص ۱۳۶ پر حدیث مسلسل کی تعریف یہ کی ہے کہ جس کے راوی کسی صفت یا حالت یا کیفیت کے بیان کرنے میں یک زبان ہوں۔

۲ اختصار علوم الحدیث ص ۱۸۹

Marfat.com

دشوار ہوتا ہے۔[1] یہی وجہ ہے کہ اکثر احادیث کا متن اگرچہ صحیح ہوتا ہے مگر تسلسل کے طریقہ سے ان کی روایت کی جاتی ہے تو ان کی صحت برقرار نہیں رہتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مسلسل کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یہ اسناد کی صفت ہے جب کہ مرفوع ہونا متن کا وصف ہے بخلاف ازیں صحیح متن و سند دونوں کی صفت ہے۔"[2]

حدیث مسلسل جس کی نقل و روایت پر مشتمل الفاظ میں یکسانی پائی جاتی ہو اور ایسا تماثل و تشابہ بہت نادر ہو اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کو محمد بن داؤد سلیمان بن احمد سے اور وہ ابراہیم بن راشد سے اور وہ محمد بن یحییٰ واسطی سے جو ابو منصور کے خادم تھے روایت کرتے ہیں کہ ابو منصور نے مجھے کہا کہ اٹھ کر پانی ڈالیے تا کہ میں آپ کو منصور کے وضو کرنے کا طریقہ بتاؤں منصور نے مجھے کہا تھا کہ اٹھ کر پانی ڈالو تا کہ میں تمہیں ابراہیم کے وضو کرنے کا طریقہ بتاؤں۔ ابراہیم نے مجھے کہا تھا کہ اٹھ کر پانی ڈالیے کہ میں آپ کو علقمہ کے وضو کا طریقہ بتاؤں۔ کیونکہ علقمہ نے مجھے کہا تھا کہ اٹھ کر پانی ڈالیے تا کہ میں تمہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے وضو کا طریقہ بتاؤں۔ ابن مسعود نے مجھے کہا تھا کہ اٹھ کر پانی ڈالیے تا کہ میں تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کرنے کا طریقہ سکھاؤں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اٹھ کر پانی ڈالیے کہ میں تمہیں جبرائیل علیہ السلام کے وضو کرنے کا طریقہ بتاؤں۔[3]

جس روایت میں ایک ہی طرح کے افعال مسلسل مذکور ہوں اور ان افعال کی یکسانی و یگانگت اسی طرح حیرت و استعجاب کی موجب ہو جس طرح سابق الذکر حدیث میں ہے اس کی مثال محدث حاکم کی بیان کردہ یہ حدیث ہے کہ احمد بن حسین قاری نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور کہا ابو عمر عبدالعزیز بن عمر بن حسن نے میرے پنجے میں پنجہ

---

[1] حاشیہ لقط الدرر ص ۱۳۶

[2] شرح نخبہ ص ۴۴

[3] معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۰

Marfat.com

ڈالا اور کہا میرے باپ نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور کہا ابراہیم بن ابی یحییٰ نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور کہا صفوان بن سلیم نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور کہا ایوب بن خالد انصاری نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور کہا عبداللہ بن رافع نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور کہا ابو القاسم ﷺ نے میرے پنجے میں پنجہ ڈالا اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا' پہاڑوں کو اتوار کے دن' درختوں کو سوموار کے دن' مکروہات کو منگل کے روز' نور کو بدھ کے روز' مویشیوں کو جمعرات کے دن اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن پیدا کیا۔''[1]

مذکورہ صدر افعال و اقوال کی یکسانی سے نفس انسانی میں جو شکوک و شبہات ابھرتے ہیں محدثین میں ان کا احساس پیدا ہو گیا تھا حاکم نیشا پوری اس قسم کے شواہد و امثال ذکر کر کے ان پر مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

''یہ ہیں مسلسل اور متصل اسانید کی انواع و اقسام جن میں تدلیس کی کوئی آمیزش نہیں پائی جاتی۔ راویوں میں سماع کے آثار بھی پائے جاتے ہیں البتہ ان پر جرح و تعدیل کی پختہ مہر لگی ہوئی ہے ان میں سے اکثر اسانید کو میں صحیح تصور نہیں کرتا۔ میں نے ان کا ذکر صرف اس لئے کر دیا ہے تاکہ ان کے شواہد سے ان پر استدلال کیا جا سکے۔''[2]

اگرچہ امام حاکم مذکورہ اسانید میں سے بعض کو صحیح تصور نہیں کرتے تاہم وہ بعض مسلسل اسانید کے بارے میں صحیح اور حسن ہونے کا فیصلہ بھی صادر کرتے ہیں۔ امام حاکم کا یہ فیصلہ ایسی مسلسل احادیث کے بارے میں ہے جن کے راوی حفظ و ضبط کے اوصاف سے موصوف ہوں اور جس متماثل و متشابہ عبارت کے ساتھ انہوں نے کوئی حدیث اخذ کی ہو انہی الفاظ کے ساتھ اس کو دوسروں تک پہنچا دیں۔ مثلاً سَمِعْتُ

---

1 معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۳-۳۴

2 معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۴

Marfat.com

حَدَّثَنَا اور اَخبَرَنَا کے الفاظ کے ساتھ روایت کریں یہاں تک کہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ تک پہنچ جائے۔

مذکورہ بالا قسم کا تسلسل جو ایسے الفاظ میں رونما ہوتا ہے جن سے روایت حدیث کی صورت معلوم ہوتی ہے ممکن الوقوع ہوتا ہے یا کم از کم اس کے امکانات الفاظ روایت یا افعال رواۃ کے تماثل وتشابہ کی نسبت زیادہ روشن ہوتے ہیں۔

اس کی مثال امام حاکم کی وہ روایت ہے جو انہوں نے بطریق ابوالحسن بن علی از علی بن سالم اصبہانی از یحیٰ بن حکیم از عبدالرحمٰن بن مہدی از سفیان ثوری از ابوعون ثقفی از عبداللہ بن شداد نے بیان کی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"جس چیز کو آگ نے چھوا ہو اس سے وضو کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔"

اس سند کے تمام راوی ایک دوسرے سے "سَمِعْتُ" کہہ کر روایت کرتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے یا کسی اور نے مروان رحمۃ اللہ علیہ کو یہ حدیث سنائی تو اس نے مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا۔ محترمہ نے مجھے بتایا کہ پیغمبر ﷺ نماز کے لئے جایا کرتے تھے آپ نے ایک بوٹی یا شانے کی ہڈی چبائی پھر نماز پڑھی اور دوبارہ وضو نہ کیا۔[1] مسلسل صحیح کی ایک قسم وہ بھی ہے جس کے تمام راوی حافظ اور اعلیٰ صفات کے ساتھ موصوف ہوں۔ مسلسل کی یہ قسم قطعی علم کا فائدہ دیتی ہے۔[2]

لیکن صحیح ترین حدیث مسلسل جو اس کائنات پر روایت کی گئی وہ ہے جس میں سورہ صف کی تلاوت کا ذکر کیا گیا ہے۔[3]

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم چند صحابہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے اور کہہ رہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو کہ خدا کے نزدیک سب سے محبوب تر کون سا کام ہے تو ہم اس پر ضرور عمل کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ صف نازل فرمائی۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ سورت ہمیں پڑھ کر سنائی۔

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۰

[2] التدریب ص ۱۹۵

[3] التدریب۔ ص ۱۹۴

Marfat.com

ابو سلمہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے یہ سورت ہمیں سنائی۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ ابو سلمہ نے یہ سورت ہمیں سنائی اوراوزاعی کا بیان ہے کہ یحییٰ نے یہ سورت تلاوت کی۔ محمد بن کثیر کہتے ہیں کہ اوزاعی نے یہ سورت ہمیں پڑھ کر سنائی۔ محدث دارمی کہتے ہیں کہ محمد بن کثیر نے سورہ صف تلاوت کی۔[1]

مسلسل احادیث میں سے ایک حدیث وہ ہے جس کے تسلسل اور متن دونوں کو نقاد حدیث نے باطل قرار دیا ہے وہ حدیث یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''خدا کی قسم جبرائیل امین نے مجھے بتایا اور کہا خدا کی قسم میکائیل نے مجھے بتایا یہاں تک کہ اس طرح یہ روایت اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتی ہے۔'' محدث سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث متناً وتسلسلاً دونوں اعتبار سے باطل ہے۔''[2]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی حدیث کو بلا سبب ودلیل صحیح یا ضعیف نہیں کہہ سکتے۔ کسی حدیث کے غلطی سے پاک ہونے کا انحصار اس کی سند ومتن کی تحقیق وتلاش پر ہے اور اس ضمن میں فیصلہ صادر کرنے کے لئے صبر وتحمل کے ساتھ سوچ بچار کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

۱۹-المصحف

محدثین عظام نے حدیث مصحف کی صحیح پہچان حاصل کرنے کے سلسلہ میں بڑی جدوجہد سے کام لیا تھا۔ خواہ تصحیف متن میں واقع ہوئی ہو یا سند میں' حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی پہچان بڑا اہم کام ہے[3] اس فن میں مہارت رکھنے والوں کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ علم حدیث کی اس خاص قسم میں علماء کی علمی غلطی کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ (جو آسان کام نہیں ہے)

---

۱ حاشیہ لقط الدرر ص ۱۳۵

۲ کتاب مذکور ص ۱۳۶

۳ شرح نخبہ۔ ص ۲۲

Marfat.com

متقدمین نقاد حدیث مصحف ومحرف میں فرق نہیں کرتے' تھے اس لئے کہ غلطی دونوں میں واقع ہوتی ہے۔ نیز مصحف ومحرف دونوں قسم کی احادیث صحف (کتب حدیث) سے ماخوذ ہوتی ہیں اور بالمشافہہ ان کا سماع نہیں کیا جاتا۔ مصحف کے ترادف کے پیش نظر امام عسکری[۱] نے اس موضوع پر اپنی کتاب کا نام ''التصحیف والتحریف وشرح مایقع فیہ''[۲] رکھا ہے۔

علماء نے تصحیف قرآن وسنت کے موضوع پر جو کتابیں تصنیف کی ہیں یہ ان میں سے بہترین کتاب ہے امام عسکری رحمۃ اللہ قاری کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ تصحیف وتحریف دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنی تصنیف میں ایسے مشکل الفاظ واسماء کی تشریح کر دی ہے جن کی ظاہری صورت ملتی جلتی ہے اور ان میں تصحیف وتحریف پیدا ہو جاتی ہے۔''[۳]

اصل بات یہ ہے کہ بعض لوگ علماء کے بجائے کتابوں سے علم حاصل کرتے تھے اس لئے ان کی نقل کردہ روایات میں بعض اوقات الفاظ بدل جایا کرتے تھے۔[۴]

متاخرین حفاظ حدیث کا رجحان ومیلان اس جانب ہے کہ محرف ومصحف میں فرقِ پایا جاتا ہے اگرچہ یہ فرق چنداں نمایاں نہیں بلکہ بہت معمولی ہے چنانچہ ابن حجر

[۱] امام لغوی علامہ ابو احمد عسکری الحسن بن عبداللہ بن سعید لغت وحدیث دونوں کے زبردست امام تھے۔ آپ نے ''صناعۃ الشعر'' ''الحکم والامثال'' ''المختلف والموتلف'' اور ''التصحیف'' نامی کتب تصنیف کیں۔ ابو ہلال عسکری صاحب ''الصناعتین'' آپ کے شاگرد تھے۔ ابو ہلال کا نام حسن بن عبداللہ بن سہل ہے۔ استاد اور شاگرد دونوں کا نام ونسبت اور ان کے والد کا نام ایک ہی تھا۔ بروکلمان نے تاریخ آداب العرب ج۲ ص ۱۲۷ میں دونوں کو خلط ملط کر دیا۔ پھر جب اس کتاب کا ضمیمہ لکھا تو اس میں تصحیح کر دی۔ ابو احمد عسکری ۳۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ [بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۱]

[۲] اس کتاب کا ایک حصہ ۱۳۸۶ھ میں مصر میں طبع ہو چکا ہے مگر اس کی طباعت اچھی نہیں ہے۔ اس کا مخطوطہ دار الکتب قاہرہ میں ۱۵۶ صفحات میں موجود ہے۔

[۳] التصحیف ص ۳

[۴] کتاب مذکور ص ۹

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ:

''جس میں نقطوں کی تبدیلی کر کے ایک حرف یا چند حروف کو بگاڑ دیا گیا ہو مگر اس کی ظاہری صورت میں کوئی فرق نہ آیا ہو تو اس کو ''مصحف'' کہتے ہیں۔ بخلاف ازیں اگر حرف کی شکل تبدیل ہو گئی ہو تو اس کو ''محرف'' کہتے ہیں۔''[1]

اس اصطلاح کے پیش نظر مصحف کی مثال یہ حدیث ہے:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ))

''جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے اور رکھے''

ابوبکر الصولی نے تصحیف کر کے سِتًّا کو شَيْئًا بنا دیا۔ محرف کی مثال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے:۔

((رُمِیَ اُبَیٌّ یَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلٰی اَکْحَلِهٖ فَکَوَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ))

''غزوہ خندق کے دن حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی رگ اکحل پر تیر لگا تو آپ نے اس کو داغ دیا''

غندر نامی راوی نے اُبَیّ میں تصحیف کر کے اس کو اَبِیْ (میرا باپ) پڑھا۔ حالانکہ جابر رضی اللہ عنہ کے والد قبل ازیں غزوہ احد میں شہید ہو چکے تھے۔[2]

اس ضمن میں بکثرت واقعات مروی ہیں کہ حدیث کی طرح تصحیف قرآن کریم میں بھی واقع ہوئی ہے تصحیف کا ارتکاب زیادہ تر وہ لوگ کرتے تھے جو عامی ہونے کے باوصف معلم کے منصب پر فائز ہو گئے تھے۔ وہ قراء و حفاظ کے ساختہ پرداختہ بھی نہ تھے جو ان کی غلطیوں کی نشان دہی کر دیتے۔[3]

ابوبکر المعیطی ذکر کرتے ہیں کہ میں نے ایک استاد کو دیکھا جو ایک لڑکے کو قرآن کریم پڑھا رہا تھا:

---

[1] شرح نخبہ ص ۲۲

[2] حاشیہ لقط الدرر ص ۹۵۔

[3] اختصار علوم الحدیث ص ۱۹۲

Marfat.com

((فُرَیِّقٌ فِی الْحَبَّۃِ وَ فُرَیِّقٌ فِی الشَّعِیْرِ))

میں نے کہا استادِ گرامی! خدا نے یوں تو نہیں فرمایا۔ قرآنی آیت تو اس طرح ہے:

((فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ))

اس نے کہا ''تم ابو عاصم بن العلاء کسائی کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہو اور میں ابوحمزہ بن عاصم مدنی کے مطابق'' میں نے کہا ''آپ قاریوں سے خوب واقف ہیں'' یہ کہہ کر میں چل دیا۔[1]

محدثین میں سے قرآن میں سب سے زیادہ تصحیف عثمان بن ابی شیبہ[2] سے منقول ہے۔ محدث دارقطنی نے کتاب التصحیف[3] میں ان کی بہت سی غلطیوں اور تحریفات کا ذکر کیا ہے۔ ایک مرتبہ تفسیر قرآن کے دوران انہوں نے آیت قرآنی یوں تلاوت کی ''جَعَلَ السَّفِیْنَۃَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْہِ'' جب ان سے کہا گیا کہ قرآن میں ''اَلسَّفِیْنَۃَ'' کے بجائے ''اَلسِّقَایَۃَ'' کے الفاظ ہیں تو موصوف نے جواباً کہا ''میں اور میرا بھائی ابوبکر قاری عاصم کی پیروی نہیں کرتے۔''[4]

ایک مرتبہ سورۃ الفیل یوں تلاوت کی۔

((اَلٓمّٓ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ))

یعنی اَلَمْ کو الٓمّٓ یعنی سورہ بقرہ کی ابتدائی آیت کی طرح تلاوت کیا۔[5]

ایک مرتبہ اس نے یوں پڑھا:

---

1. الجامع۔ ج ۴۔ ص ۶۴

2. الجامع۔ ج ۴۔ ص ۶۳۔ عثمان بن ابی شیبہ کا پورا نام و نسب حافظ ابوالحسن عثمان بن محمد ہے۔ ابو شیبہ ان کے دادا کا نام ہے۔ ابو شیبہ اور ان کے بھائی ابوبکر دونوں صاحب المسانید ہیں۔ عثمان ۲۳۹ھ میں فوت ہوئے۔ [الرسالۃ المستطرفہ ص ۵۰]

3. التدریب ص ۱۹۷۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح نخبہ ص ۲۲ پر دارقطنی کی کتاب التصحیف اور عسکری کی کتاب کا ذکر کیا ہے۔

4. التدریب۔ ص ۱۹۷۔ نیز الجامع ج ۴۔ ص ۶۴

5. التدریب۔ ص ۱۹۷

Marfat.com

((فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسِنَّوْرٍ لَهُ نَابٌ))

ایک شاگرد نے کہا آیت تو یوں ہے ((بِسُوْرٍ لَهُ بَابٌ))

عثمان نے کہا ''میں حمزہ کی طرح تلاوت نہیں کرتا ہمارے نزدیک اس کی قرأت ایک بدعت ہے۔''[1]

مگر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ عثمان بن ابی شیبہ کی جانب منسوب واقعات کو تسلیم نہیں کرتے اور ان کی طرف سے شدید مدافعت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عثمان بن ابی شیبہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ قرآن کریم کی تصحیف کیا کرتے تھے' بڑی انوکھی بات ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر مرتب کی ہے۔ ان کی جانب ایسی باتیں منسوب ہیں جن کا صدور بچوں سے بھی ممکن نہیں۔''[2]

قرآن کریم میں ایسی تصحیفات کی ایک یگانہ اور منفرد مفسر و محدث کی جانب نسبت کتنی بھی عجیب و غریب اور شکوک و شبہات سے پر کیوں نہ ہو اس سے مجال انکار نہیں کہ احادیث کے متون ہوں یا اسانید' دونوں میں تصحیف واقع ہوئی ہے۔ اصول حدیث کی ہر کتاب ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ امام احمد نے کیا خوب فرمایا:

''اور خطاء و تصحیف سے کس کا دامن پاک ہو سکتا ہے؟''[3]

تصحیف کی جولانگاہ بڑی حد تک متون ہیں مگر بعض اوقات سند کے ناموں میں بھی تصحیف پائی جاتی ہے۔[4] متن حدیث میں تصحیف واقع ہونے کی مثال یہ ہے کہ جب محمد بن یحییٰ ذھلی کا انتقال ہو گیا تو محمش نامی ایک شیخ حدیث پڑھانے بیٹھے۔ موصوف نے مشہور حدیث ''یَا اَبَا عُمَیْرٌ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ؟''[5] کے بجائے ''مَا فَعَلَ الْبُعَیْرُ؟''

1. الجامع ج ۴۔ ص ۶۴
2. اختصار علوم الحدیث۔ ص ۱۹۴
3. التدریب ص ۱۹۶
4. شرح نخبہ ص ۲۲
5. نُغیر نُغَر کی تصغیر ہے۔ نغر ایک چڑیا نما جانور کا نام ہے جس کی چونچ سرخ ہوتی ہے۔ [معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۴۶ نیز اختصار علوم الحدیث ص ۱۹۳]

Marfat.com

پڑھا۔ زکریا بن مہران کہتے ہیں کہ بعض راویوں نے تصحیف کر کے ''لَا یُوْرِثُ حَمِیْلٌ اِلَّا بِبَیِّنَۃٍ'' کو ''لَا یَرِثُ جَمِیْلٌ اِلَّا بِثَیْنَۃٍ'' پڑھا۔ بعض لوگوں نے حدیث ''زُرْغِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا'' کو ''زَرْعُنَا تَزْدَادُ حِنًّا'' ''ہماری کھیتی میں مہندی زیادہ اُگے گی'' پڑھا اور ایک طویل کہانی سنادی کہ ایک قوم غلے کا عشر ادا نہیں کرتی تھی اور نہ صدقہ دیتی تھی۔ ان کی کھیتیاں مہندی کی صورت میں تبدیل ہو گئیں۔[1]

تصحیف متن کے بارے میں منقول واقعات میں سے ایک نرالہ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ نافع نے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اس شخص کے بارے میں کیا فرمایا تھا جس کے باپ کا ایک واقعہ مشہور ہے (نُشِرَتْ فِیْ اَبِیْہِ الْقِصَّۃُ) لیث نے کہا وہ تو اس شخص کے بارے میں تھا جو چاندی کے برتنوں میں پیتا ہو (اَلَّذِیْ یَشْرَبُ فِیْ اٰنِیَۃِ الْفِضَّۃِ) کہ ایسا شخص اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرتا ہے۔[2]

مصحف اسناد کی مثال وہ روایت ہے جو محمد بن عبدالقدوس قاری نے بعض مشائخ نے نقل کی اس نے کہا کہ بغداد کے ایک شیخ نے ہم کو سقبان ثوری اور انہوں نے جلد الجدا اور انہوں نے الجبر سے سن کر بتایا۔[3] حالانکہ اصل سند میں سفیان ثوری[4] از خالد الحذاء از حسن مذکور تھا۔

امام شافعی سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیفات کے بارے میں بھی روایات منقول ہیں۔ مزنی کہتے ہیں کہ میں نے شافعی سے سنا فرماتے تھے ''مالک نے عمر بن عثمان میں تصحیف کر دی۔ دراصل یہ عمرو بن عثمان تھا اسی طرح جابر بن عتیک کہا' حالانکہ وہ جبر بن عتیک تھا۔ عبدالملک بن قریب کو غلطی سے عبدالعزیز بن قریر بنا دیا۔''[5]

---

۱ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۴۸ نیز التدریب ص ۱۹۶

۲ الجامع۔ ج ۴۔ ص ۶۲

۳ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۵۲

۴ ان کا تعارف قبل ازیں کرایا جا چکا ہے۔

۵ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۵۰

Marfat.com

پہلے دو ناموں میں تصحیف ظاہر ہے تیسرے نام کے بارے میں امام حاکم فرماتے ہیں:

''عبدالعزیز کے بارے میں شافعی کا قول وہم پر مبنی ہے۔ وہ عبدالعزیز بن قریر ہی صحیح ہے اور عبدالملک بن قریب غلط ہے۔ کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اصمعی[۱] سے روایت نہیں کرتے۔ عبدالعزیز بن قریر سے امام مالک کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی روایت کی ہے۔''[۲]

کتب حدیث کے مولفین سماع کی تصحیح سے متعلق جو روایات بیان کرتے ہیں وہ بھی اس سے ملتی جلتی ہیں۔ مثلاً یہ روایت کہ شعبہ بن حجاج نے خالد بن علقمہ کے نام میں تصحیف کر کے اس کو مالک بن عرفطہ بنا دیا[۳] ایسے معلوم ہوتا ہے کہ خالد دو شخصوں کا نام ہے۔ ایک سے شعبہ روایت کرتے ہیں باقی رواۃ حدیث دوسرے خالد سے روایت اخذ کرتے ہیں مالک بن عرفطہ بھی شعبہ کے استاد ہیں اس لئے یہ ممکن نہیں کہ شعبہ نے اس میں تصحیف کر دی ہو البتہ شعبہ کو بعض اوقات سند میں وہم پڑ جاتا ہے اور وہ آپ کی جگہ دوسرا نام رکھ دیتے ہیں جس کو نقاد حدیث تصحیف خیال کرنے لگتے ہیں۔[۴]

اصل تصحیف وہ ہے جو صحف (کتب حدیث) کے غلط درس و مطالعہ کی پیداوار ہو جیسا کہ تصحیف کے نام سے بھی یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے مگر تصحیف کی ایک قسم تصحیف سماع میں بھی ہے تصحیف سماع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی راوی کا نام و لقب یا اس کا اور اس کے والد کا نام دوسرے نام و لقب یا دوسرے نام اور اس کے باپ کے نام کے وزن پر ہوں یہ حروف شکل و صورت اور نقطوں کے لحاظ سے مختلف ہوں مگر سنتے وقت شبہ پڑ جائے مثلاً ''عاصم احول'' کو ''واصل احدب'' کہہ دیا جائے اور ایسا ہوا بھی ہے۔[۵]

---

۱ ان کا مقصد یہ ہے کہ عبدالملک بن قریب اصمعی نام ہے اور امام مالک ان سے روایت نہیں کرتے۔

۲ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۵۰

۳ التدریب۔ ص ۱۹۷

۴ علامہ احمد محمد شاکر نے شرح ترمذی ج ا۔ ص ۶۷۔ ۷۰ پر اس تصحیف کی بہت عمدہ تحقیق کی ہے۔ نیز دیکھئے مسند احمد بحاشیہ احمد شاکر حدیث نمبر ۹۲۸۔ ۹۸۹ جہاں ایک سند میں خالد بن علقمہ کا نام مذکور ہے اور دوسری میں مالک بن عرفطہ۔

۵ التدریب ص ۱۹۶۔ ۱۹۷

Marfat.com

اس ضمن میں محدث ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''دارقطنی ذکر کرتے ہیں کہ اس کا تعلق تصحیف سماع کے ساتھ ہے۔ تصحیف بصر کے ساتھ نہیں۔ دارقطنی غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ حروف لکھتے وقت باہم مشتبہ نہیں ہوتے۔ البتہ سننے والے سے غلطی ہو جاتی ہے۔''[1]

تصحیف سماع کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اہواز کے رہنے والے نے بُکَیر نامی راوی کے نام کو بدل کر اُکَیْل بنا دیا۔

حاکم فرماتے ہیں:

''راوی نے جب استاد سے یہ لفظ سنا تو بکیر کے بجائے اس کو اکیل سمجھا۔''[2]

چونکہ تصحیف اکثر راویوں کے ناموں میں وقوع پذیر ہوتی تھی اس لئے ناقدین حدیث نے باہم ملتے جلتے ناموں کی جانب خصوصی توجہ مبذول کی۔ بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر راویوں کے قبائل ان کے بلاد و امصار اور ان کی کنیتوں اور پیشوں میں جو الفاظ مشابہ تھے ان کو بھی اپنی تحقیق کا مرکز بنایا۔[3] اسی طرح ان راویوں کے بارے میں تحقیق کا آغاز کیا جن کے نام متعدد تھے۔[4] جو کنیت کے بجائے نام سے مشہور تھے[5] یا ایسے اسماء و القاب اور انساب[6] جو بظاہر ملتے جلتے مگر دراصل ایک دوسرے سے الگ تھے۔ علمائے حدیث نے اس موضوع پر تصانیف کا انبار لگا دیا جن میں سے بعض زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور بعض ابھی تک غیر مطبوعہ حالت میں پڑی ہیں۔

تصحیف جو متن میں واقع ہو اس کی شکل و صورت کیسی بھی ہو اس میں شبہ نہیں کہ

---

1. علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۲۳۳
2. معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۵۱
3. کتاب مذکور ص ۲۲۱
4. اختصار علوم الحدیث ص ۲۳۵
5. کتاب مذکور ص ۲۳۶
6. التدریب۔ ص ۲۳۵

Marfat.com

اس سے حدیث کا معنی و مفہوم تبدیل ہو جاتا ہے[1] اور حقائق برقرار نہیں رہتے خصوصاً جب کہ تصحیف کا ارتکاب کرنے والا کم علم اور قلیل الضبط آدمی ہو۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس باب میں جو نادر واقعات بیان کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ابو موسیٰ محمد بن مثنیٰ عنزی اپنے قبیلہ عنزہ پر فخر کرتے ہوئے کہنے لگے ہمیں اس قبیلہ میں سے ہونے پر فخر ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے "عنزہ" کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ موصوف نے سمجھا کہ عنزہ سے ان کا قبیلہ مراد ہے۔ حالانکہ "عنزہ" اس برچھی کو کہتے ہیں جو آپ کے ساتھ رہتی تھی اور آپ اسے آگے کھڑا کر کے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔[2] (یعنی اس سے نماز میں سترہ کا کام لیتے تھے۔)

اکثر لوگ یہ اعتراض وارد کرتے ہیں کہ حدیث مصحف کا شمار حدیث کی اس مشترک قسم میں کیونکر کیا جا سکتا ہے جس میں صحیح حسن اور ضعیف سب حدیثیں شامل ہوتی ہیں؟ حالانکہ اس کی سب قسموں میں ضعف نمایاں ہوتا ہے گویا اس حدیث کے متعلق گفتگو کرنے والا اس غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے کہ یہ حدیث اگر موضوع نہیں تو کم از کم ضعیف ضرور ہوگی۔

مگر آغاز کار ہی سے اس اعتراض کی غلطی نکھر کر سامنے آجاتی ہے یہ اعتراض اس فاسد مفروضہ پر مبنی ہے کہ تصحیف کا ارتکاب کرنے والوں کو صحیح اور حسن احادیث کی تصحیف سے روکا گیا اور ضعیف احادیث کے ساتھ کھیلنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی تھی۔ حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے تصحیف کرنے والوں کا یہ حال تھا کہ اپنے آپ کو احادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریف کے دائرہ کے اندر محدود نہیں رکھتے تھے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ قرآن کریم کی تصحیف کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

---

[1] اسی لیے مصحف کو دو قسموں میں منقسم کرتے ہیں۔ ❶ مصحف فی اللفظ ❷ مصحف فی المعنی۔ [التدریب۔ ص ۱۹۶۔ ۱۹۷]

[2] الجامع۔ ج ۴۔ ص ۶۳

Marfat.com

جس طرح قرآن کریم پر تصحیف کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور کلام الٰہی تصحیفات سے صاف صاف ممتاز نظر آتا ہے اسی طرح احادیث صحیحہ اور حسن وضعیف حدیثیں بھی ممتاز ہو جاتی ہیں اور صاف کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے مگر اس میں تصحیف واقع ہوئی ہے فلاں حدیث حسن ہے اور فلاں ضعیف ہے مگر فلاں راوی نے اس میں تصحیف پیدا کر دی ہے۔

حدیث مصحف کے درس و مطالعہ کے ساتھ وہ بیس اصطلاحات ختم ہو گئیں جو صحیح حسن اور ضعیف احادیث کے مابین مشترک ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ہم نے ان اقسام میں اقوال صحابہ و تابعین کو بھی شامل کر دیا ہے۔

ہم نے جس طرح ان اصطلاحات کا مطالعہ باہمی قرب یا بعد کے اعتبار سے دو دو یا تین تین کے گروپوں میں کیا ہے اس سے ان کی تعریفات صورتوں اور مثالوں کا فہم و ادراک ہمارے لئے بہت آسان ہو گیا ہے اس سے نقد احادیث کا وہ مقیاس و معیار بھی ہمیں معلوم ہو گیا ہے جس پر محدثینؒ کرام کے افکار و آراء مبنی تھے۔ ہمارے مذکورہ صدر بیان میں مورخانہ باریک بینی منطقی طرز استدلال خطیبانہ فصاحت و بلاغت اور اس ناقل کی امانت و دیانت پائی جاتی ہے جو ان تمام باتوں کو دین سمجھ کر لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہو۔

Marfat.com

فصل : ۶

حدیث موضوع اور وضع کے اسباب و وجوہ

حدیث موضوع

موضوع اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو کوئی کذاب گھڑ کر جھوٹ موٹ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر دے[1] یہ بناوٹ اکثر واضع کی جانب سے ہوتی ہے اور اس حدیث کے الفاظ اور اس کی سند بھی اس کی اپنی ساختہ پرداختہ ہوتی ہے۔[2]

بعض واضعین جب وضع حدیث کے لئے کوئی دوسرا محرک نہیں پاتے تو نبی ﷺ تک پہنچنے والی ایک جھوٹی سند گھڑ کر آپ کی جانب کوئی حکیمانہ مقولہ یا کوئی جامع کلمہ یا مختصر ضرب المثل منسوب کر دیتے ہیں۔

امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا "یہ موضوع احادیث ہیں ان کا کیا کیا جائے؟" فرمایا "علمائے کرام موجود ہیں"[3] فرمان ربانی ہے کہ "ہم نے ہی اس قرآن کریم کو اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں" علمائے کرام نے احادیث صحیحہ کو موضوعات سے نکھیڑنے اور ان میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے اصول وضوابط اور بہت سخت قسم کا مقیاس و معیار وضع کیا تھا۔ یوں تو یہ قواعد بہت ہیں مگر مندرجہ ذیل پانچ ضوابط کسی حدیث کے متعلق وضع کا فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

---

۱ التدریب ص ۹۸

۲ شرح نخبہ ص ۶۰

۳ التدریب ص ۱۰۲۔ التوضیح ج ۲ ص ۸۹ میں اس قول کو عبد الرحمٰن بن مہدی کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔

Marfat.com

پہلا قاعدہ

واضع خود اعتراف کرے کہ اس نے یہ حدیثیں وضع کی ہیں[1] جیسا کہ ابو عصمہ نوح بن ابی مریم نے جو ''نوح الجامع'' کے لقب سے مشہور تھا کیا تھا۔ نوح نے خود اعتراف کیا تھا کہ اس نے قرآن کریم کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں حدیثیں وضع کر کے ان کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب کیا ہے۔[2]

دوسرا قاعدہ

حدیث کے معنی و مفہوم میں کوئی خرابی ہو یا اس کا اعراب نحوی اعتبار سے غلط ہو۔[3] ایسی حدیث اس لئے موضوع ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے ایسی غلطی آپ سے صادر نہیں ہو سکتی۔ حدیث نبوی کے ماہرین کے لئے یہ قاعدہ بڑا آسان ہے۔

ربیع بن خثیم فرماتے ہیں:

''حدیث نبوی میں دن جیسی تابانی و درخشانی پائی جاتی ہے جس کو آدمی فوراً پہچان لیتا ہے بخلاف ازیں حدیث موضوع میں وہ ظلمت ہوتی ہے جو کسی سے پوشیدہ نہیں رہتی۔''[4]

---

1. شرح نخبہ ص ۲۰
2. التدریب ص ۱۰۲ مثلاً عمر بن صبح تیمی نے اعتراف کیا تھا کہ اس نے ایک خطبہ وضع کر کے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا تھا اسی طرح میسرہ بن عبد ربہ نے خود اعتراف کیا تھا کہ اس نے حضرت علی کی فضیلت میں ستر حدیثیں وضع کی ہیں۔ ابو عصمہ کو جامع اس لئے کہتے تھے کہ اس نے علم فقہ امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ سے حاصل کیا' حدیث کا علم حجاج بن ارطاۃ سے' تفسیر کلبی اور مقاتل سے' فن مغازی محمد بن اسحاق سے' اس طرح اس نے تمام کمالات اپنی ذات میں جمع کر لئے تھے ابو حاتم اس کے بارے میں کہتے ہیں ''ابو عصمہ میں ہر کمال تھا مگر سچائی نہ تھی'' ابو عصمہ کو ابو منصور نے اپنے عہد خلافت میں شہر مرو کا قاضی مقرر کیا تھا۔ [التوضیح ج ۲ ص ۸۱]
3. التدریب ص ۸۸
4. التوضیح ج ۲ ص ۹۴

Marfat.com

نقادِ حدیث کے نزدیک معنوی رکاکت لفظی ولغوی غلطی سے بھی زیادہ مذموم ہے اس لئے کہ معنوی فساد حدیث کے موضوع ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''رکاکت کا معیار و مدار معنی پر ہے۔ جہاں بھی معنوی فساد پایا جائے گا ہم سمجھیں گے کہ وہ حدیث موضوع ہے اگرچہ اس میں غیر معیاری اور پھسپھسے الفاظ نہ بھی ہوں اس لئے کہ دین اسلام کا دامن خوبیوں سے مالا مال ہے بسا اوقات غیر معیاری الفاظ سے حدیث کا موضوع ہونا واضح نہیں ہوتا بلکہ اس امر کا احتمال ہوتا ہے کہ راوی نے روایت بالمعنی کی ہو اور حدیث کے اصلی الفاظ کی جگہ غیر فصیح الفاظ رکھ دیئے ہوں البتہ اگر راوی صراحۃً کہے کہ یہ آپ کے الفاظ ہیں تو وہ کاذب ٹھہرے گا۔''[1]

تیسرا فائدہ

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ حدیث عقل انسانی یا حس و مشاہدہ کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو۔[2]

عبدالرحمٰن بن زید سے دریافت کیا گیا کہ آیا تمہارے والد نے تمہارے دادا سے سن کر تمہیں یہ حدیث بتائی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی؟ عبدالرحمٰن نے کہا ہاں! یہ درست ہے۔[3]

---

1. التدریب ص ۹۹
2. الکفایہ ص ۱۷ نیز شرح نخبہ ص ۲۰
3. التہذیب ج ۶ ص ۱۷۹ نیز التدریب ص ۱۰۰ ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں بطریق محمد بن شجاع از حبان بن خلال از حماد بن سلمہ از ابو المہزم از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ موضوع حدیث مرفوعاً روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کو پیدا کر کے اسے دوڑایا تو وہ پسینہ سے شرابور ہو گیا پھر اپنی ذات کو اس سے جنم دیا۔ سیوطی التدریب ص ۱۰۰ میں اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''کوئی مسلم ایسی حدیث وضع نہیں کر سکتا۔'' اس کو وضع کرنے کا سہرا محمد بن شجاع کے سر ہے جو تحت ←

Marfat.com

اس حدیث کا واضع مشہور جھوٹا راوی عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم ہے۔ التہذیب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو ایک منقطع حدیث سنائی۔ آپ نے فرمایا "عبد الرحمٰن بن زید کے یہاں جائیے۔ وہ تمہیں اپنے والد سے بروایت نوح حدیثیں سنائے گا۔"[۱]

چوتھا قاعدہ

چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ حدیث میں معمولی سی بات پر بہت زیادہ اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہو۔ یا معمولی سی بات پر شدید سزا کی دھمکی دی گئی ہو۔[۲] مثلاً کسی مستحب فعل کے انجام دینے اور مکروہ کے ترک کرنے پر ابدی جنت اور حور العین کی رفاقت و معیت کا وعدہ۔[۳] یا کسی مستحب کام کو چھوڑنے یا مکروہ فعل کو انجام دینے پر ابدی جہنم اور غضب خداوندی کی وعید۔ افسانہ گو قسم کے لوگ عوام کے دلوں کو موہ لینے اور اپنی طرف مائل کرنے کے لئے ایسی حدیثوں کے بہت مشتاق ہوا کرتے تھے۔[۴]

پانچواں قاعدہ

پانچواں قاعدہ یہ ہے کہ حدیث کا واضع دروغ گو اور بے دین آدمی ہو اور اپنے نظریات کی تائید میں حدیثیں گھڑنے میں کوئی باک نہ سمجھتا ہو۔[۵]

مامون بن احمد ہروی سے کسی نے کہا تم دیکھتے نہیں کہ امام شافعی کے پیرو خراسان میں کس قدر پھیلتے جا رہے ہیں اس نے فوراً کہا میں نے احمد بن عبد اللہ سے سنا اس نے

← بے دین آدمی تھا۔ اس کی سند میں ابو المہزم ایک جھوٹا راوی بھی ہے۔ جس کے بارے میں شعبہ کا یہ قول مشہور ہے کہ "اگر اسے ایک درہم دے دیا جائے تو وہ پچاس حدیثیں وضع کر دے۔"

۱۔ الباعث الحثیث ص ۹۱

۲۔ التدریب ص ۹۹

۳۔ لقط الدرر ص ۸۳

۴۔ التدریب ص ۹۹

۵۔ شرح نخبہ ص ۲۰

Marfat.com

عبداللہ بن معدان ازدی سے اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ میری امت میں ایک شخص محمد بن ادریس ہوگا وہ میری امت کے لئے ابلیس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوگا اور میری امت میں ایک دوسرا شخص ہوگا جس کو ابوحنیفہ کہیں گے۔ وہ میری امت کا چراغ ہے۔[1]

اور اس سے عجیب تر وہ روایت ہے جس کو حاکم نے سیف بن عمر سے نقل کیا اس نے کہا کہ میں سعد بن طریف کے پاس بیٹھا تھا اس کا لڑکا مدرسہ سے روتا ہوا آیا اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ لڑکے نے کہا ''مجھے استاد نے پیٹا ہے'' اس نے کہا میں آج انہیں رسوا کر کے چھوڑوں گا مجھے عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سن کر مرفوعاً بتایا کہ تمہارے بچوں کے استاد شریر تر لوگ ہوں گے۔ وہ یتیم پر بہت کم رحم کرنے والے اور مسکین کے لئے بہت سخت ہوں گے۔[2]

حدیثیں وضع کرنے کا آغاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۴۱ھ میں ہوا۔ حضرت علی کے عصر و عہد میں مسلمان فرقوں میں بٹ گئے بڑے بڑے فرقے تین تھے ❶ جمہور ❷ خوارج ❸ شیعہ ابن عباس کے قول کے مطابق وہ اپنے افکار و نظریات کی تائید میں حدیثیں وضع کرنے لگ گئے۔ اس اعتبار سے نظریات و عقائد کی نصرت و حمایت وضع احادیث کا اولیں محرک تھا۔ آگے چل کر مختلف زمانوں میں اصحاب بدعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء پردازی کرتے رہے۔ عبداللہ بن یزید المقری فرماتے ہیں۔

> ''ایک بدعتی آدمی نے جب اپنا مسلک چھوڑ دیا تو کہنے لگا جب حدیث روایت کرنے لگو تو دیکھ لو کہ تم یہ کس سے حاصل کر رہے ہو ہمارا حال یہ ہے

---

[1] لسان المیزان ج ۵ ص ۷۔۸ نیز التدریب ص ۱۰۰ ولقط الدرر ص ۸۴

[2] التدریب ۱۰۰۔ محدث ابن حبان سعد بن طریف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا'' یحییٰ بن معین کہتے ہیں ''کسی کے لئے اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔'' امام حاکم سیف بن عمر کے بارے میں فرماتے ہیں ''وہ زندیق اور جھوٹا راوی تھا'' [الباعث الحثیث ص ۸۹]

Marfat.com

کہ جب کوئی نظریہ اختیار کرتے تو اس کی تائید میں کوئی حدیث وضع کر لیتے۔"[1]

حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

"مجھے ایک رافضی شیخ نے بتایا کہ وہ اکٹھے ہو کر حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔"[2]

ایسے فقہاء بھی اصحاب بدعت میں شامل ہیں جو جھوٹی حدیثیں وضع کر کے اپنے مسلک کا دفاع کرتے ہیں ان کی تصانیف موضوعات کا پلندہ ہیں یہ الگ بات ہے کہ ایسی حدیثیں ان کی اپنی ساختہ پرداختہ ہوں یا واضعین نے ان کی خدمت و تائید کے لئے ان کو گھڑا ہو۔ بعض اوقات ان کی جسارت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنے قیاسات اور احادیث نبویہ کو باہم خلط ملط کر دیتے ہیں۔ بلکہ ان قیاسات کو حدیث نبوی کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر دیتے ہیں۔ ایسے فقہاء کا تعلق زیادہ تر اس مدرسہ فکر کے ساتھ ہوتا ہے جو قیاس ورائے کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں۔ چنانچہ ابو العباس قرطبی[3] فرماتے ہیں:

"بعض اہل الرائے فقہاء کا قول ہے کہ قیاس جلی سے جو حکم مستفاد ہوتا ہو اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف ایسی احادیث سے پر ہیں جن کا متن اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ وہ احادیث کی نسبت اقوال فقہاء سے قریب تر ہیں۔ اور اس پر طرہ یہ کہ وہ ان کی سند بھی بیان نہیں کرتے۔"

موضوعات کی بدترین قسم وہ احادیث ہیں جن کو علماء سوء ہر زمانہ میں برسر اقتدار

---

1. التدریب ص ۱۰۳
2. حوالہ مذکور
3. ابو العباس قرطبی کتاب "المفہم شرح صحیح مسلم" کے مصنف ہیں۔ سخاوی نے الفیہ عراقی کی شرح میں ص ۱۱۱ پر ان کی اس عبارت کا ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

طبقہ کی مدح وثناء میں حصول تقرب اور عز و جاہ کے لئے وضع کرتے رہے ہیں۔ غیاث بن ابراہیم نخعی کوفی نے اسی طرح کیا تھا۔ ایک دفعہ وہ عباسی خلیفہ مہدی کے دربار میں حاضر ہوا۔ مہدی نے ایک کبوتر پال رکھا تھا اور اس کے ساتھ تفریح طبع کیا کرتا تھا وہ کبوتر بھی موجود تھا غیاث بن ابراہیم سے کہا گیا کہ امیر المومنین کو کوئی حدیث سنایئے! اس نے فی الفور کہا مجھے فلاں شخص نے حدیث سنائی اس نے فلان سے اس نے نبی کریم ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ مقابلہ صرف تیر' اونٹ' گھوڑے اور پرندے میں جائز ہے۔ مہدی نے اسے درہموں سے بھری ہوئی تھیلی دینے کا حکم دیا۔ جب وہ اٹھا تو مہدی نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ اس کی گدی ایک واضع حدیث کی گدی ہے پھر کہا اس حدیث کو وضع کرنے کی موجب صرف میری ذات ہے۔ چنانچہ کبوتر کو ذبح کر کے پھینک دیا۔[1]

بعض اوقات علم کی نمائش بھی وضع احادیث کی موجب بنتی ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی جاہل علماء کا لبادہ اوڑھ کر اپنے علم کی نمائش کرنا چاہتا ہے اس کی جہالت کے مستور رہنے کی واحد صورت یہ ہوتی ہے کہ حدیثیں وضع کر کے لوگوں کے دلوں کو موہتا پھرے۔ محدث ابن جوزی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ ابو جعفر بن محمد طیالسی سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین رحمہ اللہ نے رصافہ کی مسجد میں نماز پڑھی۔ ان کے سامنے ایک واعظ کھڑا ہو کر کہنے لگا مجھے احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین نے حدیث سنائی انہوں نے عبد الرزاق سے اس نے معمر سے اس نے قتادہ سے اس نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص لا الہ الا اللہ کے الفاظ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر لفظ سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے اور پر مرجان کے۔ غرض یہ کہ اس نے اس ضمن میں کوئی بیس اوراق سنا دیئے۔ امام احمد نے یحیٰی بن معین سے کہا کیا آپ نے یہ حدیث اس کو سنائی تھی۔ یحیٰی نے کہا بخدا میں نے تو ابھی یہ حدیث سنی ہے جب وعظ سے فارغ ہو کر عطیے لینے شروع کیے تو

---

[1] شرح نخبہ ص ۲۰' التدریب ص ۱۰۳' التوضیح ج ۲ ص ۷۶ یہ حدیث سنن اربعہ میں موجود ہے مگر "پرندہ" کا لفظ موجود نہیں۔ دیکھیے لقط الدرر ص ۸۲

Marfat.com

یحییٰ بن معین نے اس کو پاس بلایا وہ سمجھا شاید عطیہ دینا چاہتے ہیں یحییٰ نے کہا یہ حدیث تجھے کس نے سنائی؟ اس نے کہا احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے۔ کہا میں یحییٰ ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں ہم نے تو ایسی حدیث کبھی نہیں سنی وہ کہنے لگا "میں سنا کرتا تھا کہ یحییٰ احمق ہے اب اس کی تصدیق ہوئی آپ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں دوسرا کوئی یحیی اور احمد ہے ہی نہیں۔ سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ہیں جن سے میں نے روایت کی ہے" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے آستین سے اپنا منہ چھپا لیا اور کہا اسے جانے دیجئے وہ دونوں کا مذاق اڑاتے ہوئے چل دیا۔[1]

علم کی نمائش کرنے والے واعظ اس ضمن میں سب سے زیادہ طوطا چشم اور بے حیاء واقع ہوئے تھے انہوں نے اپنی من گھڑت احادیث کو ترویج دینے کے لئے چند مشہور سندوں کو طوطے کی طرح رٹا ہوا ہوتا تھا کوئی حدیث وضع کر کے فوراً سند اس کے ساتھ چپکا دیتے تھے جس طرح امام احمد اور یحییٰ بن معین کے ساتھ اس واعظ کا واقعہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

ابو حاتم نے اس قسم کے ایک واعظ کا واقعہ بیان کیا ہے جس نے بذات خود اپنی جہالت اور وضع احادیث کے جرم کا خود اعتراف کیا تھا موصوف بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مسجد میں گیا نماز کے بعد ایک نوجوان کھڑا ہو کر کہنے لگا "مجھے ابو حنیفہ نے حدیث سنائی اس نے ولید سے اس نے شعبہ سے اس نے قتادہ سے اور اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا" اس کے بعد اس نے ایک حدیث بیان کر دی۔ جب فارغ ہوا تو میں نے اسے بلا کر کہا "کیا آپ نے کبھی ابو حنیفہ کو دیکھا ہے؟" اس نے کہا "نہیں" میں نے کہا پھر ان سے روایت کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا "ہمارے ساتھ جھگڑنا بے مروتی کی دلیل ہے مجھے یہ سند یاد ہے جب کوئی حدیث سنتا ہوں اس سند کے ساتھ چپکا دیتا ہوں۔[2]

---

[1] شرح الفیہ سیوطی بحاشیہ احمد محمد شاکر ص ۸۷۔ ۸۸ نیز الباعث الحثیث ص ۹۳ ۔ ۹۴، تنقیح ج ۲ ص ۷۶۔ ۷۷

[2] الباعث الحثیث ص ۹۳

Marfat.com

انوکھی بات تو یہ ہے بعض زہاد اور صوفیاء نے لوگوں کو اعمال صالحہ کی ترغیب دلانے کے لئے وضع احادیث کا بیڑہ اٹھایا۔ گویا سرور کائنات ﷺ کے اقوال و ارشادات اور حکیمانہ کلمات کا ناقابل توصیف اور لازوال خزانہ ان کے خیال میں ناکافی تھا عوام ان کی کثرت عبادت اور زہد و عفت کے چرچے سن کر ان کے دھوکہ میں آجاتے اور ان کی من گھڑت احادیث سن کر تسلیم کر لیتے۔ اس اعتبار سے یہ خطرہ ہمارے تصور سے بھی بالا ہے کہ انہوں نے اپنی جہالت سے اسلام کے چہرے کو مسخ کر دیا اور غیر اسلامی تعلیمات کو اسلام میں جگہ دے دی۔

یحییٰ القطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس قدر جھوٹ میں نے اہل خیر میں شمار کئے جانے والے لوگوں میں دیکھا ہے اور کسی میں نہیں دیکھا۔''[1]

اگر ہم واضعین کی من گھڑت احادیث کو شمار کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے۔ حماد بن زید کے قول کے مطابق صرف زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں وضع کی تھیں عبد الکریم بن ابی العوجاء نے خود اعتراف کیا تھا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں۔ جب مہدی عباسی کے عہد خلافت میں اسے قتل کے لئے لایا گیا تو وہ پکارا ''میں نے چار ہزار حدیثیں وضع

---

۱ التوضیح ج ۲ ص ۷۸

۲ التدریب ص ۱۰۳

۳ عبدالکریم مشہور معن بن زائدہ شیبانی کا ماموں ہوتا تھا اس کو محمد بن سلیمان بن علی امیر مکہ نے قتل کیا تھا۔ ذہبی ''المیزان'' میں عبدالکریم کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں ''یہ مشہور زندیق ہے۔'' [التوضیح ج ۲ ص ۷۵] اسی طرح محمد بن سعید بن حسان اسدی شامی مصلوب بھی مشہور زندیق اور واضع تھا۔ اس نے چار ہزار حدیثیں وضع کی تھیں۔ حاکم بیان کرتے ہیں کہ اس کی موضوعات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے حمید سے بواسطہ حضرت انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کیا کہ ''میں خاتم الانبیاء ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر یہ کہ خدا چاہے'' حاکم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس نے ''مگر یہ کہ خدا چاہے'' کا استثناء اس لئے گھڑ لیا تھا کہ وہ الحاد و زندقہ کی دعوت کے ساتھ ساتھ مدعی نبوت بھی تھا۔ [التدریب ص ۱۰۳]

Marfat.com

کی ہیں جن میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا ہے۔''

ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے نبی کے کلام مقدس کو واضعین کی دروغ گوئی سے محفوظ رکھا اور دین اسلام کو ان کی دست برد سے بچالیا جو اس کو بازیچہ طفلاں بنانا چاہتے تھے اس نے ایسے با اخلاص اور امانت دار علماء پیدا کئے جنہوں نے طیب کو خبیث سے ممیز و ممتاز کر دیا انہوں نے اسباب وضع ہمیں بتائے وضاعین کی قلعی کھولی اور ان کے نقائص و معائب کی نشان دہی کی' موضوعات کو کتابوں میں جمع اور حافظہ میں محفوظ کیا تا کہ کوئی چیز ان پر مشتبہ نہ رہے۔

احادیث موضوعہ کے بیان میں ابوالفرج ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ کی ''کتاب الموضوعات'' سب سے زیادہ مشہور ہے یہ کتاب زیادہ تر محدث جوزقانی کی ''کتاب الاباطیل'' سے ماخوذ ہے۔ جوزقانی کا اسلوب و انداز یہ ہے کہ جو حدیث بھی فعلاً یا ترکاً سنت نبویہ کے خلاف ہو وہ اس کو موضوع قرار دیتے ہیں۔[1]

چونکہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر جوزقانی کا تتبع کیا ہے اس لئے ان سے بھی وہی غلطیاں صادر ہوئیں جن کے مرتکب جوزقانی ہو چکے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن جوزی نے بعض احادیث صحیحہ اور حسن کے بارے میں بھی موضوع ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ اس کی حد یہ ہے کہ موصوف نے صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ مرفوع حدیث کو بھی موضوع قرار دے دیا وہ حدیث یہ ہے:

((اِنْ طَالَتْ بِكَ مُدَّةٌ اَوْشَكَ اَنْ تَرٰى قَوْمًا يَّغْدُوْنَ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ وَيَرُوْحُوْنَ فِيْ لَعْنَتِهٖ فِيْ اَيْدِيْهِمْ مِثْلُ اَذْنَابِ الْبَقَرِ))[2]

''اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو کچھ بعید نہیں کہ تم ایسی قوم کو دیکھو گے جو خدا کی ناراضگی میں صبح کرے گی اور خدا کی لعنت میں اس کی شام بسر ہو گی۔ اس کے ہاتھوں میں بیل کی دم کی طرح (کوڑے اور چابک) پکڑے ہوں گے۔''

---

[1] الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۱۲ نیز التوضیح ج ۲ ص ۹۶

[2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۵

Marfat.com

حافظ ابن حجر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس حدیث کے سوا بخاری یا مسلم کی کسی حدیث کے بارے میں ابن جوزی نے موضوع ہونے کا فیصلہ صادر نہیں کیا۔ یہ سخت غفلت کا نتیجہ ہے۔''[1]

ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں مسند احمد کی چوبیں احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب القول المسدد فی الذب عن المسند میں اس کی تردید کی اور امام احمد رحمۃ اللہ کی جانب سے دفاع کی کوشش کی ہے۔ امام سیوطی نے حافظ ابن حجر کی کتاب کا جو ضمیمہ مرتب کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ موضوعات ابن جوزی میں مسند احمد کی مزید چودہ احادیث کو موضوع کہا گیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے۔

اسی طرح سیوطی نے القول المسدد اور اس کے ضمیمہ کا ایک اور ضمیمہ لکھا ہے اس کا نام موصوف نے ''القول الحسن فی الذب عن السنن'' رکھا۔ اس میں انہوں نے سنن اربعہ یعنی ترمذی' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ کی ایک سوبیس سے زائد حدیثیں نکالی ہیں جن کے بارے میں ابن جوزی نے موضوع ہونے کا فیصلہ صادر کیا ہے سیوطی کہتے ہیں کہ ابن جوزی نے ان کو موضوع کہہ کر عجلت پسندی کا ثبوت دیا ہے بعد ازاں امام سیوطی نے موضوعات ابن جوزی کا خلاصہ تیار کیا ہے اور ان حفاظ حدیث کے اقوال نقل کیے جنہوں نے موضوعات ابن جوزی کی بعض احادیث پر تنقید کی تھی۔ اس تلخیص کا نام انہوں نے ''اللآلی الموضوعہ فی الاحادیث الموضوعہ'' تجویز کیا۔ موضوعات ابن جوزی کی جن احادیث پر تنقید کی گئی تھی ان کو الگ جمع کیا اور اس کا نام ''ذیل اللآلی المصنوعہ'' رکھا۔[2]

جب علمائے حدیث نے ابن جوزی کی کتاب کے نقد وتبصرہ میں سرگرمی کا اظہار کیا تو ان کی کتاب سے استفادہ میں آسانی ہوگئی خصوصاً حدیث کے ان طلبہ کے لئے بڑی سہولت پیدا ہوگئی جو ابن جوزی کی علمی بحثوں کو بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ علماء نے ابن جوزی کی کتاب پر جرح وقدح

---

1. القول المسدد فی الذب عن المسند لابن حجر عسقلانی ص ۳۱
2. الباعث الحثیث ص ۸۷ نیز التدریب ص ۱۰۱

Marfat.com

کی اس سے پہلے ابن جوزی کی کتاب کا ضرر رساں پہلو یہ نہیں تھا کہ اس میں مشہور ترین وضاعین اور موضوعات کا ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ بخلاف ازیں بقول حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کے مطالعہ سے یہ خطرہ لاحق تھا کہ قاری احادیث صحیحہ کو بھی موضوعات میں شمار نہ کرنے لگے۔ جس طرح امام حاکم کی مستدرک پڑھ کر آدمی غیر صحیح احادیث کو صحیح سمجھنے لگ جاتا ہے۔[1]

قاری کو اس بات سے آگاہ کرنا ضروری ہے کہ بعض احادیث جن کو موضوع کہا جاتا ہے وہ حدیث مدرج سے قریب تر ہوتی ہیں ایسا اس وقت ہوتا ہے جب محدث حدیث سناتے وقت ایک خاص اسناد ذکر کرتا ہے۔ درمیان میں کوئی عارضہ پیش آ جاتا ہے اور وہ حدیث بیان کرنے کے بجائے کوئی اور گفتگو کرنے لگ جاتا ہے۔ سامع خیال کرتا ہے کہ جس حدیث کے لئے اس نے سند بیان کی تھی وہ یہی گفتگو ہے چنانچہ وہ کلام (جس کو وہ حدیث تصور کرتا ہے) اس سے اخذ کر کے اس کو روایت کرنے لگتا ہے۔

اس کی مثال وہ روایت ہے جو ابن ماجہ نے اسماعیل طلحی سے اس نے ثابت بن موسیٰ سے اس نے شریک سے اس نے اعمش سے اس نے سفیان سے اس نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کی کہ "جو شخص راتوں کو زیادہ نمازیں پڑھے گا دن کے وقت اس کا چہرہ خوبصورت ہوگا" حاکم کہتے ہیں ثابت شریک نامی راوی کے یہاں آیا شریک اس وقت حدیث املاء کراتے ہوئے کہہ رہا تھا "ہمیں یہ حدیث اعمش نے سنائی اس نے سفیان سے اور اس نے جابر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا" اس کے بعد شریک خاموش ہو گیا تاکہ طالب علم لکھ لے جب ثابت کی طرف دیکھا تو کہا "جو رات کو زیادہ نمازیں پڑھتا ہے دن کو اس کا چہرہ خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔" یہ بات شریک نے ثابت کے زہد و تقویٰ کے پیش نظر کہی تھی۔ ثابت نے اس کو حدیث کا متن سمجھ لیا اور اس کی روایت کرنے لگا۔

محدث ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] التدریب ص ۱۰۹

Marfat.com

یہ شریک کا اپنا قول ہے شریک نے اعمش کی روایت از سفیان از جابر مرفوعاً بیان کی کہ ''شیطان تم میں سے ایک کے سر کی گدی پر گانٹھ دیتا ہے'' اس کے بعد یہ بات کہی۔ ثابت نے اس کو حدیث میں شامل کر لیا۔ پھر ضعیف راویوں کی ایک جماعت نے اس سے یہ قول چرا لیا اور شریک سے اس کو روایت کرنے لگے۔''[1]

حافظ ابن حجر ایسی احادیث کو مدرج ہونے کی بناء پر ضعیف قرار دیتے ہیں۔ موضوع نہیں کہتے۔ بخلاف ازیں ابن الصلاح ان کو موضوع کی ایسی قسم قرار دیتے ہیں جس میں راوی کے قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہوتا۔ امام نووی اور سیوطی رحمہم اللہ نے بھی اس کی پیروی کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی حدیث کے بارے میں وضع کا فیصلہ صادر کرنا بڑا دشوار ہے۔ اس لئے کہ عاجلانہ طور سے کسی حدیث کو موضوع کہنا اسی طرح ہے جیسے جلد بازی کر کے کسی ضعیف حدیث کو صحیح کہہ دیا جائے یہ دونوں کام غفلت شعاری اور سہولت پسندی پر مبنی ہیں۔ البتہ جو حدیث مذکورہ صدر پانچ قواعد کے تحت آتی ہو اس کو موضوع قرار دینا جلد بازی پر مبنی نہیں ہے۔

ابن جوزی فرماتے ہیں:

((مَا اَحْسَنَ قَوْلَ الْقَائِلِ اِذَا رَاَیْتَ الْحَدِیْثَ یُبَایِنُ الْمَعْقُوْلَ اَوْ یُخَالِفُ الْمَنْقُوْلَ اَوْ یُنَاقِضُ الْاُصُوْلَ فَاعْلَمْ اَنَّہٗ مَوْضُوْعٌ)) [2]

''کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ جب کسی حدیث کو عقل و نقل کے خلاف دیکھو یا اصول کے خلاف پاؤ تو جان لو کہ وہ موضوع ہے''

اب یہ امر محتاج بیان نہیں رہا کہ جس حدیث کے بارے میں ہمیں قطعی طور پر معلوم ہو کہ یہ موضوع ہے اس کا روایت کرنا حرام ہے۔ بجز اس کے کہ اس کا موضوع

---

1. الباعث الحثیث ص ۸۴ بحوالہ التدریب ص ۱۰۴
2. سیوطی نے التدریب ص ۱۰۰ پر ابن جوزی سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

Marfat.com

ہونا واضح کر دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس نے میری جانب سے کوئی ایسی حدیث بیان کی جس کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ہے۔''[۱،۲]

تشدد کی وجہ یہ ہے کہ مبادا کوئی اس کو حدیث نبوی سمجھنے لگے البتہ اگر اس کا ذکر حدیث موضوع کی مثال کے طور پر کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کا ذکر محض تفہیم و تعلیم کی غرض سے کیا جاتا ہے۔

---

۱ مسلم نے یہ حدیث سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ [التوضیح ج ۲ ص ۷۱]

۲ یُرٰی اور یَرٰی دونوں طرح درست ہے اسی طرح الکاذِبِیْن اور الکاذِبَیْن دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

Marfat.com

فصل : ۷

روایت و درایت

ایک باانصاف محقق کتاب ہذا کی فہرست مضامین پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر مطمئن ہو جائے گا کہ تاریخ علوم میں اصول حدیث کے علم کو جو مقام حاصل ہے وہ اس سے کہیں بلند ہے جو فلسفہ اصطلاحات کے فن کو مختلف تاریخی ادوار میں حاصل رہا ہے۔ فہرست پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالنے کے بعد جب وہ کتاب کے پسندیدہ مباحث کو گہری نظر سے دیکھے گا تو اس کی اصطلاحات کے تاریخی و تحلیلی اجزاء میں نہایت دقیق علمی نقد و تبصرہ پائے گا جس کی اساس محدثین کرام نے ظواہر کی چمک دمک پر نہیں بلکہ ٹھوس حقائق پر رکھی ہے۔

مختلف تاریخی ادوار اور دیار و امصار میں روایت و درایت یا الفاظ و معانی کے بارے میں بڑے بھاری بھر کم قسم کے جھگڑے پیدا ہو گئے جنہوں نے شعر و ادب اور علم و فلسفہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ان خصومات و تنازعات کا خطرہ ہر علم و فن بلکہ دنیا کی ہر حقیقت کی طرف بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ دین و مذہب بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ان مجادلات نے ہر مذہب کے اصول و عقائد رسوم اور ان تاریخی دستاویزات کے مابین تفریق پیدا کر دی جن کے ذریعے یہ حقائق اور اصول و قواعد ہم تک پہنچے تھے۔ اس کی حد یہ ہے کہ ان دستاویزات کا انداز تعبیر و بیان اور ان کی زبان بھی تبدیل ہو گئی۔

قرآن کو ہی لیجئے جس میں آگے پیچھے کسی طرف سے بھی باطل کی آمیزش کا کوئی امکان نہیں۔ آج اس کو مستشرقین اور ہمارے اہل وطن میں سے ان کے مقلدین کے افکار کی روشنی میں اس طرح پڑھا جاتا ہے جس طرح کسی اور کتاب کو جس کا وحی و الہام کے ساتھ کچھ تعلق نہ ہو۔ قرآن کریم کے احکام کو جمع کر کے ایک نئے انداز سے ان کی وضاحت کی جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کے مباحث کو مغربی طرز فکر و نظر کے

Marfat.com

قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے یہ مغربی یا مغرب نما اسلوب فکر و نظر شکوک و شبہات کا پلندہ ہے اور اس میں ہر طرف تردد اور حیرت ہی کے مظاہر دکھائی دیتے ہیں۔

مستشرقین اور ان کے ہم نواؤں نے اسی غیر فطری و غیر وجدانی بلکہ غیر انسانی طرز و منہاج پر قرآن کریم کا مطالعہ کیا ان کی دلی آرزو یہ تھی کہ اس کے حقائق کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول کر دیکھ لیتے۔ بچشم خود اس کو اترتے ہوئے دیکھتے۔ قرآن کی مکی و مدنی آیات' اس کے ناسخ و منسوخ' اس کی جمع و ترتیب اور تاویل و تفسیر کے بارے میں جو رویہ چاہتے اختیار کرتے مگر قرآن کے اتارنے والے نے اس کو بازیچہ طفلاں بننے سے بچالیا کیونکہ اس نے وعدہ کر رکھا ہے کہ

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

''بے شک ہم نے ہی قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''

جب کتاب خداوندی کا یہ حال ہے تو کچھ عجب نہیں کہ علمی تنقید و تبصرہ کی یہ رو حدیث نبوی کی طرف تجاوز کرتی اور اس کے اصول و قواعد طرق نقل و روایت اس کی جمع و تدوین اور فنی اصطلاحات سب کو مشکوک بنا کر رکھ دیتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث نبوی کو اسی طرح شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا جس طرح کافی عرصہ تک شعر جاہلی کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا جاتا تھا اس میں شبہ نہیں کہ بھاری اسلحہ کا مقابلہ اس کے ہم پلہ ہتھیاروں ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

یہ بھی درست ہے کہ صاحب علم دشمن یا جاہل دوست جو اعتراضات اٹھاتا ہے ان کا جواب رونے دھونے یا چیخ و پکار سے نہیں دیا جا سکتا۔ باطل کو حق کے ذریعے ہی دبایا جا سکتا ہے اور شکوک و شبہات کا ازالہ ایسے واضح دلائل ہی سے ممکن ہے جن میں رات دن کا کوئی فرق و امتیاز نہ ہو۔ ایسے دلائل کی موجودگی میں صرف وہی شخص گمراہ ہو سکتا ہے ہلاکت جس کا مقدر بن چکی ہو۔

جس طرح ہم نے اپنی کتاب ''مباحث فی علوم القرآن''[1] میں لوگوں کے

---

[1] یہ کتاب مطبع جامعہ دمشق میں ۱۳۷۷ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۳۸۱ھ میں طبع ہوئی اس کا تیسرا ایڈیشن بیروت سے شائع ہوا۔

Marfat.com

اعتراضات ذکر کر کے اپنی طرف سے ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے یا ان کے اعتراضات ہی کو ان پر لوٹا دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ بالکل بودے اور بے جان قسم کے اعتراضات تھے اسی طرح ہم نے ''علوم الحدیث'' میں اہم شکوک وشبہات پیش کر کے امکانی حد تک ان کا دقیق تجزیہ کیا ہے اس تجزیہ میں ہم نے حقائق کو محدثین کرام رحمہم اللہ کی تصریحات کی روشنی میں خوب کھول کر بیان کر دیا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر ہم اس بنیادی مسئلہ پر بحث وتمحیص کے لئے ایک مستقل فصل باندھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے جس میں مستشرقین اور ہمارے ملک میں ان کے مقلدین مشغول رہتے ہیں وہ مسئلہ اصول حدیث کے فن میں روایت و درایت سے متعلق ہے۔ ہماری بحث کی غرض وغایت ان لوگوں کے نظریات وافکار پر اظہار تعجب کرنا ہے جو اس زعم فاسد میں مبتلا ہیں کہ اصول حدیث کی بنیاد الفاظ و اسانید پر رکھی گئی ہے اور متن حدیث کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے ہم نے مستشرقین اور ان لوگوں کو جو ان کے دام فریب میں آچکے ہیں یہ بتا دیا ہے کہ اصول حدیث کی جن کتب سے ہم نے استفادہ کیا ہے ان کے بارے میں یہ کہنا غلط ہے کہ ان میں متن حدیث کی جانب کوئی توجہ نہیں دی گئی۔

ایک باانصاف محقق کتاب ہذا کو اگر ایک دفعہ بنظر غائر پڑھ لے تو وہ اس بدیہی حقیقت کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہے گا۔ اختتام کتاب پر اب ہم محدثین کرام کے چند شیریں اقوال ذکر کریں گے پھر ان کے معیار نقد وجرح پر روشنی ڈالیں گے۔ ان اقوال و مقیاسات کی تلاش کے لئے ہمیں کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب اس کتاب میں شامل ہیں صرف ان صفحات کی جانب اشارہ کرنے کی ضرورت ہے اس کے بعد ہم ایسے حقائق پر روشنی ڈالیں گے جن سے صرف ایک ضدی اور جھگڑالو آدمی ہی انکار کر سکتا ہے۔

محدثین اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ متن حدیث کا درس ومطالعہ اور کتب روایت کا حفظ و اہتمام بذات خود کوئی اہم چیز نہیں اگر اس کے ساتھ درایت حدیث کی جانب توجہ مبذول نہ کی جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال کے تاریخی وتحلیلی

Marfat.com

مطالعہ کا نام درایت حدیث ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ محدثین درایت حدیث کے مباحث میں راوی اور مروی کے احوال سے بحث کرتے ہیں۔ راوی سے سلسلہ سند اور مروی سے متن حدیث مراد ہے نظر بریں فن اصول حدیث کی تعریف سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ فن صرف اسناد ہی کے مباحث تک محدود نہیں بلکہ متن سے متعلق مسائل بھی اس میں شامل ہیں۔ ظاہر بین آدمی سمجھتا ہے کہ نقاد حدیث نے متن کی نسبت اسناد سے زیادہ اعتناء کیا ہے مگر یہ وہم ہے اور اس کا ازالہ نظر دقیق اور فکر عمیق سے بہت جلد ہو جاتا ہے۔

محدثین کی بحثیں قبول و رد کے اعتبار سے اسناد و متن دونوں کے گرد گھومتی ہیں مثلاً صحیح و حسن مقبول ہیں اور حدیث ضعیف مردود ہے۔ ان کی تمام اصطلاحات میں سند و متن دونوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اس ضمن میں سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ متن کا ذکر اسی طرح کیا جاتا ہے جیسے سند کا۔

مندرجہ ذیل تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

حدیث صحیح اور حسن کا معاملہ بڑی حد تک مشترک ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی حدیث کی صحت کا فیصلہ بعض اوقات سند و متن دونوں کے پیش نظر کیا جاتا ہے۔ کبھی صرف سند کو دیکھ کر اور گاہے متن حدیث کو ملاحظہ کر کے۔ حدیث حسن کا حال بھی یہی ہے۔ کسی حدیث کو علی الاطلاق صحیح یا حسن نہیں کہا جاتا بلکہ صراحۃً یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی صحت یا اس کا حسن سند کے لحاظ سے ہے یا متن کے پیش نظر۔ بنا بریں جو حدیث سنداً صحیح ہو ضروری نہیں کہ متناً بھی اسے صحیح کہا جا سکے۔

جب صحیح حدیث متواتر بھی ہو تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے راویوں کی تعداد کتنی ہے۔ بلکہ اس کے متن کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اس قدر جم غفیر کا کذب و دروغ پر جمع ہونا محال ہے اس لئے کہ جو چیز حس یا عقل کے خلاف ہو اس پر اتنے لوگوں کا اجتماع ممکن نہیں کہ جس سے دروغ گوئی کا احتمال باقی نہ رہے۔ مزید برآں حدیث متواتر کا سند سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے۔

جب حسن لذاتہ کے درجہ کی حدیث صحیح لغیرہ کے مرتبہ پر فائز ہو جاتی ہے تو اس

Marfat.com

میں صرف کثرت طرق واسانید ہی کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایسی حدیث شذوذ وعلت سے خالی ہونے میں صحیح لذاتہ کی مانند ہو حدیث شاذ میں جو تفرد یا مخالفت پائی جاتی ہے وہ زیادہ تر متن میں ہوتی ہے اسی لئے محدثین کا مقولہ ہے:

"حدیث شاذ وہی راوی روایت کرے گا جو خود شاذ ہو۔"

اس لئے محدثین منکر احادیث کی روایت کو پسند نہیں کرتے۔ علت ایک قسم کی ذاتی تنقید کو کہتے ہیں جس میں متن حدیث پر ضعف کا حکم لگایا جاتا ہے اور اس کا ادراک الہام یا دقیق وعمیق فکر وفہم پر مبنی ہوتا ہے۔ راویوں کے ناموں یا اسانید کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں ہوتا۔

حدیث ضعیف کی اکثر اقسام میں سند ومتن دونوں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ خواہ وہ حدیث بالکل ضعیف ہو یا صحیح حسن اور ضعیف کے درمیان مشترک ہو۔ مثلاً مراسیل صحابہ انقطاع سند کے باوجود مقبول ہیں۔ اس لئے کہ صحابہ حدیث کا جو متن بیان کرتے ہیں اس کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خود ساختہ ہے جب مراسیل کے راوی ایسے صحابہ ہوں جو اسرائیلی روایات بیان کرنے میں شہرت رکھتے ہوں تو علماء تشدد سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا روایت کردہ متن حدیث نبوی سے ملتا جلتا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ نقاد حدیث صحابہ کی تفسیری روایات میں حزم واحتیاط سے کام لیتے ہیں اور علی الاطلاق ان کو مرفوع نہیں کہتے۔ مبادا ان میں سے کوئی اہل کتاب کے مسلمات سے متاثر ہوا ہو۔ بعض محدثین اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ مرسل صحابہ نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ وہ مراسیل کا نام تدلیس رکھتے اور صراحۃً کہتے ہیں "تدلیس سے بہت تھوڑے لوگ بچ سکے ہیں۔"[1]

---

[1] حالانکہ تدلیس جھوٹ سے ملتی جلتی چیز ہے۔ البتہ جیسا کہ علماء سے قبل ازیں ہم نقل کر چکے ہیں تدلیس اور کذب مترادف نہیں ہیں۔ اسی طرح حدیث مدلس موضوع نہیں ہوتی۔ خلاصہ یہ کہ تدلیس میں جو دروغ پایا جاتا ہے وہ ایک طرح کا دھوکہ ہوتا ہے۔ بخلاف ازیں حدیث موضوع میں جو جھوٹ ہوتا ہے وہ قصداً صادر ہوتا ہے۔ دونوں اصطلاحوں کے باہمی فرق کو مستشرق فرنکل اور ابن الورد نے بھی تسلیم کیا ہے۔ گولڈزیہر نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے دونوں اصطلاحوں کو آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے۔

Marfat.com

اگر چہ محدثین تسلیم کرتے ہیں کہ علت زیادہ تر سند میں وقوع پذیر ہوتی ہے تاہم وہ یہ نہیں کہتے کہ متن میں علت کا وجود نہیں ہوتا۔ محدثین کا قول ہے:

''کسی حدیث کو علی الاطلاق صحیح نہیں کہہ سکتے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے متن میں کوئی علت ہو۔''

اسی طرح اضطراب زیادہ تر سند میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ مگر نقاد حدیث نے اس امر سے آگاہ کر دیا ہے کہ اضطراب متن میں بھی ہوتا ہے وہ اس کے بہت سے شواہد و دلائل پیش کرتے ہیں۔

حدیث مقلوب کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ مقلوب متناً ❷ مقلوب اسناداً

محدثین روایت باللفظ میں جو تشدد روا رکھتے ہیں اس کا تعلق زیادہ تر متن حدیث کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ آنحضور ﷺ پر افتراء پردازی سے احتراز کریں۔ خصوصاً راوی جب غلطی کا مرتکب ہونے کے باوجود اس بات کا مدعی ہو کہ یہ غلطی آنحضور ﷺ سے منقول ہے۔ محدثین ایسے آدمی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ قصداً جھوٹ بولتا ہے اور اس لئے جہنمی ہے۔

حدیث کی جو قسم صحیح حسن اور ضعیف کے مابین مشترک ہے اس کے مباحث میں متن کی حالت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے مثلاً حدیث مرفوع۔ اس میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ حدیث مرفوع میں کالشمس فی نصف النہار تابانی و درخشانی پائی جاتی ہے جس کو ذوق سلیم فوراً پہچان لیتا ہے۔ بخلاف ازیں حدیث موضوع میں ظلمت کی فراوانی ہوتی ہے جس کو بصیرت و فراست ٹھکرا دیتی ہے۔[1]

---

[1] حدیث مرفوع اور موضوعات میں امتیاز چنداں دشوار نہیں حتیٰ کہ نیکی اور فضیلت کے حصول کی ترغیب کے لئے جو حدیثیں وضع کی جاتی ہیں ان کی پہچان بھی بہت آسان ہے پروفیسر احمد خاں بہادر نے حدیث مرفوع اور موضوعات کے مابین فرق و امتیاز قائم کرنے کے لئے فطری استعداد کی خوب منظر کشی کی ہے۔ دیکھئے:

ESSAY ON MOHAMMEDAN TRADITION IN HUGES, DICTIONARY OF ISLAM P.642

Marfat.com

مذکورہ صدر قسم مشترک کے اکثر مباحث میں متن بطریق اولیٰ داخل ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس کی بعض صورتیں اسانید میں پائی جاتی ہیں مثلاً حدیث مدرج۔ اس لئے کہ مدرج الاسناد کا نتیجہ وثمرہ مدرج فی المتن کی صورت میں برآمد ہوتا ہے اسی طرح تصحیف کا عیب بھی اکثر متن میں پیدا ہوتا ہے۔ حدیث مسلسل میں جو شک وریب پایا جاتا ہے اس کی بڑی وجہ متن حدیث میں عبارت کی یک رنگی وہم آہنگی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس کی ظاہری صورت کا تعلق اس تماثل وتشابہ سے ہوتا ہے جو رواۃ حدیث کی زبانوں یا بالفاظ دیگر سلسلہ سند میں پایا جاتا ہے۔ اسی لئے محدثین کہا کرتے ہیں کہ ''یہ حدیث متن وتسلسل کے لحاظ سے باطل ہے۔'' گویا اس کے بطلان کا انحصار محض تسلسل پر نہیں بلکہ متن حدیث کی ایک نرالی اور انوکھی یکسانی وہم آہنگی پر ہے۔

بظاہر یوں نظر آتا ہے کہ فرد اور غریب دونوں اصطلاحات صرف سند سے متعلق ہیں۔ اور ان میں ربط وتعلق کی وجہ صرف تفرد کا پایا جانا ہے اور بس۔ مگر فکر دقیق اور نظر عمیق سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان کا تعلق سند کی نسبت متن کے ساتھ زیادہ ہے جس طرح محدثین شاذ اور منکر احادیث کی نقل وروایت کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے اسی طرح حدیث فرد اور غریب میں دلچسپی کا اظہار بھی ان کے یہاں پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ غریب احادیث کی خوبصورتی سے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ عزیز مشہور اور مستفیض احادیث کے متون سے ٹکراتی ہیں۔

جہاں تک حدیث کی اقسام ثلاثہ یعنی عزیز مشہور اور مستفیض کا تعلق ہے نقاد حدیث ان سے صرف اس لئے بحث کرتے ہیں تاکہ فرد اور غریب احادیث کو ایسے متون کے ساتھ تقویت بہم پہنچائی جائے جو ان کی شہادت دیتے اور تائید کرتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ غریب احادیث کی تائید صرف اسانید ورجال سے ممکن نہیں۔ خواہ ان کی تعداد کتنی بھی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کے مقیاس ومعیار کا مدار وانحصار کیفیت پر ہے کمیت پر نہیں۔ اس لئے اضافی شہرت پر اظہار حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر چند احادیث فقہاء کے یہاں مشہور ہوں۔ چند عوام کے نزدیک اور کچھ

Marfat.com

صوفیاء کی دانست میں۔ تو اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے۔

متن حدیث کو جو اہمیت دی جاتی ہے اور جس کا ثبوت سطور بالا سے ملتا ہے۔ اس سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ محدثین کرام کس لئے اصول میں زیادہ تشدد سے کام لیتے تھے جب کہ متابعات وشواہد میں اتنی سختی کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے اصول کے متن میں جس ثقاہت کی ضرورت ہے وہ ان فروعات میں مطلوب نہیں جن کا مقصد صرف اصلی احادیث کے الفاظ ومعنی کی تائید وتقویت ہے اور بس۔ اس سے یہ راز بھی افشاء ہوتا ہے کہ محدثین کس لئے متروک الحدیث راوی کی روایت سے استشہاد تک کے بھی روادار نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متروک راوی میں حفظ وضبط نہیں ہوتا۔ بنا بریں اس کی روایت کوشش کے باوجود حفظ وضبط سے عاری ہوتی ہے' اس لئے انہوں نے یہ تفریق کر دی کہ کس راوی کی روایت سے استشہاد درست ہے اور کس کی روایت اس قابل نہیں۔

جب ہمیں معلوم ہے کہ محدثین کے نزدیک شاہد (جس حدیث کو استشہاد وتقویت کے لئے لایا جائے) کی دو قسمیں ہیں۔ ① لفظی ② معنوی۔ شاہد لفظی وہ ہے جو کسی حدیث کے الفاظ کو صراحۃً شامل ہو۔ شاہد معنوی کا آخری نتیجہ بھی وہی ہوتا ہے جو لفظی کا۔ اس لئے کہ اس سے بھی حدیث کے متن کی تقویت مقصود ہوتی ہے اگرچہ اس کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں۔ ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ متن حدیث کو اصول حدیث کے فن میں کیا اہمیت حاصل ہے۔

متن حدیث کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسناد سے متعلق مباحث کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ اصول حدیث کے فن میں سند ومتن دونوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔ ہم اسناد کی فضیلت کو ہرگز گھٹانا نہیں چاہتے۔ ہم بلکہ کوئی منصف مزاج شخص بھی اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں سمجھتا کہ سند میں تشدد سے کام لینا کوئی بہت بڑا عیب نہیں ہے جس پر ہمارے نیک طینت علماء کو کوسا جائے اس لئے کہ یہ تشدد بذات خود مقصود نہیں بلکہ اس کی

Marfat.com

اصلی غرض و غایت متن حدیث ہے جس کی خاطر سند کو دیکھا اور پرکھا جاتا ہے۔ سند کی تحقیق کی غرض و غایت احادیث صحیحہ کو موضوع احادیث سے ممتاز کرنا اور احادیث کو ان کے درجات کے مطابق ترتیب دینا ہے تاکہ علماء قانونی' اجتماعی' اقتصادی' فوجی اور سیاسی مسائل میں ان سے استفادہ کرسکیں۔

یہ ایک بلند پایہ انسانی مقصد ہے جو جملہ احوال و اطوار میں علوم اسلامیہ کے ساتھ لگا رہا ہے اور کبھی بھی ان سے الگ نہیں ہوا۔ اسناد اس امت کی عظیم خصوصیت ہے اور اس میں امت مسلمہ دیگر اقوام سے منفرد ہے۔ اس امت کی اس ضمن میں انفرادیت سند کی اہمیت کو کم نہیں کرتی بلکہ یہ ایسی نادر فضیلت ہے جس کی بناپر ہمیشہ ہم اقوام عالم پر فخر کرتے رہیں گے۔

علاوہ ازیں ہم اس حماقت کے مرتکب نہیں ہونا چاہتے جس کا ارتکاب مستشرقین اور ان کے "علم کثیر" کے دام فریب میں آئے ہوئے تلامذہ حدیث نبوی سے بحث کرتے وقت کیا کرتے ہیں۔ مستشرقین کا انداز بحث یہ ہے کہ وہ سند و متن میں اس قسم کی تفریق پیدا کردیتے ہیں جیسے ان دو شخصوں یا دو سوکنوں کے درمیان جن میں ملاقات کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔[1] محدثین کرام رحمہم اللہ نے سند کی جانچ پرکھ کے لئے جو پیمانے مقرر کیے ہیں۔ وہ متن کے پیمانوں سے الگ نہیں۔ صرف توضیح تبویب اور تقسیم کا فرق ہے وگرنہ زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ سند صحیح متن صحیح تک پہنچ کر ختم ہوتی ہے۔ اسی طرح جب حدیث کا متن قرین عقل و منطق ہو اور حس و مشاہدہ کے خلاف نہ ہو تو اس کی سند بھی صحیح ہوتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ نقاد حدیث کے جو مباحث اسناد اور شروط رواۃ کے ساتھ متعلق ہیں وہ بکمال سادگی و آسانی اس نتیجہ تک پہنچ جاتے ہیں جس سے کوئی مفر نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ متن حدیث کو جانچ پرکھ کر صحت حسن اور ضعف کے اعتبار سے اس کی درجہ بندی کی جائے۔

---

[1] جس طرح اسپرنگر نے "المجلة الاجتماعية الالمانية الشرقية" میں اپنے مقالہ بعنوان "الحديث عند العرب" میں لکھا ہے۔ اگرچہ اس مقالہ میں اس نے کسی حد تک اعتدال کے دائرہ میں رہ کر یہ لکھا ہے کہ محدثین سند میں اسی وقت حقیقی تشدد سے کام لیتے ہیں جب اس میں ←

Marfat.com

کتنا اچھا ہوتا کہ قاری شروط راوی سے متعلق مباحث کو بڑے غور و فکر سے دوبارہ پڑھتا! اندریں صورت وہ بچشم خود دیکھ لیتا کہ شروط رواۃ کے بارے میں نقاد حدیث کا تشدد حدیث نبوی کی تائید و حمایت کے لئے ایک وسیلہ ہے اور بس۔ اسی تشدد کا تقاضا ہے کہ ان شرائط کو مشترکہ انسانی پیمانوں میں رکھ کر جانچا پرکھا جائے۔ یہ انسانی مقیاس و معیار اس قابل ہیں کہ ہر قوم و ملت نئی ہو یا پرانی' ان کو اخذ کرے۔ اس لئے کہ یہ مقیاسات اپنی اکثر و بیشتر صورتوں میں ایک ایسے مقصد کے تحت صادر ہوئے ہیں جو اشخاص ان کے تقدس خوشامد اور نفاق سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

اس طریق کار میں القاب کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے مقیاس و معیار ایک اضافی امر ہے۔ بنا بریں اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ بعض صحابہ کو بھی تدلیس کے ساتھ متہم کیا گیا۔ اسی طرح تصحیف کی نسبت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر علماء کی جانب کی گئی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ سند نازل جب ثقہ راویوں سے مروی ہو تو اس کو ایسی سند عالی کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے جو غیر ثقہ راویوں سے منقول ہو۔

جو راوی بقید حیات ہوں ان سے روایت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے معاصرت ایک عظیم حجاب ہے بخاری و مسلم میں ایسی احادیث موجود ہیں جن پر جرح و قدح[1] کی گئی ہے۔ اسی طرح مسند احمد میں بھی ضعیف احادیث موجود ہیں۔[2] بلکہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ احادیث آحاد کے بارے میں ایک عام جدال و نزاع قائم ہے

← حلال و حرام سے متعلق مسائل مذکور ہوں۔ ہم نے اس کی غلطی واضح کرتے ہوئے امام احمد کا قول نقل کیا تھا کہ "جب ہم حلال و حرام سے متعلق مسائل بیان کرتے ہیں تو سختی سے کام لیتے ہیں اور جب فضائل کے باب میں کوئی روایت بیان کرتے ہیں تو سہل انگاری سے کام لیتے ہیں۔"

[1] صحیح بخاری کی ۱۱۰ احادیث پر جرح و قدح کی گئی ہے۔ ان میں سے صحیح مسلم میں ۳۲ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ بخاری نے ۷۸ حدیثیں منفرد طور پر روایت کی ہیں۔ مگر بقول ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث میں جو علت پائی جاتی ہے وہ موجب قدح نہیں۔

[2] یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء مسند احمد پر وارد شدہ اعتراضات کا جواب دیتے چلے آئے ہیں۔

Marfat.com

کہ وہ صحت کی تمام شرائط کے پائے جانے اور اسلامی قانون کے اس پر مبنی ہونے کے باوصف ظن کا فائدہ دیتی ہیں یا یقین کا؟

محدثین نے احادیث کو جانچنے پرکھنے کے لئے جو پیمانے وضع کیے ہیں وہ زمانی و مکانی بھی ہیں اور تاریخی اور جغرافیائی بھی۔ جب راویوں نے جھوٹ بولنا شروع کیا تو نقاد حدیث تاریخ سے کام لینے لگے۔ انہوں نے یہ شرط عائد کر دی کہ رواۃ حدیث' ان کے طبقات اور ان کی ولادت و وفات کی تاریخ معلوم کرنا ضروری ہے۔ وہ جب رواۃ حدیث کا ذکر کرتے تو ساتھ ہی بتا دیتے کہ اس نے کہاں اور کس جگہ حدیثیں روایت کہیں۔ محدثین نے ایسے واقعات ذکر کیے ہیں جن پر صرف اس لئے تدلیس کا حکم لگایا گیا کہ راوی کو مروی عنہ کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔ عام تاریخی حقائق کی خلاف ورزی کو حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔[1]

جب راوی مروی عنہ سے قبل وفات پا گیا ہو تو محدثین اس کو بھی علو نسبی کی صورتوں میں سے ایک قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ دونوں عدد اور تقدم سماع میں مساوی ہوں۔ علمائے حدیث کا قول ہے کہ مدنی راوی جب کوفیوں سے روایت کرتے ہیں تو اس میں لغزش کھا جاتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث کا سماع مختلف بلاد و اقالیم

---

[1] مثلاً وہ حدیث جس میں اہل خیبر سے جزیہ معاف کرنے کا ذکر پایا جاتا ہے یہ کئی لحاظ سے جھوٹی روایت ہے اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ سعد رضی اللہ عنہ غزوہ خندق میں وفات پا چکے تھے۔ اس میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہ دستاویز معاویہ بن ابی سفیان نے تحریر کی۔ حالانکہ حضرت معاویہ فتح مکہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے تھے اور جزیہ کا حکم غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوا تھا [اللؤلؤ المرصوع فی مالا اصل لہ او باصلہ موضوع]

اس ضمن میں سب سے بہترین کتاب ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے "السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی" نامی تحریر کی ہے یہ کتاب انہوں نے الازہر یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ لینے کے لئے تحریر کی تھی۔ رفیق مکرم ڈاکٹر سباعی نے طباعت سے قبل اس کتاب کا ذکر کیا تھا میں نے کتاب ہذا کے طبع اول میں ذکر کیا تھا کہ میں نے یہ کتاب تاحال نہیں دیکھی۔ اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ رفیق محترم کتاب مذکور کو چھاپنا چاہتے ہیں اب یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے اور میں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

Marfat.com

کے زیر اثر یکساں نوعیت کا نہیں ہوتا۔ نیز یہ کہ تدلیس کا عیب سب سے زیادہ اہل کوفہ اور کسی حد تک اہل بصرہ میں پایا جاتا ہے۔ محدثین کا کہنا ہے کہ مختلف ادوار میں بعض مسالک کے جو حامی و ناصر پائے جاتے تھے انہوں نے بھی حدیث نبوی پر کافی اثر ڈالا۔ زیادہ تر یہی اثر بعض احادیث کو موضوع قرار دینے کا موجب بنا۔ محدثین کا خیال ہے کہ تدلیس بلاد اور تدلیس شیوخ کے مابین کوئی بنیادی فرق نہیں پایا جاتا۔ تدلیس بلاد میں ایسے بلاد و احصار کو دیکھنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے جن کا مشاہدہ راوی نے نہیں کیا ہوتا۔

نقد حدیث کے بعض پیمانے نفسیاتی اور اجتماعی ہوتے ہیں۔ مثلاً جس حدیث میں ہریسہ (ایک خاص کھانے کا نام) کا ذکر کیا گیا ہے وہ موضوع ہے اس کا واضع محمد بن حجاج تخمی تھا جو ہریسہ فروخت کیا کرتا تھا[1] اسی طرح سعد بن طریف نے حدیث ''تمہارے معلم سب سے زیادہ شریر ہیں'' اس وقت وضع کی جب استاد نے اس کے لڑکے کو پیٹا۔

جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ نبی ﷺ جحفہ کے حمام میں داخل ہوئے باتفاق محدثین موضوع ہے۔[2] اس لئے کہ آپ کے زمانہ میں حمام نہیں ہوا کرتے تھے۔

حدیث نبوی کی جانچ پرکھ کے پیمانوں کی نزاکت واضح ہے۔ جس شخص سے ایک مرتبہ بھی کذب کا صدور ہوا ہو اس کی روایت ناقابل قبول ہے۔ اسی طرح اس غلط کار راوی کی روایت بھی قبول نہیں کی جا سکتی جو غلطی سے رجوع نہ کرتا ہو۔ محدثین کی قوت سماعت کا یہ عالم تھا کہ تصحیف سماع کو بھی بھانپ لیتے اگرچہ تصحیف نظر نہ بھی ہو مثلاً اکیل اور بکیر کی تصحیف۔ تعدیل کی نسبت جرح میں زیادہ حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ نقد حدیث کے پیمانے لوگوں کو آنحضور ﷺ پر دروغ گوئی کرنے سے روک دیتے ہیں اس لئے سب کے ساتھ سختی کی ضرورت ہے تاکہ غلطی اور لغزش کا خطرہ باقی نہ رہے۔

۸۔ جہاں تک متن حدیث کا تعلق ہے وضع کے تمام علامات کا مرکز و محور صرف متن

---

1. [تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص ۱۴۵]
2. اللؤلؤ المرصوع ص ۳۵

Marfat.com

ہے۔ مثلاً اعراب کی غلطی معنوی رکاکت عقل وحس کی مخالفت وعد و وعید میں مبالغہ آمیزی بلیغ کلام میں علمائے اصول اور متکلمین کی سی پیچیدگی پیدا کرنا برسر اقتدار طبقہ کی مدح سرائی کے لئے حدیثیں گھڑنا یہ سب ایسے مباحث ہیں جن کا تعلق متن کے ساتھ ہے اور وہ اس لحاظ سے کہ متن میں ایک ایسی بات کا اضافہ کیا گیا ہے جو نبی اکرم ﷺ کے شایان شان نہیں ہے۔ یا حدیث میں ایسی عبارت کو شامل کیا گیا ہے جس کا صدور آنحضرت ﷺ سے ممکن نہ ہو۔ مثلاً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں غلامی کی آرزو کرنا۔ یہ اعتقاد بھی اسی قبیل سے ہے کہ حدیث میں عمداً تقدیم و تاخیر کذب و دروغ میں شامل ہے۔ نیز یہ نظریہ کہ دو حدیثوں میں تعارض کا باقی رہنا محال ہے۔ دونوں میں سے ایک یا تو دوسری کو منسوخ کر دے گی یا اس کی تفصیل و تخصیص پر مشتمل ہو گی۔

مذکورہ صدر بیانات ایک مسلمہ حقیقت کی غمازی کرتے ہیں جس میں جدل ونزاع کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ جب اس بات کا فیصلہ ضروری ٹھہرا کہ محدثین کے مباحث سند و متن میں سے کسی ایک کے ساتھ وابستہ ہیں۔ تو اس میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ یہ مباحث متن ہی سے متعلق ہیں اور سند صرف متن تک پہنچنے کا ایک ذریعہ و وسیلہ ہے اور بس۔

جب اس کے ساتھ مختلف زمانوں میں راویوں کے ورع وتقویٰ طلب حدیث کی راہ میں صعوبات و مشکلات کے ہجوم اور حدیث نبوی کی قدر و قیمت کے احساس کو بھی شامل کر لیا جائے تو ہم بلا جھجک کہہ سکیں گے کہ دقت فکر و نظر میں اصول حدیث کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں مل سکتی۔[1]

یہ امر موجب حیرت ہے کہ جن مخطوطات مدونات اور صحیفوں کا ذکر ہم نے کیا ہے ان کے مطالعہ کی زحمت اٹھانے کے بعد مستشرقین یہ دعویٰ کیونکر کر سکتے ہیں کہ اسناد

---

[1] اس کا اعتراف مشہور مستشرق گولڈزیہر نے بھی کیا ہے۔ مگر وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ یہ باریک بینی اور نزاکت خیال سند و متن دونوں میں پائی جاتی ہے۔ دیکھیے اس کی کتاب: (ETUDES SUR LATRAD ISLAMIQUE P.6)

Marfat.com

کے سوا متن کی صحت کا کوئی طریق ممکن نہیں۔ نیز یہ کہ عربوں نے محض سند ہی کے ساتھ اعتناء کیا ہے۔ (متن کا خیال نہیں رکھا) حیرانی ہے کہ اکابر مستشرقین نے کس طرح یہ مغالطہ دینے کی جسارت کی اور محض حدیث اور محدثین کو ہدف تنقید بنانے اور اس کے نصوص و متون کی اہمیت گھٹانے کے لئے بڑی بڑی کتابیں تصنیف کر ڈالیں[1]

جب مذکورہ صدر بیانات کے ساتھ ان تاریخی دستاویزات کو بھی شامل کر لیا جائے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کتابت حدیث کا آغاز عہد رسالت میں ہو چکا تھا تو مستشرقین اور ان کے ہم نواؤں کے حسین خوابوں اور امنگوں کے محل خود بخود منہدم ہو جاتے ہیں۔ ان تاریخی حقائق سے یہ صداقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ تعلیم و تربیت میں محدثین کے طرق و مناہج کیا تھے اور جن الفاظ کے ساتھ وہ حدیث کے اخذ و روایت کی مختلف صورتوں میں فرق کرتے تھے ان میں کس حد تک تشدد سے کام لیتے تھے۔

ان حقائق سے واضح ہو جاتا ہے کہ محدثین کرام اور اصول حدیث کے فن کی جس قدر بھی مدح و ستائش کی جائے اس سے محدثین کے ان احسانات کا حق ادا نہیں ہوتا جو انہوں نے اسلامی اور انسانی تہذیب و ثقافت پر کئے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اصول حدیث کے درس و مطالعہ سے ہماری ثقافت کی نشر و اشاعت کے ذرائع کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ یہ طرق و مناہج ایسے ہیں جن سے پوری کائنات نا آشنا تھی اور پہلی مرتبہ ہمارے زریں دور میں انسانیت ان سے آگاہ ہوئی۔ ہمارے سوا دوسرے لوگ اس کے حقیقت شناس نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ یہ طرق و مناہج ہمارے روشن ذہن اور باعزت ماضی کی پیداوار ہیں اور انہوں نے ہماری ثقافت سے جنم لیا ہے جو بڑی وسیع اور جامع ہے۔

مزید برآں مستشرقین جنگ و پیکار کے فن میں خوب مہارت رکھتے ہیں شکوک و

---

[1] مثلاً یہ کہ گولڈزیہر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی پر بھی طعن کرنے سے باز نہ رہ سکا پھر گولڈزیہر سے احمد امین مصری نے یہ سبق سیکھا اور انکار حدیث کے فتنہ میں مبتلا ہو گیا۔

Marfat.com

شبہات کے پھیلانے میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ بخلاف ازیں ہم اسی چیز میں مہارت رکھتے ہیں جو ہمیں معلوم ہو۔ اور ہمیں اسی چیز کا علم ہوتا ہے جس کے ساتھ ہم عقیدت رکھتے ہوں۔ ہمیں حرب و پیکار سے کوئی لگاؤ نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ ہماری آرزو صرف یہ ہے کہ لوگ حق کو بے حجابانہ دیکھ لیں اور ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری باقی نہ رہے۔ ان کلمات کے اصلی مخاطب ہمارے مہذب نوجوان عرب ہیں۔ پھر وہ کیوں خاموش نہیں ہوتے؟ اور کیوں یقین نہیں رکھتے؟

Marfat.com

باب : ۴

ادب ولغت اور قانون میں حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا مقام

Marfat.com

فصل : ۱

اسلامی قانون میں حدیث نبوی کا مرتبہ و مقام

قرآن میں اطاعت رسول اور اتباع سنت کی تاکید شدید

محققین اہل علم کا قول ہے کہ حدیث صحیح تمام امت پر حجت ہے۔ وہ اپنے نظریہ کی تائید میں ان قرآنی آیات سے استشہاد کرتے ہیں جن میں اطاعت رسول کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو وہ اہل علم میں سے شمار نہیں کرتے۔ اگرچہ وہ خود اپنے آپ کو عالم تصور کرتا ہو اور لوگ بھی اس کے تبحر اور دینی فہم و ادراک کی مدح و ستائش میں رطب اللسان ہوں۔[۱]

یہ ایک فطری بات ہے کہ قرآن کریم کے اس واضح حکم کے بعد علمی بحث و تمحیص کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے کہ جن آیات سے اطاعت رسول کی فرضیت معلوم ہوتی ہے وہ صریح اور ناقابل تاویل ہیں۔ آپ کی اطاعت کی صورت صرف یہی ہے کہ حدیث و سنت کی پیروی کی جائے، دینی مسائل میں اس سے استدلال کیا جائے اور قرآن کریم کے بعد حدیث کو قانون اسلامی کا دوسرا ماخذ قرار دیا جائے۔

اگرچہ حدیث کا ماخذ قانون ہونا ایک بدیہی امر ہے تاہم ہم حجیت حدیث کے بعض پیچیدہ پہلوؤں کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن آیات میں اطاعت رسول کی ترغیب دلائی گئی ہے آیا وہ حدیث نبوی کو ایک مستقل ماخذ تشریع قرار دیتی ہیں۔ تاکہ اس میں بیان کردہ احکام کو قرآنی احکام کی طرح اخذ کیا جائے۔ یا حدیث کی حیثیت ایک مستقل ماخذ کی نہیں بلکہ وہ صرف قرآن کریم کی تشریح و تفسیر ہے۔

[۱] قواعد التحدیث ص ۲۶۳

Marfat.com

اور بس۔ جب حدیث نبوی قرآن کی مبین و مفسر ٹھہری اور اس کا کام اجمال قرآن کی تفصیل بیان کرنا ہوا تو قرآن کی طرح اس کو ماخذ قانون کیسے قرار دیا جا سکے گا؟ بلکہ احکام دین کا ماخذ صرف قرآن کریم ٹھہرے گا۔ جس صورت میں حدیث کو ایک مستقل یا غیر مستقل ماخذ تشریع قرار دیا جائے گا۔ اس میں پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ آیا اخبار آحاد مقبول ہوں گی؟ یا دوسری احادیث سے استشہاد کر کے ان کو تقویت بہم پہنچائی جائے گی؟

ان اعتراضات کے جواب سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم قرآن کریم کی وہ آیات نقل کریں جن سے سنت نبوی پر عمل کا وجوب ثابت ہوتا ہے پھر دیکھیں، کہ آنحضور ﷺ کی سیرت پاک ان سے کس حد تک ہم آہنگ تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ قرن اول میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلا تکلف اور کسی کھینچا تانی کے بغیر ان سے کیا مفہوم مراد لیا۔

عبدالرحمٰن بن یزید نے ایام حج میں ایک محرم آدمی کو دیکھا جس نے ایک سلا ہوا کپڑا پہن رکھا تھا عبدالرحمٰن نے اسے کپڑا اتار کر سنت نبوی پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ اس نے عبدالرحمٰن سے کہا "مجھے کوئی آیت بتایئے جس میں کپڑے اتارنے کا حکم دیا گیا ہو" عبدالرحمٰن نے اسے یہ آیت سنائی۔

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾[1]

"اور رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو"

بظاہر قرآن کریم میں سلا ہوا کپڑا اتارنے کا حکم موجود نہیں ہے۔ یہ حکم صرف حدیث میں دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے سنت اس شرعی حکم کے بیان کرنے میں منفرد ہے اور اس طرح ایک مستقل ماخذ تشریع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کاموں سے باز رہنے کی ہدایت کی ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہو۔

---

[1] سورہ الحشر نیز جامع بیان العلم لابن عبدالبر ج ۲ ص ۱۸۸

Marfat.com

اکابر تابعین میں سے طاؤس[1] نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے روکا۔ طاؤس نے جواباً کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس لئے منع کیا تھا کہ لوگ ان کو سنت نہ ٹھہرا لیں۔ اگر یہ رکعتیں کبھی کبھار پڑھ لی جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس بات پر مصر تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا تھا۔ اس لئے طاؤس کو اس ضمن میں کوئی اختیار حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾[2]

''کسی مومن مرد و عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ صادر کر دیں تو انہیں کوئی اختیار باقی رہے۔''

سنت رسول کے بارے میں ایک مومن کا طریق کار یہ ہونا چاہئے کہ جب بھی جدل و نزاع کی صورت پیدا ہو اور جب بھی کوئی دعویٰ اٹھے تو حدیث نبوی کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے سر تسلیم جھکا دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾[3]

''تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی مجادلات میں آپ کو حکم نہ ٹھہرائیں اور پھر آپ جو فیصلہ بھی صادر کر دیں

---

[1] طاؤس بن کیسان خولانی ہمدانی اکابر تابعین میں سے تھے۔ یہ بڑے مشہور حافظ حدیث اور فقیہ تھے۔ حج کے دوران مزدلفہ کے مقام پر ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔ [تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۸۔]

[2] الموافقات ج ۴ ص ۲۵

[3] سورۃ النساء آیت ۶۵

Marfat.com

اس کے خلاف اپنے دل میں کوئی تنگی نہ پائیں اور سر تسلیم خم کر دیں۔"

مذکورہ صدر آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں جو روایات وارد ہوئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ آپ پانی کے نالے سے پہلے اپنا کھیت سیراب کر لیں اور پھر انصاری کو باری دے دیں۔ یہ انصاری بزرگ غزوہ بدر میں شمولیت کر چکے تھے[1]

اس میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ حدیث نبوی کو اس مسئلہ میں واحد مآخذ تشریع قرار دیا گیا ہے اور قرآن کریم میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔

قرآن میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ﴾[2]

"ہم نے قرآن کو آپ پر اتارا تاکہ جو چیز آپ پر اتاری گئی ہے آپ اس کو کھول کر بیان کر دیں۔"

مذکورہ صدر آیت میں اللہ تعالیٰ نے حدیث نبوی کی قانونی پوزیشن واضح کی اور یہ بتایا ہے کہ اقوال و اعمال رسول قرآن کے معنی و مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔ حدیث نبوی اجمال قرآن کی تفصیل بیان کرتی مطلق کو مقید اور عام الفاظ کی تخصیص کرتی ہے شریعت میں جو مقادیر حدود اور جزئیات غیر معین ہیں حدیث ان کو معین کرتی ہے قرآن جس امر کی تصریح سے خاموشی اختیار کرتا ہے وہاں تنہا سنت دین کا نقطہ نظر واضح کرتی ہے جب حدیث پر تفصیل و توضیح کی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے تو حدیث وہاں پوری تفصیلات بیان کرنے کا اہتمام کرتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے ایک شخص پر سہل

---

[1] ان روایات کی تفصیل و تخریج اسانید کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰ جملہ اقوال و روایات کے مطابق واقعہ صرف یہ تھا کہ انصاری حضرت زبیر کے کھیت کو سیراب کرنے پر معترض ہوئے تھے۔ حالانکہ انہیں بلاچون و چرا فیصلہ نبوی کو قبول کر لینا چاہئے تھا۔

[2] سورۃ النحل آیت ۴۴

Marfat.com

انگاری اور فہم سقیم کا الزام عائد کرتے ہوئے کہا تھا:

''تم احمق آدمی ہو۔ کیا قرآن میں یہ لکھا ہے کہ نماز ظہر کی چار رکعتیں ہیں اور ان میں قرأت جہراً نہیں ہے؟ پھر نماز اور زکوٰۃ کے بعض احکام و مسائل ذکر کیے اور اس آدمی سے پوچھا کہ آیا قرآن میں یہ مسائل تفصیلاً مذکور ہیں؟ قرآن نے ان احکام کو مجملاً بیان کیا تھا حدیث نے ان پر تفصیلی روشنی ڈالی۔''[1]

حدیث نبویؐ کی تشریعی وسعت و جامعیت

حدیث نبوی نے جن مجملات قرآن پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے ان کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس میں اسلامی تشریع کے تمام پہلو مثلاً عبادات' معاملات اور حلال و حرام سب آ جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے یہ تفصیل گاہے بطریق قیاس بیان فرمائی کبھی دو نظیروں اور دو متقابل چیزوں کے مابین مقارنہ و موازنہ سے اس کو واضح کیا۔

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾[2]

''اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا''

نبی کریم ﷺ نے اس آیت سے یہ مفہوم سمجھا کہ ربا کے حرام ہونے کا راز اس زیادت اور اضافہ میں مضمر ہے جس کا عوض و مقابل نہ ہو۔ اس لئے آپ ﷺ نے اس قسم کے ہر اضافہ کو سود پر قیاس کر کے حرام قرار دیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''سونے کے عوض سونا' چاندی کے عوض چاندی' گندم کے بدلے گندم' جو کے بدلے جو' کھجور کے بدلے کھجور' نمک کے عوض نمک' جنس بجنس برابر برابر اور

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۹۱ نیز الموافقات ج ۴ ص ۲۶

[2] البقرۃ آیت ۲۷۵

Marfat.com

دست بدست۔ جس نے زیادہ دیا یا لیا اس نے سود کا کاروبار کیا۔"[1]

جب جنس ایک نہ ہو (مثلاً ایک طرف جو ہو اور دوسری جانب گندم) تو اس میں زیادتی جائز ہو گی۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"جب جنس ایک نہ رہے تو جیسے چاہو فروخت کرو بشرطیکہ بیع دست بدست ہو۔"

قرآن نے زنا کو حرام اور نکاح کو حلال قرار دیا مگر اس نکاح کے حکم سے خاموشی اختیار کی جو خلاف شرع ہو۔ مثلاً عورت کا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے زنا اور غیر شرعی نکاح کو یکساں قرار دیا۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ جس نکاح میں شرعی شرائط کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہو وہ باطل ہے۔[2]

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے۔"

قرآن نے سمندر کے شکار کو حلال طیب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾[3]

"سمندر کا شکار اور کھانا تمہارے لئے حلال قرار دیا گیا یہ تمہارے اور مسافروں کے لئے ایک سامان کی حیثیت رکھتا ہے۔"

مردار کو قرآن کریم کے متعدد مقامات میں حرام قطعی قرار دیا گیا ہے۔[4] قرآن کریم میں ایک طرف سمندری شکار کو علی الاطلاق حلال قرار دیا گیا۔ دوسری طرف مردار کو بصیغہ عموم حرام ٹھہرایا۔ نبی کریم ﷺ نے دونوں حکموں کے درمیان اعتدال پیدا کرتے

---

[1] یہ حدیث صحیح مسلم، احمد اور ابو داؤد میں موجود ہے۔ یہ مشہور حدیث ہے۔

[2] ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰۸ حدیث نمبر ۲۰۸۳ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

[3] سورہ المائدہ آیت ۹۶

[4] مثلاً سورہ بقرہ آیت ۱۷۳، المائدہ آیت ۳۔ سورہ الانعام آیت ۱۴۵

Marfat.com

ہوئے سمندری مردار کو عام حکم سے مستثنیٰ کر کے حلال قرار دیا آنحضرت ﷺ نے سمندر کے بارے میں فرمایا:

''اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے۔''[1]

ایک اور حدیث میں اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال ٹھہرائے گئے۔ دو مردار تو ٹڈی اور مچھلی ہیں اور دو خون جگر اور تلی ہیں۔''[2]

علمائے سلف میں اس بات کا زبردست احساس پایا جاتا تھا کہ حدیث نبوی قرآنی اصول و مبادی کی مفسر و ترجمان کی حیثیت رکھتی ہے خواہ یہ تشریح و توضیح جیسے بھی ممکن ہو۔ اس کے پیش نظر بعض علماء اس بات کے قائل تھے کہ حدیث نبوی قاضی علی الکتاب ہے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس قدر قرآن کریم کو حدیث کی ضرورت ہے اتنی حدیث کو قرآن کی ضرورت نہیں ہے۔''[3]

امام اوزاعی اور دیگر علماء کا مقصد اس سے صرف یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ قرآن کے مطالب و معانی سب سے زیادہ جانتے تھے آپ کا کوئی ارشاد مبارک وحی کے بغیر نہیں ہوا کرتا تھا۔ مطرف بن عبداللہ بن الشخیر[4] سے کہا گیا تھا ''ہمیں قرآن کے سوا اور کچھ نہ سناؤ'' موصوف نے جواباً کہا:

''بخدا ہم قرآن کے عوض کوئی اور چیز نہیں لانا چاہتے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس ہستی کی جانب رجوع کریں جسے سب سے زیادہ قرآن کے مطالب معلوم

---

1. سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۵۴ حدیث نمبر ۸۳
2. سبل السلام محمد بن اسماعیل صنعانی ج ۴ ص ۷۶
3. جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۹۱
4. مطرف بن عبداللہ کبار تابعین میں سے بڑے عابد و زاہد تھے۔ یہ ثقہ راوی تھے۔ بمقام بصرہ ۸۷ھ میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ج ۲ ص ۹۷]

Marfat.com

مذکورہ صدر مثالوں سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ حدیث دو قسموں میں منقسم ہے۔

① وہ احادیث جو مستقل فی التشریع ہیں اور ان میں وہ مسائل و احکام بیان کیے گئے ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔

② ایسی احادیث جو مجملات قرآن کی تفسیر و تفصیل پیش کرتی ہیں[1]

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قرآنی دلائل سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ شریعت جو نبی اکرم ﷺ لے کر تشریف لائے اور آپ کے تمام اوامر و نواہی قرآنی احکام کے ساتھ ملحق ہیں اس لیے ان کا قرآن سے زائد احکام پر مشتمل ہونا ناگزیر ہے"[2]

یہی اضافہ جو آنحضور ﷺ کی بیان کردہ تفصیلات میں نظر آتا ہے اس امر کا موجب ہوا کہ حدیث نبوی کو جملہ اقوال کے مطابق قرآن کے بعد دوسرا مرتبہ حاصل ہو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلامی شریعت کا وجود دو اصلوں سے عبارت ہے ❶ قرآن کریم ❷ حدیث نبوی

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک انہیں تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور میری سنت"[3]

حدیث مستقل مآخذ تشریع ہے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ قرآن ہر اس چیز پر اجمالاً و تفصیلاً دلالت کرتا ہے جو حدیث میں موجود ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے جو سنت بھی مقرر فرمائی قرآن میں اس کی

---

[1] الموافقات ج ۴ ص ۲۶

[2] الموافقات ج ۴ ص ۱۴

[3] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۸۰

Marfat.com

اصل موجود ہے اس لئے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ[1] (ہر چیز کی تفصیل) کہا ہے قرآن کے ساتھ دین اسلام کی تکمیل ہوئی۔ قرآن میں ارشاد ہوا:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾[2]

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ﴾[3]

''ہم نے قرآن میں کسی بات کی کمی باقی نہیں چھوڑی۔''

اس لئے حدیث کسی صورت میں بھی شریعت میں اضافہ نہیں کر سکتی پھر یہ تشریع میں مستقل حیثیت کی حامل کیونکر ہو سکتی ہے؟

جو لوگ یہ شبہ وارد کرتے ہیں ہماری ان سے درخواست ہے کہ وہ قرآن کریم کا بنظر غائر مطالعہ کریں یہ امر محتاج بیان نہیں کہ قرآن کریم اطاعت رسول کی شدید تاکید کرتا اور آپ کی خلاف ورزی سے ڈراتا ہے قرآن جہاں آپ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے وہاں اس بات کی مطلقاً تفریق نہیں کرتا کہ آنحضور ﷺ کا وہ حکم تفسیر قرآن سے متعلق ہو یا اس کی حیثیت ایک مستقل حکم کی ہو۔ (جو سرے سے قرآن میں موجود ہی نہیں)

قرآن بطریق انذار (تخویف) کہتا ہے۔

﴿فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ﴾[4]

''جو لوگ آپ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔''

اس آیت سے آنحضور ﷺ کی خصوصی اطاعت اور آپ کی نافرمانی کی ممانعت

---

1. سورة النحل آیت نمبر ۸۹
2. سورة المائدہ آیت نمبر ۳
3. سورة الانعام آیت نمبر ۳۸
4. سورة النور آیت نمبر ۶۳

Marfat.com

واضح ہوتی ہے یہ اطاعت ان امور میں ہوگی جو سنت ہیں اور جن کا قرآن میں ذکر نہیں کیا گیا۔ گویا یہ وہی مضمون ہے جس کو ایک دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾[1]

''اگر کسی بات میں تمہارے یہاں تنازعہ بپا ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر یقین رکھتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے سے مراد کتاب الٰہی کی طرف لوٹانا ہے اسی طرح رد الی الرسول سے آپ کی وفات کے بعد حدیث وسنت کی جانب رجوع کرنا مقصود ہے۔ اس کے بعد سنت کو تفصیلی مدلولات کے ساتھ قرآن کی طرف لوٹایا جائے گا۔ کوئی عالم اس بات کی مخالفت نہیں کرسکتا کہ سنت پر عمل بعینہ قرآن پر عمل پیرا ہونے کے مترادف ہے اس لئے کہ قرآن کے ذریعہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ سنت پر عمل واجب ہے کیونکہ قرآن اعم ہے اور حدیث اس کے مقابلہ میں اخص ہے۔ ظاہر ہے کہ اعم اپنے کلیات کی وجہ سے اخص کی جزئیات پر حاوی ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث کے مابین جن اصول وقواعد میں اتحاد واشتراک پایا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حدیث جداگانہ طور پر تشریح وتوضیح کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے رسول کو ہادی وپیشوا اور آپ کی سنت کو رہنما بنایا ہے سیرت رسول ﷺ اس شخص کے لئے بہترین نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخری دن کی امید رکھتا اور ذکر خداوندی میں مشغول رہتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الرسالۃ''[2] میں ایسی احادیث سے بحث کی ہے جن کے بارے میں کوئی نص قرآنی وارد نہ ہوئی ہو۔ موصوف نے احادیث نبویہ کو چار قسموں میں منقسم کیا ہے سب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں ایسے مسائل پائے جاسکتے ہیں جو قرآن میں مذکور نہ ہوں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس زیادت کی وجہ اور دین میں اس

---

[1] سورۃ النساء آیت نمبر ۵۹

[2] الرسالہ ص ۹۱

Marfat.com

کے حجت ہونے کو واضح کرتے ہوئے ان چاروں اقسام میں سے دوسری قسم کو ترجیح دی ہے دوسری قسم کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے کوئی سنت ایسی مقرر نہیں فرمائی جس کی اصل کتاب الٰہی میں موجود نہ ہو۔ مثلاً قرآن میں اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے عملی طور سے نماز پڑھ کر دکھائی اور اس کی رکعات بتائیں۔

خرید و فروخت سے متعلق مسائل کا بھی یہی حال ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾[1]

''اپنے مالوں کو باہم ناروا طریقہ سے مت کھاؤ۔''

نیز فرمایا:

﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾[2]

''اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا''

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال یا حرام ٹھہرایا تھا نبی کریم ﷺ بحکم خداوندی ان کی وضاحت کر دیا کرتے تھے۔[3]

ہمارا خیال ہے کہ اسلامی قانون میں حدیث نبوی کو جو مقام حاصل ہے اس کی توضیح و تشریح کے پیش نظر ان چاروں اقسام میں سے آخری قسم صحیح تر ہے اس کے پیش نظر ان دونوں باتوں میں باہم توافق و تطابق پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن ہر چیز کے لئے تبیان ہے اور اس میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے نیز یہ کہ حدیث ایسے احکام کا اثبات کرتی ہے جو قرآن میں نفیاً و اثباتاً کسی طرح بھی مذکور نہیں ہیں۔ البتہ ان مسائل کے اصول و قواعد قرآن میں مذکور ہیں۔ یہ مستقل مذہب بلاتردد ہمیں اس بات کی اجازت

---

[1] سورۃ النساء آیت نمبر ۲۹

[2] سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۷۵

[3] ابن جریر طبری ج ۱ ص ۶۵۔ مفسر طبری فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر جو قرآن نازل کیا ہے ﷺ کی تشریح و توضیح کے بغیر اس کا فہم و ادراک ممکن نہیں ہے۔ قرآن کے تمام اوامر و نواہی اور مندوبات و ارشادات کی تاویل یہی ہے۔''

Marfat.com

دیتا ہے کہ حدیث کو اسلام کے اصول تشریع میں سے اصل ثانی قرار دیں۔ پھر بعض علماء کا اس کو ایک مستقل اصل قرار دینا بھی بعید از قیاس نہ ہوگا اور جنہوں نے غیر مستقل کہا ہے وہ بھی غلط نہیں ہوگا۔ علماء شروع ہی سے یہ سچی بات کہتے چلے آئے ہیں کہ:

"قرآن نے حدیث کے لئے جگہ باقی چھوڑی تھی اور حدیث نے قرآن کے لئے۔"[1]

مندرجہ ذیل آیت کے پیش نظر اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾[2]

"جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔"

---

[1] الموافقات ج ۴ ص ۱۶۔۱۷

[2] سورۃ النساء آیت نمبر ۸۰

Marfat.com

فصل : ۲

حجیتِ حدیثِ صحیح

حلت وحرمت کے اثبات میں کتاب وسنت کی یکسانی

رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی گویا میری نگاہ تصور کے سامنے ہے جب آپ نے بصیرت وفراست سے کام لے کر پردہ غیب کو جھانک کر دیکھا کہ آنے والے زمانوں میں لوگ کتاب وسنت میں تفریق کرنے لگیں گے اور صرف قرآنی نصوص کو معمول بہا بنائیں گے۔ چنانچہ آپ ان کی ڈبل غلطی اور جہالت وضلالت کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

''آگاہ رہو کہ مجھے قرآن کے ساتھ اس جیسی ایک اور چیز (حدیث) بھی دی گئی ہے۔ یہ بات کچھ بعید نہیں کہ ایک شکم بھرا آدمی مسند سے ٹیک لگائے یوں کہے گا کہ قرآن کا دامن تھام لو۔ اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور جس کو حرام پاؤ اس کو حرام خیال کرو۔ اس میں شبہ نہیں کہ جس چیز کو رسول نے حرام قرار دیا ہو وہ خدا کی حرام کردہ چیز کی طرح ہے۔''[1]

نبی کریم ﷺ حلال وحرام کے اثبات میں حدیث کو قرآن کریم کے ساتھ ملانے کا جو اہتمام فرماتے تھے اس کی تشریح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

''رسول کریم ﷺ نے اسی چیز کو حلال ٹھہرایا جو کتاب اللہ میں حلال تھی اور اسی چیز کو حرام قرار دیا جو خدا کی کتاب میں حرام تھی۔''

---

[1] ابوداؤد، دارمی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث مقدام بن معدیکرب سے روایت کی ہے شاطبی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حدیث میں ایسے مسائل بھی مذکور ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں۔
[الموافقات ج ۴ ص ۱۵]

Marfat.com

اس کے بعد امام موصوف بڑے پر وثوق انداز میں فرماتے ہیں:

"ائمہ کے سب اقوال حدیث نبوی کی تشریح ہیں اور جملہ احادیث قرآن کی شرح ہیں۔"[1]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر علماء قدرے غلو سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں:

"حدیث نبوی وحی ہے۔ اور قرآن کی طرح جبرائیل علیہ السلام اس کو لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا کرتے۔ اور آپ کو قرآن کی طرح سکھاتے تھے۔"[2]

ابوالبقاء کلیات میں بلا تاویل نہایت واشگاف الفاظ میں لکھتے ہیں:[3]

"خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن وحدیث دونوں وحی منزل ہونے کے اعتبار سے متحد ہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ قرآن کریم کو ایک معجزہ کی حیثیت سے مخالفین کو چیلنج کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہے مگر حدیث کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ نیز یہ کہ قرآن کے الفاظ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں اور جبرائیل علیہ السلام یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہے۔ بخلاف ازیں جبرائیل علیہ السلام پر حدیث کے معانی نازل ہوتے ہیں اور وہ ان کو اپنے الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں۔"

ہمارا ذاتی رجحان ومیلان اس جانب ہے کہ قلب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآن اترا کرتا تھا۔ اور نطق احادیث کے سلسلہ میں آپ کو جو الہام ہوتا تھا ان میں فرق ہے اور یہ دونوں یکساں نہیں ہیں اسی فرق کی اساس پر ہم صرف قرآن ہی کو اپنے انداز کی خاص اور مستقل وحی قرار دیتے ہیں جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "مباحث فی علوم القرآن" میں واضح کیا ہے۔[4]

---

1. قواعد التحدیث ص ۳۳
2. القاسمی نے اس قول کو حسان بن عطیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ [قواعد التحدیث ص ۳۲]
3. کلیات ابی البقاء مطبعۃ الامیریہ ۱۲۸۱ھ نیز الاحکام لابن حزم ج ۱ ص ۹۶
4. دیکھئے مباحث فی علوم القرآن' باب اول فصل ثانی ص ۲۲ [مبحث ظاہرۃ الوحی]

Marfat.com

نبی کریم ﷺ نازل شدہ وحی اور ان احادیث کے درمیان فرق کرتے تھے جن کو آپ ''الہام الٰہی'' سے تعبیر فرمایا کرتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ بشری اعتبار سے جو افکار و خواطر آپ کے جی میں گردش کرتے رہتے تھے وہ کلام ربانی کے ساتھ مخلوط نہیں ہو سکتے[۱] بنابریں ہم احادیث نبویہ کو ''الحکمۃ'' کے لفظ کے ساتھ تعبیر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم میں حدیث کے لئے یہی نام تجویز کیا ہے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

''اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا جب ان میں ان کی قوم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ان کا تزکیہ کرتا اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''[۲]

اکابر علمائے محققین کا خیال ہے کہ اس آیت میں ''الحکمۃ'' کا لفظ قرآن کے علاوہ کسی اور چیز پر بولا گیا ہے وہ چیز ان کے خیال میں شریعت اسلامیہ کے مقاصد و اسرار اور اس کی تعلیمات ہیں جن کو سنت قولی و فعلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے کتاب و حکمت کی تعلیم دے کر لوگوں کو ممنون کیا ہے اس لئے حکمت سے یہاں صرف حدیث ہی مراد لی جا سکتی ہے اس لئے کہ حدیث قرآن کے ساتھ مقرون و متصل ہے اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت کو فرض اور آپ کے اوامر کی پیروی کو قطعی اور حتمی قرار دیا ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول کے سوا کسی دوسری چیز کے حق میں ''فرض'' کا لفظ نہیں بولا جا سکتا

۱۔ مباحث فی علوم القرآن ص ۲۳

۲۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۶۴

کیونکہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ ایمان باللہ و بالرسول باہم مقرون و متصل ہیں۔[1]

حدیث دانی میں صحابہ یکساں نہ تھے

اگر ہم عہد رسالت کی جانب مڑ کر دیکھیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ آنحضرت ﷺ گھر اور مسجد بازار میدان جنگ اور سفر و حضر میں صحابہ کرام کی اولین جماعت کو تعلیم دیتے رہتے تھے جب کوئی حادثہ پیش آتا تو اپنے اقوال و افعال سے ان کو قرآن کریم کا فہم و ادراک سکھاتے تھے۔ صحابہ کرام کو سنت رسول کے ساتھ جو قلبی لگاؤ تھا الفاظ اس کے بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ بعض صحابہ کی تو یہ حالت تھی کہ باری باری ایک دن خود بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے اور ایک روز پڑوسی کو بھیجتے اور جو باتیں سنتے وہ ایک دوسرے کو بتا دیتے۔ یہ التزام اس لیے کیا گیا تھا کہ آنحضور ﷺ کی کوئی بات سننے سے رہ نہ جائے۔ سرور کائنات ﷺ نے خود ان کو یہ کہہ کر علم کا شوق دلایا تھا کہ:

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے میری بات سنی اور اسے جوں کا توں آگے پہنچا دیا۔ اس لیے کہ جن کو یہ باتیں پہنچائی جائیں گی ان میں سے بعض براہ راست سننے والوں سے بھی زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے۔"[2]

غیر مجتہد کے لیے جواز عمل بالحدیث

مگر سب صحابہ اجتہاد کے مرتبہ پر فائز نہ تھے۔ سنت رسول کے سلسلہ میں بھی صحابہ یکساں علم نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے کہ ان میں دیہاتی اور شہری، صانع اور تاجر بھی قسم کے لوگ تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے زندگی بھر میں صرف ایک ہی دفعہ آپ کی زیارت کی یا صرف ایک ہی حدیث سننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس میں شک کی کوئی مجال نہیں کہ جو شخص کسی صحابی سے یا آنحضور ﷺ سے حدیث سنتا تو اپنے فہم

[1] الرسالہ ص ۷۸

[2] جامع بیان العلم ج ا ص ۳۹

Marfat.com

کے مطابق اس کی پیروی کرتا قطع نظر اس سے کہ وہ مجتہد ہوتا یا غیر مجتہد۔ یہ بات کہیں مذکور نہیں کہ غیر مجتہد کے لئے یہ پابندی تھی کہ وہ مجتہد کے پاس جا کر اس حدیث کا مفہوم معلوم کرے جو اس نے سنی تھی۔ نہ عہد رسالت میں یہ قید و شرط کہیں موجود تھی۔ اس پر صحابہ کا اجماع قائم ہو چکا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو خلفاء غیر مجتہد صحابہ خصوصاً دیہات کے رہنے والوں کو اس بات کی ہدایت کر دیتے کہ انہوں نے براہ راست یا بالواسطہ جو حدیثیں آنحضور ﷺ سے سنی ہوں ان کو مجتہدین کے سامنے پیش کئے بغیر ان پر عمل نہ کریں۔ حالانکہ اس ضمن میں کوئی قول و اثر منقول ہی نہیں۔ [1]

چونکہ حدیث دانی میں سب صحابہ یکساں نہ تھے اس لئے بعض احکام کی تعلیل میں صحابہ کا اختلاف ازبس ناگزیر تھا۔ اسی طرح بعض الفاظ کے ضبط کرنے اور اپنے اجتہاد و استنباط کے موافق حدیث ہونے میں بھی صحابہ کے یہاں اختلاف پایا جاتا تھا اس لئے کہ تمام صحابہ اپنے فہم و ادراک کی روشنی میں آنحضور ﷺ کے فتاویٰ و احکام اور عبادات کو سوچتے سمجھتے تھے۔ اور قرائن کے پیش نظر ہر حکم کی وجہ معلوم کرتے تھے۔ چنانچہ بعض لوگ کسی حکم کو اباحت پر محمول کرتے۔ بعض قرائن و علامات کے پیش نظر منسوخ قرار دیتے۔ انکے نزدیک واحد معیار و مدار وجدان اور قلبی سکون و اطمینان تھا۔ استدلال کے طریقے ابھی رائج نہیں ہوئے تھے۔ [2]

چنانچہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا آپ جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ کی پیروی میں صحابہ بھی کھڑے ہو گئے۔ مگر کسی کو بھی سبب قیام معلوم نہ تھا ایک صحابی جب حیرت و استعجاب کو چھپا نہ سکے تو بولے ''حضرت یہ یہودی کا جنازہ ہے''

آپ نے فرمایا:

---

[1] علم الدین الفلانی نے ایقاظ الہمم ص ۹۰ پر یہ قول امام سندھی حنفی سے نقل کیا ہے۔ [ایقاظ الہمم مطبعہ ریاض الہند ۱۲۹۸ھ]

[2] حجۃ اللہ البالغہ طبع مصر ۱۳۴۱ھ ص ۱۱۳

Marfat.com

''آخر ایک ذی روح تو ہے جب کسی کا جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔''[1]

صحابہ اس امر میں مختلف الخیال تھے کہ آپ کے کھڑے ہونے کی وجہ کیا تھی نیز یہ کہ مومن و کافر سب کے جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم کس لئے دیا گیا ہے؟ بعض صحابہ کا خیال ہے کہ آپ موت کی ہولناکی کے پیش نظر کھڑے ہوئے تھے بعض دیگر صحابہ کا قول ہے کہ ملائکہ کی تعظیم کے لئے قیام فرمایا۔[2] مگر آپ کے ارشاد ''کیا یہ جاندار نہیں؟'' سے مستفاد ہوتا ہے کہ قیام ہر جنازہ کے لئے مستحب ہے۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عبداللہ نے حدیث کا مطلب نہیں سمجھا اور آپ کے الفاظ ذہن نشین نہیں کئے۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا جس کے گھر والے آہ و زاری کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا ''یہ اس پر رو رہے ہیں حالانکہ اسے عذاب دیا جا رہا ہے'' ارشاد مبارک کا مطلب یہ نہیں کہ گھر والوں کا رونا عذاب کا موجب اور باعث ہے۔ اسی طرح قبر میں ہر میت کو جو عذاب دیا جاتا ہے اس کی وجہ اس کے گھر والوں کا رونا پیٹنا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ابن عمر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے حضرت عائشہ کی روایت ایک واقعہ کی تقریر ہے جو آپؐ نے ملاحظہ فرمایا تھا۔ اس لئے اس میں نہ کوئی شرعی حکم دیا گیا ہے نہ کسی بات کی تعلیم دی گئی ہے۔[4]

بعض اوقات صحابی کا اجتہاد حدیث نبوی کے مطابق ہوتا ہے سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے اس عورت کے بارے میں

---

[1] یہ حدیث صحیحین میں بطریق جابر بن عبداللہ و سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم مروی ہے۔ نیز دیکھئے سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۲۷۷ حدیث نمبر ۳۱۷۴ [باب القیام للجنازۃ]

[2] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۴

[3] نیل الاوطار شوکانی

[4] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۴

Marfat.com

دریافت کیا گیا جس کا خاوند مر گیا ہو اور اس نے مہر مقرر نہ کیا ہو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس ضمن میں مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ معلوم نہیں۔ لوگ ایک مہینہ تک ان کے پاس آتے اور اصرار کرتے رہے۔ موصوف نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا کہ اس کو اس جیسی عورت کا سا مہر ملے گا نہ کم نہ زیادہ۔ وہ عدت گزارے گی اور اپنے خاوند کا ورثہ بھی پائے گی۔ اتنے میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلہ کی ایک عورت کے بارے میں یہی فیصلہ کیا تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ سن کر اتنے خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد اتنے خوش کبھی نہیں ہوئے تھے۔[1]

اس طرح اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مسالک مختلف ہو گئے پھر تابعین نے ان سے اخذ و استفادہ کیا اور اپنی استطاعت کی حد تک صحابہ کے اقوال یاد کیے۔ ان کے مذاہب سے آشنائی حاصل کی اور ان کے مختلف مسالک میں تطبیق دینے کی کوشش کی۔ بعض اقوال کو بعض کے مقابلہ میں ترجیح دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تابعین کبار میں سے ہر عالم نے مستقل مذہب اختیار کر لیا۔ ہر شہر میں ایک امام کھڑا ہوا لوگ ان سے مسائل پوچھتے باہم تبادلہ افکار کرتے اور فیصلہ جات ان کی بارگاہ میں پہنچائے اور سنائے جاتے۔[2]

مذاہب کا آغاز اور اصحاب مذاہب کا حدیث سے احتجاج

اتباع تابعین نے مفتیوں کے فتاویٰ سنے اور ان کے بیان کردہ مسائل و احکام دریافت کیے پھر اجتہاد و استنباط اور قضاء و فتویٰ کے سلسلہ میں مقدور بھر کوشش کی۔ اس کے بعد فقہی مذاہب وجود میں آئے اور ان کے متبعین ہر طرف چھا گئے۔ ہر فرقہ اپنے نظریات کی تائید حل مشکلات اور فصل خصومات کے لئے سنت سے احتجاج و استناد کرنے لگا۔ اصحاب مذاہب نے اس بات کی تصریح کر دی تھی کہ سنت پر عمل لازم اور اس سے احتجاج واجب ہے جب کسی مسئلہ میں احادیث میں اختلاف پایا جاتا تو وہ اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے اس لئے کہ صحابہ اسلام کے اصلی منبع سے قریبی تعلق رکھتے تھے

---

1. قواعد التحدیث ص ۳۱۴
2. حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۴

Marfat.com

اور ان کا عصر و عہد آنحضور ﷺ کے زمانہ سے قریب تر تھا۔

اصحاب مذاہب حفظ حدیث اور اس کے فہم و ادراک میں فرق و تفاوت کے باوجود اس باب میں متحد الخیال تھے کہ حدیث صحیح قیاس سے مقدم ہے ہر امام نے یوں یا اس کے قریب قریب کہا تھا کہ:

((اذا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ))[1]

''حدیث صحیح ہی میرا مذہب ہے''

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ......جن کی مذمت میں اصحاب الحدیث نے تجاوز اور افراط سے کام لیا ہے......کو جب حدیث صحیح مل جاتی تو اس کو معمول بہا بنا تے۔ امام شعرانی نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زاویہ نگاہ کی بڑی عمدہ ترجمانی کی ہے۔

شعرانی فرماتے ہیں:

''جو شخص یہ کہتا ہے کہ امام ابو حنیفہ قیاس کو نص کے مقابلہ میں ترجیح دیتے تھے شاید اس نے یہ طرز عمل ان کے مقلدین میں ملاحظہ کیا ہو جو امام کے قیاسات کو واجب التعمیل قرار دیتے ہیں اور امام کی وفات کے بعد احادیث صحیحہ تک کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ اس لئے امام معذور ہے مگر اس کے اتباع معذور نہیں ہیں مقلدین کا یہ کہنا کہ ''ہمارے امام نے فلاں حدیث پر عمل نہیں کیا'' عجیب تر ہے۔ اس لئے کہ ممکن ہے امام کو وہ حدیث نہ ملی ہو یا ملی ہو مگر وہ اسے صحیح تصور نہ کرتا ہو''[2]

قیاس و رائے کو معتبر سمجھنے اور آثار و اخبار کو رد کرنے میں امام ابو حنیفہ اس لئے بھی معذور تھے کہ ان کے عصر و عہد میں حدیث نبوی میں افتراء پردازی خوفناک حد تک پھیل گئی تھی۔ اس لئے قبول احادیث میں حزم و احتیاط اور تشدد اس دور میں بے حد ضروری ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے اخبار آحاد کی قبولیت کے لئے بڑی کڑی شرطیں

---

[1] جامع بیان العلم لابن عبد البر ج ۲ ص ۱۴۸

[2] میزان شعرانی ص ۷۱

Marfat.com

عائد کر دی تھیں۔ ممکن ہے کہ ان شرائط میں غلو کا عنصر بھی شامل ہو۔ اس لئے ائمہ حدیث کو ان کے نظریات پر جرح وقدح کا موقع ملا اور ان کے مذہب کی مذمت کرنی پڑی۔

احادیث آحاد کو قبول کرنے کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل شرطیں عائد کی ہیں۔

1. خبر واحد دین کے اجماعی اصولوں کے خلاف نہ ہو۔
2. عمومات قرآن اور اس کے ظواہر سے ٹکراتی نہ ہو۔
3. سنت مشہورہ...... خواہ قولی یا فعلی...... کے خلاف نہ ہو۔
4. صحابہ وتابعین کے عمل متوارث کے خلاف نہ ہو۔
5. راوی مروی عنہ کے خط پر اعتماد نہ کرے بلکہ اس نے بالمشافہ روایت کی ہو۔
6. راوی کا عمل اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف نہ ہو۔
7. جب دو صحابی دو مختلف حدیثیں روایت کرتے ہوں اور ان میں سے ایک صحابی نے ایک روایت سے احتجاج کرنا ترک کر دیا ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔
8. حدیث کسی زائد بات کے روایت کرنے میں منفرد نہ ہو۔ خواہ وہ اضافہ متن میں ہو یا سند میں۔
9. حدیث میں روایت کردہ بات ایسی نہ ہو جو عموماً وقوع پذیر ہوتی ہے۔[1]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جس حد تک حدیث نبوی کا اکرام واحترام کرتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا آپ کے قول کی موجودگی میں کسی دوسرے کا قول حجت ہو سکتا ہے۔''[2]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الرسالہ'' کی ایک پوری فصل خبر واحد کی حجیت کے اثبات کے لئے وقف کر دی ہے۔[3]

---

[1] اصول السرخسی ج ۱ ص ۳۶۴

[2] میزان شعرانی ص ۶۵

[3] الرسالہ ص ۴۰۱

Marfat.com

امام مالک بن انس ﷫ کی عظمت وجلالت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ آپ امام اہل مدینہ تھے۔ جو حدیث وسنت کا گھر ہے اس میں شبہ نہیں کہ آپ کی کتاب ''الموطا'' اہل الحدیث کی طرز پر فقہ کا ایک نادر نمونہ ہے آپ حدیث سے عملاً احتجاج کرتے ہیں اس ضمن میں وہ جس قدر اقوال وآثار نقل کرتے ہیں ان سے حدیث کے مضمون میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ بہرکیف امام مالک خبر واحد کو قطعی اور علم وعمل دونوں کی موجب قرار دیتے ہیں۔[1]

مسند امام احمد اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ جناب امام کے نزدیک اسلامی قانون میں حدیث وسنت کا کیا مقام حاصل ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ آپ عظیم حافظ حدیث تھے بلکہ آپ پر فقہ کی نسبت حدیث کا غلبہ تھا جب نص کو پاتے تو اس کے مطابق فتویٰ دیتے اور مخالف کے قول کی کچھ پرواہ نہ کرتے خواہ وہ کیسا بھی شخص ہو۔[2]

مذکورہ صدر بیانات اس امر کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ ائمہ کبار حدیث کو بڑی اہمیت دیتے اور اس کو اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ تصور کرتے تھے البتہ جو اختلاف بھی تھا وہ صرف اخبار آحاد کے مفید یقین ہونے تک محدود تھا۔

احادیث آحاد سے احتجاج اور اس کے شرائط

جو لوگ چند شرائط کے بغیر آحاد سے احتجاج نہیں کرتے تھے مثلاً امام ابوحنیفہ...... وہ اپنے زاویہ نگاہ کے اثبات میں صحابہ کے چند آثار پیش کرتے ہیں جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ خبر واحد سے احتجاج نہیں کرتے تھے۔ آثار صحابہ حسب ذیل ہیں۔

1. جناب صدیق ﷛ نے حضرت مغیرہ کی میراث جدہ سے متعلق روایت کو رد کر دیا تھا اور اس وقت تک تسلیم نہ کیا جب تک محمد بن مسلمہ نے اس کی تصدیق نہ کی۔
2. حضرت فاروق ﷛ نے ابوموسیٰ اشعری ﷛ کی روایت درباره استیذان کو اس وقت تسلیم کیا جب ابوسعید خدری نے اس کی تائید کی۔

---

[1] الاحکام آمدی ج ۱ ص ۱۰۸

[2] اعلام الموقعین لابن القیم ج ۱ ص ۳۲ مطبعۃ النیل ۱۳۲۵ھ

Marfat.com

۳ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حکم بن عاص کو واپس لانے کی اجازت کے بارے میں حضرت عثمان کی روایت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

۴ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسنان اشجعی کی روایت کو جو اس عورت کے بارے میں تھی جس سے مہر مقرر کئے بغیر نکاح کر لیا ہو رد کر دیا تھا۔

۵ حضرت علی حلف لئے بغیر کسی کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حلف نہیں لیتے تھے۔

۶ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب حدیث روایت کی کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو تسلیم نہ کیا۔[1]

حق بات یہ ہے کہ صحابہ خبر واحد سے احتجاج کرتے اور اس کے معنی و مفہوم پر عمل کیا کرتے تھے۔ البتہ بعض دفعہ شک کو زائل کرنے اور یقین کو حاصل کرنے کے لئے بعض روایات کے قبول کرنے میں توقف کرتے تھے۔ بعض دفعہ روایت حدیث میں حزم و احتیاط کے پیش نظر کسی روایت کو ماننے سے انکار دیتے۔ چنانچہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے جو بات ابوموسیٰ اشعری سے کہی تھی اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔ حضرت فاروق نے فرمایا:

"میں تمہیں متہم نہیں کرنا چاہتا صرف حدیث رسول کی اہمیت جتانا مقصود ہے۔"

خبر واحد کی حقیقت معلوم کرنے سے بھی یہ التباس دور ہو جاتا ہے۔ خبر واحد اس حدیث کو نہیں کہتے جس کو صرف ایک راوی نے روایت کیا ہو۔ بخلاف ازیں خبر واحد اس حدیث کو کہتے ہیں جو متواتر کے درجہ تک نہ پہنچی ہو جیسا کہ حدیث صحیح کی بحث میں ہم بیان کر چکے ہیں[2] اگر ایک صحابی کے ساتھ حدیث کے روایت کرنے میں دوسرا صحابی مل جائے تب بھی وہ حدیث خبر واحد ہی رہتی ہے بلکہ اگر دو یا تین یا اس سے زیادہ

ا الاحکام از آمدی ج ۱ ص ۹۴

۲ الاحکام ص ۱۵۰ نیز شرح نخبہ ص ۶

Marfat.com

راوی بھی حدیث کے روایت کرنے میں اس کے ساتھ شریک ہو جائیں مگر دروغ گوئی کا خطرہ اب بھی باقی ہو تو وہ حدیث پھر بھی خبر واحد ہی رہے گی۔

''محدثین نے جن احادیث کو قبول نہ کیا اس کی وجہ یا تو کسی معارض کا پایا جانا یا شرط کا فوت ہونا ہے ایں لئے نہیں کہ وہ اس کو ناقابل احتجاج قرار دیتے تھے اگرچہ اس پر عمل کرنے کے بارے میں متحد الخیال تھے۔''[1]

نظر بریں جب کسی حدیث کی صحت ثابت ہو جائے تو اس کو ایک اصل اور ضابطہ کی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ اور اس بات کی مطلقاً ضرورت نہ ہوگی کہ اسے کسی اور اصل پر رکھ کر جانچا پرکھا جائے اس لئے کہ اگر اصل ثانی اس کے مطابق ہو تو اسے اور تقویت حاصل ہو جائے گی اور اگر اس کے خلاف ہو تو دونوں میں سے ایک کا رد کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ تو حدیث کے قیاس کو ساتھ رد کرنے والی بات ہے اور یہ بات بالاتفاق مردود ہے کیونکہ سنت قیاس سے مقدم ہے۔[2]

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم صرف اسی بات پر عمل کریں گے جو قرآن میں مذکور ہو تو اجماع امت کے مطابق وہ کافر ٹھہرے گا۔ اور آفتاب ڈھلنے سے لے کر ظلمت شب تک صرف اس کو ایک رکعت پڑھنے کی ضرورت ہوگی۔[3] اور ایک رکعت وہ فجر کے وقت ادا کرے گا کیونکہ ایک رکعت وہ کم از کم چیز ہے جس پر لفظ ''صلوٰۃ'' کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ اور اس میں اکثر کی حد متعین نہیں ہے۔[4]

بات یہ ہے کہ خبر واحد پر عمل کرنے کا معاملہ اور ہے اور اس کا موجب قطع و یقین ہونا ایک الگ امر ہے اس ضمن میں جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ خبر واحد کا راوی اگر ثقہ

۱۔ الاحکام آمدی ج ۱ ص ۹۷ نیز اغاثۃ اللہفان لابن القیم ص ۱۶۰

۲۔ ابن السمعانی نے یہ بات اپنی کتاب ''الاصطلام'' میں ذکر کی ہے اور القاسمی نے اس کو قواعد التحدیث ص ۷۷ پر نقل کیا ہے۔

۳۔ کیونکہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں: ''اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا''

۴۔ الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم ج ۲ ص ۸۰

Marfat.com

ہو تو وہ حجت ہوگی اور اس پر عمل کرنا بھی واجب ہوگا[1] تاہم اکثر علماء کے نزدیک یہ حدیث بدستور ظنی الدلالت رہے گی اور مفید یقین نہ ہوگی۔[2] محدثین کی ایک جماعت جس میں امام احمد حارث محاسبی حسین بن علی کرابیسی ابوسلیمان اور امام مالک جیسے اکابر شامل ہیں یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ خبر واحد قطعی الدلالہ اور علم یقینی کی موجب ہوتی ہے۔[3]

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک عادل راوی جب اپنے جیسے راوی سے کوئی حدیث روایت کرے تو وہ علم وعمل دونوں کی موجب ہوگی۔''[4]

یہی وجہ ہے کہ خطیب بغدادی کو ''الکفایہ'' میں ایک مستقل فصل باندھ کر ان لوگوں کی تردید کرنا پڑی جو خبر واحد کو علم قطعی کی موجب سمجھتے ہیں۔[5] ایک دوسری فصل میں خطیب نے خبر واحد کو مفید علم قرار دینے والوں کے اعتراضات ذکر کر کے ان کا جواب دیا ہے۔[6]

مگر اس کے ساتھ ساتھ خطیب اخبار آحاد پر عمل کو واجب قرار دیتے ہیں اور روایات صحیحہ سے احتجاج کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ خطیب نے ایک مستقل بحث بعنوان ''خبر واحد پر عمل کا وجوب اور اس کے دلائل''[7] منعقد کر کے یہ سب باتیں اس میں بیان کی ہیں۔ خطیب نے تفصیلاً بتایا ہے کہ خبر واحد کہاں قبول کی جاتی ہے اور کہاں نہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل مواقع پر خبر واحد کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

۱۔ شرح مقدمہ مسلم ج ۱ ص ۶۳

۲۔ امام نووی نے التقریب ص ۴۱ پر عدم یقین کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ثقہ راوی سے خطاونسیان کا صدور ممکن ہے اس رائے کی نسبت انہوں نے اکثر محققین علماء کی جانب کی ہے۔

۳۔ الاحکام از آمدی ج ۱ ص ۱۰۸

۴۔ الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم ج ۱ ص ۱۱۹۔ ۱۳۷

۵۔ الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۸۔ ۲۰

۶۔ کتاب مذکور ص ۲۵۔ ۲۶

۷۔ کتاب مذکور ص ۲۶

Marfat.com

1. جب کہ خبر واحد عقل کے منافی ہو۔
2. جب کہ خبر واحد قرآن کے حکم محکم کے منافی ہو۔
3. جب خبر واحد سنت نبوی کے خلاف ہو۔
4. جس وقت خبر واحد اس فعل کے خلاف ہو جو سنت کا قائم مقام ہو۔
5. جس وقت خبر واحد قطعی دلائل سے ٹکراتی ہو۔[1]

مندرجہ بالا حقائق اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ حدیث صحیح کو...... اگرچہ خبر واحد ہو...... قانون اسلامی میں کیا مرتبہ و مقام حاصل ہے۔ یہ بات دشوار بلکہ محال ہے کہ انسانوں کے ساختہ پرداختہ علوم و فنون کی روایات نبی کریم ﷺ کی احادیث کی نسبت زیادہ بہتر اسانید کے ساتھ مروی ہوں۔ یا ان میں زیادہ امانت و دیانت اور حزم واحتیاط پائی جاتی ہو۔ اور ان کو زیادہ شہرت بھی حاصل ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ سب احادیث کا متواتر ہونا ضروری نہیں، اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ امت کے سب افراد واشخاص اس سے یقینی علم حاصل کرتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر امت کے اکثر افراد کسی حدیث صحیح کے خلاف عمل پیرا ہوں تو حدیث کی صحت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اس لئے کہ اکثریت کا قول حجت نہیں ہے۔[2] معلوم ہونا چاہیے کہ عمل بالحدیث نقد حدیث کے پیمانوں کے تابع ہوتا ہے جن میں متن اور سند اور لفظ و معنی سب شامل ہیں۔[3]

خبر محتف بالقرائن سے احتجاج

نظر بریں علمائے محققین صرف صحیح السند اخبار آحاد ہی سے احتجاج نہیں کرتے بلکہ خبر محتف کو حجت قرار دیتے اور اس کو مفید علم قطعی خیال کرتے ہیں۔[4] ان کا رجحان اس

---

[1] کتاب مذکور ص ۲۳۲

[2] حصول المامول من علم الاصول نواب صدیق حسن خاں ؒ ص ۵۹ مطبعۃ الجوائب ۱۲۹۶ھ

[3] دیکھئے ہماری کتاب ہذا کی بحث روایت و درایت

[4] ابن حجر لکھتے ہیں "خبر محتف بالقرائن یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ مگر بعض محدثین اس کو تسلیم نہیں کرتے۔" [شرح نخبہ ص ۷]

Marfat.com

جانب ہے کہ ایسی حدیث علم کا فائدہ دینے میں ان احادیث سے اقویٰ ہوتی ہیں جن میں طرق کی اکثریت تو ہو مگر حدیث متواتر کے درجہ تک نہ پہنچ سکیں۔ مگر یہ فضیلت و خصوصیت ان کے خیال میں صرف اس حدیث کو حاصل ہو گی جس پر کسی حافظ حدیث نے جرح نہ کی ہو اور جس کے دو مدلول باہم اس طرح نہ ٹکراتے ہوں کہ ترجیح کی کوئی صورت ممکن نہ ہو۔ اس لئے کہ دو متناقض حدیثیں بلا ترجیح اپنی صداقت کو ثابت کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔[1]

اگر خبر محتف بالقرائن کو قبول کر لیا جائے اور قرائن سے اس کو تقویت بھی حاصل ہوتی ہو تو حدیث حسن ...... خصوصاً حسن لذاتہ...... حدیث صحیح کے ہم پلہ ہو جائے گی اور احتجاج کرنے میں بھی اس کو صحیح کی مانند تصور کیا جائے گا یہ دوسری بات ہے کہ درجہ و قوت اور احساس یقین کے اعتبار سے اس کا مرتبہ حدیث صحیح سے فروتر ہو گا۔[2]

اس لئے اکثر ائمہ کی یہ بات مبالغہ سے خالی نظر آتی ہے کہ احتجاج و استدلال کے اعتبار سے حدیث حسن صحیح کی مانند ہے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''احادیث کا معیار و مدار زیادہ تر حدیث حسن پر ہے اس لئے کہ اکثر احادیث صحت کے درجہ پر فائز نہیں ہوتیں۔ نیز یہ کہ عام فقہاء و علماء حسن احادیث پر عمل کرتے اور ان کو قبول کرتے ہیں۔''[3]

وہ حدیث جو کسی طرح بھی احتجاج و استدلال کے قابل نہیں وہ ضعیف حدیث کی جملہ اقسام ہیں یہ ایک طبعی امر ہے اور محتاج تشریح نہیں ہے اس لئے کہ ضعیف حدیث

1. شرح نخبہ ص ۷
2. ہم نے حسن لذاتہ کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس میں جو خوبی پائی جاتی ہے وہ ذاتی ہوتی ہے اور کہیں باہر سے لائی نہیں جاتی بخلاف ازیں حسن لغیرہ کو جو تقویت حاصل ہوتی ہے وہ شواہد و متابعات کی بنا پر ہوتی ہے ہم قبل ازیں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔
3. قواعد التحدیث ص ۸۷

Marfat.com

میں شک وشبہ کی گنجائش ہوتی ہے۔ خواہ متن میں ہو یا سند میں' حدیث ضعیف سے متعلق جو اصطلاحات ہم بیان کر چکے ہیں ان میں علیحدہ علیحدہ ضعف کے اسباب بیان کرنے کے لئے ہم سابقہ بیانات کو دہرانا نہیں چاہتے ہم نے وہاں بتا دیا تھا کہ ضعیف کی ہر قسم سے استدلال نہ کرنے کی اصلی و جوہری وجہ کیا ہے۔

ہم یہاں قاری کو محدثین کے نقد وتبصرہ کی اصلی روح سے آگاہ و آشنا کرنا چاہتے ہیں جو ہر جگہ ان کی بحثوں میں چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور ضعیف حدیث کی کوئی قسم بھی اس سے خالی نہیں ہے۔ خواہ ضعف کتنا بھی معمولی ہو۔[1] ہم چاہتے ہیں کہ قاری تعدیل و جرح سے متعلق محدثین کی اصطلاحات کو ذہن میں رکھے اور ان کو فراموش نہ کرے نیز یہ بھی یاد رکھے کہ جرح میں مقابلۃً زیادہ تشدد کی ضرورت ہے۔ قاری کو یقین رکھنا چاہئے کہ نقد وتبصرہ کے ان پیمانوں نے راویوں کی جرح کو جائز بلکہ واجب ٹھہرادیا ہے۔[2] اس لئے کہ صرف اسی حدیث پر عمل کیا جاتا ہے جو صحیح ہو اور ہر شک وشبہ سے پاک ہو۔ محدثین صرف اسی حدیث کو قابل احتجاج سمجھتے ہیں جس کی نسبت صالح راویوں کی طرف ثابت ہو اور ہر راوی اس کو دین سمجھ کر روایت کرتا ہو۔

---

[1] ہم قبل ازیں حدیث ضعیف پر بحث کر چکے ہیں۔

[2] شرح صحیح مسلم امام نووی ص ۶۰

Marfat.com

فصل : ۳

ادب پر حدیث نبویؐ کے اثرات

حدیث کے زیر سایہ علوم اسلامیہ کا نشو و ارتقاء

بعض علماء کا قول ہے کہ علوم کی تین قسمیں ہیں۔

① وہ علم جو پک گیا مگر جلا نہیں اور وہ نحو و اصول کا علم ہے۔

② وہ علم جو نہ تو پکا اور نہ جلا اور وہ علم البیان اور تفسیر ہے۔

③ وہ علم جو پختہ ہوا اور جل گیا وہ حدیث و فقہ کا علم ہے۔[1]

یہ قول بڑی حد تک صحیح ہے اور ان مراحل و ادوار کی آئینہ داری کرتا ہے جو علوم اسلامیہ پر گزرے۔ اس قول سے ان نتائج کا بھی پتہ چلتا ہے جن تک ان علوم سے بحث کرنے والے علماء موازنہ و مقابلہ کے بعد پہنچے۔ ان علماء نے علوم اسلامیہ کے اصول و قواعد میں موازنہ کیا اور ان کی دقیق و عمیق اصطلاحات کو خوب اچھی طرح سے جانچا پرکھا۔

اس قول کے قائل نے حدیث و فقہ کو ایک علم قرار دے کر بڑی ذہانت و فطانت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ درست ہے کہ فقہی فروعات اس عظیم تشریعی ورثہ سے متفرع ہوئی ہیں جن کو حدیث نبوی نے زندگی کے مختلف ابواب میں چھوڑا تھا۔ قطع نظر اس سے کہ حدیث مجملات قرآن کی توضیح کرتی ہو یا کتاب اللہ کے بعد ایک مستقل قانونی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہو۔ اس میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ حدیث و فقہ کے گہرے تعلق نے ان کو ایک دوسرے سے بہت نزدیک کر دیا ہے اور نمو و ارتقاء کے مراحل میں ان کے اندر بڑی حد تک مماثلت پیدا کر دی ہے۔ چنانچہ فقہی اصول و قواعد کو اسی وقت استحکام نصیب ہوا

---

[1] امام سیوطی رحمہ اللہ الاشباہ والنظائر فی النحو ص ۵ پر اس قول کو بدر الدین زرکشی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

Marfat.com

جب علوم حدیث کی جمع وتدوین کی خشت اول رکھی گئی۔

جب حدیث وفقہ کی داغ بیل پڑ گئی اور ان سے متعلق مباحث میں وسعت اور تنوع پیدا ہو گیا تو ان سے مختلف فکری مدارس نے جنم لیا۔ یہ مدارس کبھی اقوال و آثار کو ترجیح دیتے اور گاہے قیاس ورائے کا ساتھ دیتے۔ چنانچہ حدیث وفقہ میں خوب پختگی آئی اور ابتدائی تماثل وتشابہ کے باعث ان کے روابط اور زیادہ پختہ ہوتے چلے گئے۔ حدیث وفقہ کے مابین اتحاد و یگانت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ان کی ترقی کی رفتار یکساں تھی۔ دونوں علوم یکساں طور سے تشریع و قانون کے خادم تھے۔ تحقیق و تدقیق کی راہ ہموار کرنے میں بھی ان میں چنداں فرق نہ تھا۔ چنانچہ اگر ہم ان دونوں پر ایک نام کا اطلاق کر سکتے تو ان کے لئے ''علم الحدیث'' سے مناسب تر دوسرا کوئی نام نہیں ہو سکتا۔ یہ نام تجویز کر کے ہم اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ فقہی مسائل کی عقدہ کشائی میں حدیث کو کیا مقام حاصل ہے اگر حدیث کا علم نہ ہوتا تو علم فقہ کا ذکر بھی نہ کیا جاتا۔

اس میں شبہ نہیں کہ کثرت تصانیف کے باعث جس علم میں پختگی اور استحکام پیدا ہوا وہ ''علم الحدیث'' یا ''فقہ الحدیث'' ہے۔ دیگر علوم خواہ وہ کسی حد تک پختہ ہوں مثلاً علم نحو یا بالکل ناپختہ ہوں جیسے علم التفسیر حدیث سے متاثر ہوئے تھے۔ البتہ ان کا تاثر قوت وضعف اور عمق و وسعت کے اعتبار سے مختلف ہے۔ یہ علوم نقد حدیث کے ان پیمانوں سے متاثر ہوئے تھے جو محدثین نے وضع کیے اور جن اصول وقواعد کی انہوں نے بنا ڈالی۔ اگر ایک طرف علم الفقہ حدیث نبوی کے زیر سایہ پروان چڑھا اور پھر اس کے عظیم کل کا ایک جزو لاتجزیٰ بن کر رہ گیا تو دوسری طرف علم تفسیر نے بھی بارگاہ حدیث کا رخ کیا۔ اور اس کے دامن عاطفت میں پناہ لی۔ یہ اس وقت ہوا جب مفسرین نے کتاب خداوندی کی تاویل وتفسیر میں حدیث نبوی کا سہارا لینا شروع کیا اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ علم بھی فقہ کی طرح حدیث کا ایک جزو قرار پایا۔ یہ ٹھیک ہے کہ علم تفسیر ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے جداگانہ اصول ومناہج ہیں۔ مگر اس استقلال کے باوصف حدیث رسول کے ساتھ اس کا نہایت قریبی تعلق رہا۔ حدیث کا یہ

Marfat.com

تعلق زیادہ تر علم تفسیر کے اس گوشہ کے ساتھ ہے جو تفسیر بالاحادیث والآثار سے وابستہ ہے۔[۱]

خلاصہ کلام! مفسرین نے امکانی حد تک حدیث کے پختہ و مستحکم فن سے اخذ و احتجاج کیا اور تفسیر کے ناپختہ علم کی تکمیل میں اس سے بڑا فائدہ اٹھایا۔[۲] جس طرح فقہاء نے حدیث سے احتجاج کیا تھا۔ اسی طرح فقہاء اور مفسرین محدثین کرام کے نقش قدم پر چلنے لگے اور فقہ و تفسیر پر علم حدیث کی گہری چھاپ لگ گئی۔

علم نحو پر حدیث کے اثرات

علم نحو کے اصول و قواعد جب بذات خود ناپختہ اور غیر مستحکم تھے تو وہ علم حدیث پر کیا اثر ڈال سکتے تھے۔ جب نحو ایک دنیوی اور انسانی علم ٹھہرا تو اسے علم حدیث کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جو ایک دینی مآخذ اور اسلامی قانون کا ایک عظیم ستون ہے۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم بچشم خود دیکھتے ہیں کہ حدیث نے اصول نحو پر جو اثر کیا تھا۔ وہ اس اثر سے کسی طرح کم نہ تھا جو حدیث نے فقہ و تفسیر پر ڈالا تھا مگر جس گوشہ سے تاثیر و تاثر کے اس میدان کو ہم دیکھتے ہیں۔ وہ بالکل انوکھا اور نرالا ہے جس میں تقلید کا کوئی شائبہ موجود نہیں ہے۔

اپنی رائے کی توضیح سے قبل ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نحو کے لفظ سے ہماری مراد اس کے وہ بڑے بڑے اصول و قواعد ہیں جو اسی طرح خالص لغوی مسائل کو شامل ہیں جس طرح محض نحوی جزئیات کو۔ جب اصول نحو سے یہ جامع اور عام اصطلاح مراد لی جائے تو وہ یہی اصول ہیں جو حدیث سے متاثر ہوئے اور جنہوں نے بڑی حد تک حدیث کے اصول و مناہج کے اثرات کو قبول کیا۔

مزید برآں علم حدیث نے اپنی وسعت اور گہرائی کے باوصف اصول نحو کو دو طرح

---

[۱] دیکھئے ہماری کتاب "مباحث فی علوم القرآن"، فصل تفسیر ص ۲۸۹

[۲] علم تفسیر میں اعلیٰ درجہ کے استحکام کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لئے کہ کلام باری سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس میں لاتعداد تاویلات کا احتمال باقی رہے گا۔ اصحاب تفسیر خود اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ انہیں کلام خداوندی کے حقیقی مفہوم کا کچھ علم نہیں ہے۔

Marfat.com

سے متاثر کیا۔

1. علمی پختگی آنے سے پہلے نحو حدیث کی نشو و ارتقاء میں اس کا شریک و رفیق رہا۔
2. جب علم نحو میں کسی حد تک پختگی کے آثار نمودار ہوئے تو اس نے علم حدیث کے استحکام کو اچھی طرح سے جانچا پرکھا۔

جہاں تک پہلی وجہ کا تعلق ہے ہم اس تاثیر میں طوالت اور مبالغہ آمیزی سے کام نہیں لینا چاہتے۔ ہم گویا نگاہ تصور سے دیکھ رہے ہیں کہ اسناد حدیث کا سیدھا سادہ خیال خلفاء راشدین کے زمانہ میں پیدا ہو چکا تھا۔ اسی طرح آخری خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عصر و عہد میں نحو عربیت کے مسائل وضع کرنے کی معمولی سی داغ بیل بھی پڑ گئی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان دنوں لوگ جس روایت سے نحوی مسئلہ معلوم کرتے تھے اس کے حفظ و ضبط کا اہتمام اسی طرح کرتے تھے جس طرح شرعی مسائل سے متعلق روایات کا۔ ابوالاسود الدؤلی جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے سب سے پہلے چند نحوی مسائل ایجاد کیے تھے۔ ان مسائل کی نسبت حضرت علی کی طرف کرتا ہے۔ حضرت علی کی جانب ان مسائل کا انتساب بھی ایک طرح کی سند ہے جس سے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے کہ اخذ و روایت کی داغ بیل انہی ایام میں پڑ گئی تھی۔ اگرچہ یہ روایت دینی مسائل سے متعلق نہیں ہے۔ ابو الاسود نے جس طرح نحوی مسائل حضرت علی سے سنداً بیان کیے۔ اسی طرح بہت سے دینی مسائل بھی ان سے اخذ کیے اور بڑی وضاحت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب ان کو منسوب کیا۔[1]

روایت حدیث کے آغاز کا وقت معین کرنے میں جس دشواری کا سامنا ہوتا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مصادر حدیث کی جانب رجوع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی صحابہ کے ایک دوسرے سے روایات کے نقل و اخذ کے بارے میں جس قدر مشہور اور بکثرت اقوال و آثار منقول ہیں ان کی نفی کرنا بڑا مشکل کام ہے اس لئے کہ صحابہ صراحتہً ایک قول کی نسبت دوسرے صحابی کی طرف کرتے ہیں اور ایک قول کی تائید

---

[1] البرہان فی علوم القرآن للزرکشی ج ص ۳۷۸

Marfat.com

دوسرے بزرگ اور جلیل القدر صحابہ کے اقوال سے ہوتی ہے۔

قاریٔ کریم سابق فصل (احتجاج بالحدیث) کا مطالعہ کر کے اس حقیقت سے آشنا ہو چکا ہے کہ صحابہ باری باری آنحضور ﷺ سے علمی باتیں سننے اور ان کی نقل و روایت کے سلسلہ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ قاری اس بات سے بھی اچھی طرح آگاہ ہو چکا ہے کہ عصر نبوت میں لوگ ایک دوسرے سے روایت کرتے تھے ہم سمجھتے ہیں کہ سابقہ بیانات کے بعد اب اس بات کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں کہ روایت اور اسانید کے بارے میں مزید کچھ کہا جائے۔ سابقہ تصریحات کے مطالعہ کے بعد صحابہ و تابعین کے ان روایات کو دوسروں کی جانب منسوب کرنے اور ان کو دوسروں تک پہنچانے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اسناد کے ساتھ روایت کرنے میں صحابہ کی اولیت

جب ہم بعض روایات میں دیکھتے ہیں کہ تابعین میں سے کئی بزرگ ...... مثلاً قتادہ بن دعامہ سدوسی...... حدیث کی سند ذکر نہیں کرتے تھے تو یہ روایات بذات خود اس بات کی زندہ گواہ ہیں کہ اکثر تابعین مختلف بلاد و امصار میں سند کے ساتھ احادیث روایت کرتے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو قتادہ یا کسی اور تابعی کو ایک عام حکم سے جو ہر جگہ پایا جاتا تھا مستثنیٰ کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں۔

طبقات الکبریٰ[1] میں حماد بن سلمہ کا قول مذکور ہے کہ ہم قتادہ کے یہاں آئے تو وہ کہتے "ہم کو نبی کریم ﷺ سے فلاں بات پہنچی اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے فلاں بات سنی" مگر اس کی سند ذکر نہیں کرتے تھے۔ جب حماد بن ابی سلیمان بصرہ آئے اور انہوں نے سنداً حدیثیں روایت کرنا شروع کر دیں کہ مجھے ابراہیم نے بتایا اور اس نے فلاں سے سنا علیٰ ہذا القیاس اور قتادہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے کہنا شروع کیا۔ "میں نے مطرف سے پوچھا میں نے سعید بن مسیب سے دریافت کیا اور مجھے انس بن مالک نے بتایا" غرض یہ کہ اس طرح سنداً بیان کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

---

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۷ ص ۲

Marfat.com

اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قتادہ نے اسناد کا سلسلہ اس وقت شروع کیا جب اسے پتہ چلا کہ حماد بصرہ آئے اور وہ سنداً حدیثوں کی روایت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حماد کے علاوہ دیگر تابعین بھی مختلف بلاد و امصار میں سنداً حدیثیں روایت کرتے تھے۔ دلیل سے یہی ثابت ہے اور اس لئے یہ ایک قابل تسلیم حجت ہے۔

حق بات یہ ہے کہ ذکر اسناد کے لئے کسی محرک کی ضرورت تھی یا اس بات کی حاجت تھی کہ کوئی شخص سند کے بارے میں سوال کرتا۔ ظاہر ہے کہ عہد رسالت اور صحابہ اولین کے زمانہ میں ایسی تحریک کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے کہ سب ایک دوسرے پر اعتماد کرتے تھے اور کسی کو بھی متہم نہیں کیا جاتا تھا۔ ۴۰ھ حدیث نبوی کے کذب و وضع کی آلودگی سے پاک ہونے کا آخری سال تھا۔ اس کے بعد حدیثوں میں اختلاط کا آغاز ہو گیا اور ان کو سیاسی اغراض اور گروہی تعصبات کی حمایت کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ جب حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلاف نے جنگ و پیکار کی صورت اختیار کر لی اور ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں تو لوگوں نے اس فتنہ کے بعد سند کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیا۔ اگر راوی اہل السنّت میں سے ہوتا تو اس کی روایت قبول کرتے اور اگر اہل البدعت میں سے ہوتا تو اس کی روایت کو ترک کر دیتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس فتنہ نے نفوس انسانی میں جو اثرات قبیحہ باقی چھوڑے تھے وہ ایک طبعی محرک کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ محرک ہر فریق کو اپنی مدح و فضیلت میں حدیثیں گھڑنے پر اکساتا۔ حتیٰ کہ مشہور شیعہ ادیب ابن ابی الحدید کو یہ کہنا پڑا کہ:

> ”خوب جان لیجئے کہ فضیلت سے متعلق احادیث میں کذب کا آغاز شیعہ کی جانب سے ہوا۔“[1]

اس ضمن میں اہم بات یہ ہے کہ روایت مع الاسناد کا آغاز سب سے پہلے حدیث نبوی کی نقل و روایت میں ہوا ہے اس لئے کہ فقہی اور قانونی مسائل کی توجیہہ میں حدیث کو بڑی اہمیت حاصل ہے صدر اسلام میں جو لوگ دین کے علاوہ دیگر امور و احکام کو سنداً

---

[1] شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۳۴

Marfat.com

روایت کرنے کے خوگر تھے۔ انہوں نے اپنے نقل کردہ مسائل کو ایسے الفاظ میں نقل کر دیا جو اصحاب کی نسبت زہد و تقویٰ سے موصوف لوگوں سے قریب تر تھے بنا بریں جن لوگوں نے نحوی مسائل کی طرح ڈالی تھی اور جن کو اس ضمن میں اولین موسس شمار کیا جاتا ہے ان صحابہ و تابعین سے زیادہ مختلف اور انوکھے نہ تھے جنہوں نے اخبار و آثار کی نقل و اخذ میں مقدور بھر حصہ لیا تھا اس لئے کہ یہ لوگ اخبار و آثار بمعنی عام اور احادیث نبویہ کی نقل و روایت کرنے والوں کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں دیکھتے تھے۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث نبوی نے اصول نحو پر اس وقت جو فطری اور طبعی اثر ڈالا تھا۔ جب مسلمانوں نے پہلے پہل نحو کے قوانین وضع کیے وہ حدیث کے ابتدائی دور کا اثر تھا جب اس میں ابھی تک پختگی نہیں آئی تھی۔ لہٰذا ہمیں اس کے غایات و مقاصد میں طول کلامی اور مبالغہ آمیزی کی حاجت نہیں ہے۔

دوسری صدی ہجری میں جب فن حدیث میں پختگی اور استحکام کے آثار نمودار ہوئے اور تیسری صدی ہجری میں جب اس نے ایک مکمل فن کی شکل اختیار کر لی تو ہم حدیث کے اصول نحو اور دیگر علوم پر اثر انداز ہونے میں کتنا بھی مبالغہ کریں پھر بھی ہم علم حدیث کی مدح و ستائش کا حق ادا کرنے سے قاصر رہیں گے۔ اسلام میں جو بھی فکری انقلاب بپا ہوا وہ علم حدیث سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ خواہ یہ تاثر ان وصیتوں حکمتوں یا ان تعلیمات کے نتیجہ میں ہو جو نبوت کے ورثہ میں ہمیں ملیں۔ یا حدیث کے طریق ادا و تحمل شروط روایت و رواۃ معیار نقد و جرح اسلوب تصنیف و تخریج اور مقیاس موازنہ و ترجیح کے زیر اثر' یہ جملہ امور نحو کے شواہد پر اثر انداز ہوئے۔ اور لغوی مباحث پر چھا گئے۔ علاوہ ازیں ادبی واقعات بھی ان کی تاثیر سے نہ بچ سکے اور روایت و اسناد کے طریقہ سے ان کی زوردار آواز نے ان کو متاثر کر کے چھوڑا۔

ادبی علوم پر اسانید محدثین کے اثرات

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صرف و نحو ہو یا لغت کے مسائل یہ سب ادبی علوم

Marfat.com

کی شاخیں ہیں۔ اس لئے امام رعینی[1] کے قول کے مطابق ان پر استشہاد صرف عربوں کے اصلی کلام ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ متقدمین اور فصیح و بلیغ عربوں کے کلام سے واقفیت صرف روایت صحیحہ اور سند متصل ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔

علماء کا اس بات پر اجماع ہے..... اور یہ اجماع درست بھی ہے..... کہ عربی لغت میں مولدین و متاخرین کا کلام سند کی حیثیت نہیں رکھتا اس اجماع کی راہ سے علماء نے علوم عربیہ کی جانب ایسی لاتعداد روایات کو شامل کر دیا ہے جن میں ایسے جاہلی شعراء کا کلام بھی ہے جنہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔[2] اور مخضرمین (وہ شعراء جنہوں نے جاہلیت و اسلام دونوں زمانے پائے ہوں) شعراء کا بھی۔ اس میں ان اسلامی شعراء کے اشعار بھی شامل ہیں جنہوں نے جاہلیت کا زمانہ نہیں پایا[3] کیا کسی ادیب کے لئے ممکن تھا کہ محدثین کے طریق سند و روایت سے تھوڑا بہت متاثر ہوئے بغیر یہ شواہد نقل کر سکتا؟

دور حاضر کے بعض محققین اس موقع پر گردن اٹھا کر ہمیں کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بخلاف ازیں حدیث کی روایت شعر اور جاہلی شعراء کے واقعات کی روایت سے متاثر ہوئی ہے صحابہ میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے بعض جاہلی شعراء کے اشعار کو اخذ وضبط کرنے کی تلقین کی تھی۔ جب فرات بن زید اللیثی نے اپنے بھائی کا شعر استشہاداً پڑھا تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ تمہارے بھائی قسامہ بن زید کا شعر ہے اس نے مجھے پڑھ کر سنایا اور میں نے یاد کر لیا۔''[4]

---

1. رعینی اندلسی آٹھویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں' رُعینی لکھتے ہیں۔
''ادبی علوم چھ ہیں لغت' نحو' صرف' معانی' بیان اور بدیع۔ پہلے تین علوم کے سلسلہ میں صرف متقدمین کے کلام سے استشہاد کیا جاسکتا ہے البتہ آخری تینوں علوم میں متاخرین کا کلام بھی سند ہے اس لئے کہ ان علوم کا تعلق زیادہ تر معانی کے ساتھ ہے الفاظ کے ساتھ نہیں'' [خزانۃ الادب للبغدادی ج ا ص ۲۰]
2. الاقتراح للسیوطی ص ۱۳
3. اسلامی شعراء کے کلام سے صرف علمائے محققین کا ایک طبقہ احتجاج کرتا ہے [خزانۃ الادب ج ص ۲۰]
4. الاصابہ لابن حجر۔ ج ۵ ص ۲۱۶

Marfat.com

میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ عصر حاضر کے بعض لکھنے والے ایسے واقعات سے...... بشرطیکہ وہ صحیح ہوں...... انکار کس لئے کرتے ہیں؟ شاید اس لئے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دور جاہلیت کے لوگ شعراء کے اخبار و اشعار سند کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔[1] حالانکہ اس میں وہ بات نظر نہیں آتی جو اسلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں میں پیدا کر دی تھی کہ ورع و تقویٰ اور امانت و دیانت کے پیش نظر ہر قول کو اس کے قائل کی جانب منسوب کرنا چاہیے۔

یہ تھوڑے سے شواہد جو اس ضمن میں نقل کیے گئے ہیں اگر ان کو اس بات کی دلیل ٹھہرایا جائے کہ اسناد کی روح جاہلی دور کے لوگوں میں سرایت کر چکی تھی تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا فن حدیث میں پختگی آنے کے بعد بھی ان شواہد کو اسی سادگی کے ساتھ نقل و روایت کیا جاتا تھا جس طرح اسلام سے پہلے یا خلفاء راشدین کے عصر و عہد میں؟ بلکہ اگر ان شواہد کی کثرت بھی تسلیم کر لی جائے ...... حالانکہ ان کی تعداد بے حد قلیل ہے...... تو بھی ان کا مقصد ثابت نہیں ہوتا۔

جب علوم الحدیث کا چرچا ہوا۔ حدیث کی بڑی بڑی اصطلاحات وضع کی گئیں اور یہ قواعد و ضوابط لوگوں میں پھیل گئے تو راویوں نے تمام پڑھنے پڑھانے والی چیزوں کو وہ اخبار و اشعار ہوں یا واقعات و سیر، اسانید متصلہ کے ساتھ روایت کرنا شروع کر دیا تاہم روایت حدیث میں جس ورع و تقویٰ اور حزم و احتیاط کو ملحوظ رکھا جاتا تھا دوسری روایات میں اس کا وجود عنقا تھا۔

ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس کے پیش نظر تصنیف علوم کے زمانہ میں علماء نے روایت حدیث میں اسناد متصل کی پابندی شروع کر دی۔ یا یوں کہیے کہ دینی روایات کے سلسلہ میں اسناد کی تمام کڑیاں ملانے کی فکر انہیں بہت زیادہ دامن گیر رہنے

---

[1] چنانچہ ہمارے مکرم دوست ڈاکٹر ناصر الدین الاسد نے اس روایت پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ روایت کا طریقہ ہر زمانہ اور ہر قوم میں فطری ہے جب لکھنے پڑھنے کا آغاز ہوا اس وقت بھی یہی حالت تھی۔ بخلاف ازیں روایت حدیث کا چرچا عربوں میں اسلام کے بعد ہوا۔ [مصادر الشعر الجاہلی ص ۲۵۶]

Marfat.com

لگی۔ پھر یہ نتیجہ نکالنا بھی ہم پر فرض ہے کہ یہی لوگ نحو ولغت کے شواہد کی بنیاد پر اشعار روایت کرتے تھے۔ البتہ اشعار وشواہد کی روایت میں زیادہ تشدد سے کام نہیں لیا جاتا تھا تاہم ان میں سہل انگاری نہیں پائی جاتی تھی جو دور جاہلیت کی خصوصیت تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ نقاد حدیث نے ان پر اتنا گہرا اثر ڈالا تھا کہ وہ کسی طرح زائل نہیں ہوسکتا تھا۔

Marfat.com

فصل : ۴

لغت ونحو پر حدیث سے احتجاج

روایت حدیث سے ائمہ کا احتراز

امام اصمعی جیسے لوگ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے۔ اس کی حد یہ ہے کہ موصوف سے صرف چند مرفوع احادیث مروی ہیں[1] دراصل آنحضور ﷺ پر افتراء پردازی کا خوف علماء کو پچھلے ادوار میں اسی طرح روایت حدیث سے باز رکھتا تھا جس طرح آغاز اسلام کے علماء کو۔ اس لئے ورع وتقویٰ اور حزم واحتیاط کی بنا پر انہوں نے سلامتی کا راستہ اختیار کیا۔ یہ درست ہے کہ روایت شعر کی راہ روایت حدیث کی نسبت پُرامن ہے اور اس میں اتنا خطرہ درپیش نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ امانت و دیانت کی ضرورت روایت شعر میں بھی ہے۔

شعبہ بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث تھے اور ہمیشہ روایت حدیث میں مشغول رہا کرتے تھے۔ بعض اوقات وہ وقت گزاری کے لئے اشعار بھی پڑھا کرتے تھے ایک دن شعبہ نے سعید بن اوس ابو زید کو بہت سے اشعار سنائے۔ بعض اصحاب الحدیث نے ازراہ تعجب شعبہ سے کہا ''اے ابو بسطام ہم حدیث رسول سننے کے لئے اونٹوں کی جان مار کر آپ کے یہاں پہنچتے ہیں اور آپ ہمیں شعر سنانے لگتے ہیں'' شعبہ ناراض ہو کر بولے ''میں جانتا ہوں کہ میرے حق میں کون سی چیز بہتر ہے۔ خدا کی قسم حدیثیں روایت کرنے کی نسبت اشعار کے نقل کرنے میں میری لئے زیادہ امن وسلامتی ہے۔''[2]

شعر خوانی میں روایت حدیث کی نسبت امن واطمینان کی وجہ یہ ہے کہ حدیث

---

[1] دیکھئے مراتب النحویین لابی الطیب اللغوی۔ ص ۴۷۔ بحوالہ مصادر الشعر الجاہلی۔ ص ۲۶۰

[2] الطبقات الکبریٰ۔ ج ۷۔ ص ۲۔ ۳۸۔ نیز نزہۃ الاولیاء۔ ص ۸۹۔ ۹۰

Marfat.com

روایت کرتے وقت وصف تحدیث (حدیث بیانی) کا غلبہ ہوتا ہے جو تحقیق و تدقیق کا متقاضی ہے چنانچہ رواۃ حدیث متن حدیث کا اتنا ہی اہتمام کرتے ہیں جتنا سند کا۔ یہ درست ہے کہ روایت اشعار میں بھی دقت نظر اور حزم و احتیاط کو ترجیح دیتے ہیں تاہم ان میں وہ احساس و شعور بیدار نہیں ہوتا جو حدیث کے لئے ناگزیر ہے۔ اشعار میں صاف دروغ گوئی نہیں ہوتی۔ البتہ اشارہ کنایہ سے کام چلایا جاتا ہے۔ مشہور صحابی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ جب بصرہ آئے اور وہاں حدیثیں سنانے کے بجائے کثرت سے اشعار پڑھنے لگے تو موصوف نے قسم کھا کر کہا کہ "اگر میں چاہوں تو دو دن لگاتار حدیثیں بیان کرتا رہوں۔"[1]

لغت ونحو پر حدیث سے احتجاج

مذکورہ صدر بیانات کے پیش نظر ہماری حیرانی کی حد نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ متقدمین علمائے نحو اشعار سے احتجاج کرتے اور احادیث کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔ ہماری دہشت و حیرت میں مزید اضافہ ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء نحو سرچشمہ کو چھوڑ کر چھوٹی چھوٹی نالیوں کی طرف لپکتے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ تاریخی واقعات کی نقل و روایت کرنے والے سب جھوٹے یا وضاع تھے۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ روایت اشعار میں وہ سہل انگاری کا ثبوت دیتے تھے بخلاف ازیں ہمارا خیال ہے کہ جملہ روایات میں وہ اپنی استطاعت کی حد تک حزم و احتیاط اور صداقت و ذیانت سے کام لیتے تھے تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلمہ ہے کہ جب وہ کسی مسند روایت کو مرسلاً یا مرسل کو مسنداً یا موصول کو منقطعاً یا منقطع کو موصولاً روایت کرتے یا ایک روایت کو دوسری میں مدغم کر دیتے تھے تو ان میں محدثین کا سا حزم و احتیاط نہیں پایا جاتا تھا۔ اور اس ضمن میں ان کا عذر بجا ہے۔ وہ عذر یہ ہے کہ انہوں نے ادبی واقعات کے شواہد نحو و لغت ان لوگوں سے اخذ کیے تھے جنہوں نے بذات خود عصر جاہلی کو نہیں پایا تھا۔ اس لئے اگر سند کی کوئی کڑی یا زیادہ کڑیاں درمیان سے گر

---

1. الطبقات الکبریٰ۔ ج ۴۔ ص ۲۶

Marfat.com

جائیں تو وہ اس خلا کو کسی اور شخص سے بھر دیتے تھے جو سند سے ساقط ہونے والے شخص کا معاصر ہوتا تھا۔ اور اس طرح سند میں جو جگہ خالی ہوتی تھی اس میں یہ پیوند لگا دیتے تھے تاکہ اس میں انقطاع نہ رہے۔

ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ اشعار کے راوی وضاع اور سہل انگاری کے خوگر تھے یا دانستہ ملمع سازی اور فریب دہی سے کام لیتے تھے بخلاف ازیں وہ بڑی حد تک محدثین کے شیوہ حدیث بیانی سے متاثر ہو چکے تھے۔ ان کا روایت حدیث سے فرار اختیار کرنا ہی اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ وہ اصطلاحات محدثین سے خاصے متاثر ہوئے تھے احتیاط کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ بے رحم معلم کے ڈنڈے اور اس کی حد سے بڑھی ہوئی سنجیدہ شکل و صورت سے بھی ہراساں رہتے تھے۔ اس دور کا معلم اس بات کا خواہاں ہوتا تھا کہ اس کے سب تلامذہ خواہ دنیوی امور و مسائل کے راوی ہوں یا اخروی احکام کے سب سے زیادہ راست گفتار خندہ جبیں اور پیکر اخلاص ہوں۔

ہم بار دیگر متقدمین علماء نحو کے رویہ پر اظہار حیرت کرتے ہیں کہ انہوں نے احتجاج کرتے وقت اور شواہد کی طلب و تلاش میں حدیث نبوی کو کس لئے نظر انداز کر دیا؟ حالانکہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ مشافہہ اور اسناد کے بارے میں محدثین کی شرائط ان کے لئے صحیح ترین اخبار و واقعات کی ضمانت ہیں۔ بعض معاصر محققین نے اس کی بڑی عمدہ توضیح کی ہے۔ معاصر موصوف لکھتا ہے۔

> ''حدیث نبوی سے کما حقہ اس لئے احتجاج نہ کیا گیا کہ قدیم علماء نحو و لغت اس ثقافت کی جانب چل پڑے تھے جو اشعار کے راوی ان کے لئے فراہم کرتے تھے۔ یہ انہماک اتنا گہرا تھا کہ اس نے علماء کی تمام مساعی کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا اس لئے ان کے یہاں حدیث کی روایت و درایت کی سرے سے گنجائش ہی نہ تھی۔ مگر ان علماء نے حدیث سے احتجاج نہ کرنے کے جو بہانے پیش کئے ہیں وہ سب عذرات لنگ ہیں اور لطف یہ ہے کہ وہ اعتراضات شعر و نثر سے احتجاج کرنے پر بھی وارد ہوتے ہیں۔''[1]

---

[1] فی اصول النحو از سعید الافغانی ص ۱۴۱

Marfat.com

حدیث سے احتجاج نہ کرنے کے وجوہ

حدیث سے احتجاج نہ کرنے والے سب سے بڑا عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ وہ اس بات پر اعتماد نہیں کرتے کہ سب کی سب احادیث افصح العرب (والعجم) نبی کریم ﷺ کی فرمودہ ہیں۔ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حدیث سے ترک احتجاج کی وجہ اس امر پر عدم وثوق ہے کہ یہ آنحضور ﷺ کے الفاظ ہیں اگر علماء نحو الفاظ حدیث کو آنحضور ﷺ کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے خیال کرتے تو وہ قرآن کی طرح ان سے قواعد کلیہ بناتے[1] ابوحیان مانعین احتجاج کے موقف کو دو امور پر مبنی قرار دیتے ہیں۔

1. رواۃ حدیث ایک ہی واقعہ کو مختلف الفاظ میں بیان کرتے ہیں حالانکہ وہ سب الفاظ آنحضور ﷺ کے نہیں ہوتے بلکہ راویان حدیث اپنے الفاظ میں آپ کا مقصد بیان کر دیتے ہیں اور آپ کے اصلی فصیح الفاظ نقل نہیں کرتے۔[2]
2. دوسری وجہ یہ ہے کہ روایت کردہ احادیث میں اعراب کی غلطیاں کثرت سے پائی جاتی ہیں اس لئے کہ اکثر راویان حدیث عربی نہ تھے وہ نحوی قواعد کے مطابق عربی زبان لکھنے بولنے سے قاصر تھے اس لئے نادانستہ طور پر ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں۔[3]

مانعین احتجاج کی تردید

حق بات یہ ہے کہ روایت بالمعنی مجوزین کے نزدیک چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے جو صرف ان صحابہ تابعین اور کبار ائمہ فقہاء اور راویان حدیث میں پائے جاتے تھے

---

1. الاقتراح للسیوطی ص ۱۹ نیز کشف الظنون ص ۴۰۵۔۴۰۷
2. ابوحیان اس کی مثال میں حدیث "زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" پیش کرتے ہیں۔ دوسری روایت میں "مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ" تیسری میں "خُذْهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" اور چوتھی میں "اَمْكَنَّاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" ہے
3. الاقتراح ص ۲۱

Marfat.com

عربی جن کی مادری زبان تھی اگر ان میں سے کوئی عربی النسل شخص ایک لفظ کو دوسرے مترادف لفظ میں تبدیل کر دے تو نحویوں کا فرض ہو گا کہ وہ اس کو دوسرے عربی الفاظ کے مقابلہ میں ترجیح دیں کیونکہ اس کے بولنے والے کا فصیح و بلیغ عربی ماحول میں پروان چڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو بلاشک وشبہ قبول کر لیا جائے۔ اسی لئے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی کی شان میں فرماتے ہیں کہ:

''شافعی رحمہ اللہ کا کلام لغت میں حجت ہے۔''[1]

مذکورہ صدر بیان اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ سلف صالحین روایت بالمعنی کیا کرتے تھے۔ نیز یہ کہ وہ احادیث مرفوعہ وغیر مرفوعہ میں سہل انگاری سے بھی کام لیا کرتے تھے مزید برآں یہ اس مفروضہ پر بھی مبنی ہے کہ حدیث کی روایت و تدوین کے زمانہ میں روایت بالمعنی کے جواز پر سب کا اجماع ہو گیا تھا۔

مگر ان مفروضات میں سے کوئی درست نہیں ہے یہ حقیقت ہے کہ اولین صحابہ روایت باللفظ میں تشدد سے کام لیتے تھے حتیٰ کہ وہ واؤ اور خاء کی تبدیلی کو بھی ناپسند کرتے تھے بقول اعمش وہ ''آسمان سے گر پڑنے کو پسند کرتے تھے مگر حدیث کے الفاظ میں واؤ یا الف یا دال کی تبدیلی انہیں گوارا نہ تھی۔''[2] ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ حدیث کا راوی جب دو لفظوں میں متردد ہوتا تو وہ دونوں الفاظ بیان کر دیتا تاکہ اس کی زبان سے کوئی ایسا لفظ صادر نہ ہو جائے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہ فرمایا ہو۔

بعض ائمہ[3] حدیث مرفوع کی روایت بالمعنی کرنے میں سختی سے کام لیتے تھے البتہ

---

1. حوالہ مذکور ص ۲۴

2. الکفایہ ص ۱۷۸

3. مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''الثلث و الثلث کثیر'' یا ''کبیر'' کے الفاظ فرمائے۔ راوی کو شبہ ہے کہ آپ نے ''کثیر'' فرمایا یا ''کبیر'' (دلیل الفالحین۔ ج ا۔ ص ۴۶) اسی طرح ابو مالک حارث بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا ''الطهور شطر الايمان و سبحان الله و الحمد لله تملان او تملا ما بين السموات والارض'' راوی کو شبہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تملان'' بصیغہ تثنیہ فرمایا یا ''تملا'' بصیغہ واحد۔ اس لئے راوی نے احتیاطاً دونوں لفظ ذکر کر دیئے۔ [دلیل الفالحین۔ ج ا۔ ص ۱۳۰]

Marfat.com

اقوال صحابہ وتابعین میں وہ چنداں محتاط نہ تھے ان کا زاویہ نگاہ یہ تھا کہ جو حدیث قانونی اہمیت رکھتی ہو اس میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔[1] ہم دیکھ چکے ہیں کہ بعض علماء محققین صحابہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو روایت بالمعنی کی اجازت نہیں دیتے تھے اگرچہ وہ لفظ کو تبدیل کرتے وقت آنحضور ﷺ کے اصلی مفہوم کو ادا بھی کر دیں وہ اس کی دلیل یہ دیتے تھے کہ اگر ہر کس و ناکس کے لئے روایت بالمعنی کا دروازہ کھول دیا جائے تو حدیث نبوی سے اعتماد اٹھ جائے۔[2]

اس میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ اس تشدد کے بعد روایت بالمعنی کا رواج بہت گھٹ گیا بلکہ اس کا وقوع شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ اور وہ بھی صرف ان محدثین کے دائرہ کے اندر محصور و محدود تھا جو صرف ونحو کے عالم ہوں الفاظ کے مدلولات و مقاصد سے آگاہ ہوں اور صحت اعراب کے ساتھ حدیث کے الفاظ نقل کرنے کی قدرت سے بہرہ ور ہوں۔ اس لئے کہ نبی ﷺ اعراب کی غلطیوں سے پاک تھے جس راوی نے آپ سے کوئی ایسی روایت بیان کی جو نحوی اغلاط کا پلندہ ہو اس نے جھوٹ بولا اور اپنا گھر دوزخ میں بنا لیا۔[3]

بہت سی احادیث جن میں اعرابی اغلاط سے ملتے جلتے بعض لفظی نقائص پائے جاتے ہیں اس امر کی آئینہ داری کرتی ہیں کہ راویان حدیث تحمل و نقل حدیث میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے۔ بعض راویوں کا یہ عالم تھا کہ اگر استاد سے کوئی غلط لفظ سنتے تو اسی طرح اس کو دوسروں تک پہنچا دیتے بشرطیکہ معنی و مفہوم میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہ ہوتی ہو۔[4] یہاں تک کہ محققین کو کہنا پڑا کہ حدیث کے الفاظ اگر نحوی اعتبار سے غلط ہوں تو ان کو درست کر دینا چاہیے۔[5]

---

[1] جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے المدخل میں امام مالک سے نقل کیا ہے۔ نیز الباعث الحثیث ص ۱۵۸

[2] ہم قبل ازیں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔

[3] اختصار علوم الحدیث لابن کثیر ص ۱۶۲

[4] الکفایہ ص ۱۸۶۔ بروایت محمد بن سیرین

[5] الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب ج ۶۔ ص ۱۰۳

Marfat.com

حسن بن علی حلوانی فرماتے ہیں:

"عفان سے روایت کردہ میری کتاب میں اگر اعراب کی کوئی غلطی پاؤ تو اسے درست کر دو کیونکہ عفان غلطی نہیں کرتے تھے۔" عفان نے کہا "حماد سے روایت کردہ میری کتاب میں جو غلطی پاؤ اسے ٹھیک کر دو کیونکہ حماد غلطی نہیں کرتے تھے۔" حماد فرمایا کرتے تھے "جو کتاب میں نے قتادہ سے روایت کی ہے اگر اس میں غلطی پاؤ تو اسے درست کر دو کیونکہ قتادہ غلطی نہیں کیا کرتے تھے۔"[1]

خلاصہ مباحث سابقہ

محدثین نے حدیث نبوی کے متن و سند کو جانچنے پرکھنے کے لئے جو پیمانے وضع کیے تھے اور اس ضمن میں جس باریک بینی اور عرق ریزی کا ثبوت دیا تھا وہ اس بات کی زندہ دلیل ہے کہ اہل لغت ونحو نے حدیث سے احتجاج نہ کر کے سخت غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ مزید براں ان کا یہ بہانہ "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا مصداق ہے کہ حدیث نبوی کے الفاظ کے بارے میں وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آنحضور ﷺ سے منقول ہیں۔ حالانکہ حدیث سے احتجاج کرنے اور نہ کرنے والے دونوں اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ حدیث کے الفاظ میں جو حفظ وضبط اور باریک بینی پائی جاتی ہے وہ اس عربی کلام میں مفقود ہے جس سے لغوی اور نحوی لوگ احتجاج کرتے ہیں۔[2]

الفاظ حدیث سے ترک احتجاج کے سلسلہ میں عدم وثوق کا عذر تو صحیح نہیں ہے البتہ یہ بات درست ہے کہ روایت حدیث کی ندرت[3] اور قلت تصانیف کے باعث قدیم اہل لغت ونحو نے حدیث کو چھوڑ کر دوسرے مآخذ و مصادر سے احتجاج کرنے میں

---

۱ دیکھئے کتاب (الف۔ باء) للبلوی ج ۱۔ ص ۴۴

۲ فی اصول النحو ص ۴۷

۳ اصول النحو از سعید افغانی

Marfat.com

بہتری سمجھی۔[1] اس لئے قدیم نحویوں کی طرف حدیث سے عدم احتجاج کی جو روایت منسوب ہے ہم اس توجیہ کی روشنی میں اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل نحویوں کے اسماء قابل ذکر ہیں:

بصری علماء

❶ ابوعمرو بن العلاء ❷ عیسیٰ بن عمر ❸ خلیل ❹ سیبویہ

کوفی علماء[2]

❺ کسائی ❻ الفراء ❼ علی بن مبارک الاحمر ❽ ہشام الضریر

علاوہ ازیں اس توجیہ سے یہ راز بھی منکشف ہوتا ہے کہ متاخرین اہل لغت نے جو فصیح ترین الفاظ پر مشتمل عربی ڈکشنریاں مرتب کی تھیں اور جن کے ساتھ ان کی شرح اور شواہد بھی شامل تھے کس بناء پر احادیث نبویہ سے لغت پر احتجاج کیا۔ مثلاً مندرجہ ذیل لغات:

❶ تہذیب از الازہری

❷ صحاح جوہری

❸ مقاییس ابن فارس

❹ فائق زمخشری

اسی طرح بڑے بڑے نحویوں...... مثلاً ابن خروف' ابن جنی' ابن بری اور سہیلی نے بھی احتجاج کیا تھا۔ چنانچہ ان کے ہم نوا ابن الطیب رقم طراز ہیں:

"احتجاج بالحدیث کے ضمن میں شیخ ابوحیان متوفی ۷۴۵ھ در شرح تسہیل ابوالحسن الضائع متوفی ۶۸۰ھ در شرح الجمل اور سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کے سوا اور کسی نے مخالفت نہیں کی۔ بقول علامہ سعید افغانی جن متقدمین اہل لغت نے

---

[1] حوالہ مذکور ص ۴۵

[2] الاقتراح۔ ص ۴۱

Marfat.com

حدیث نبوی سے احتجاج نہیں کیا تھا اگر وہ پچھلے ادوار دیکھتے۔ جب کہ روایت و درایت حدیث کے سلسلہ میں علماء کی مساعی ثمر آور ہو گئی تھیں تو وہ قرآن کریم کے بعد بالضرور حدیث نبوی سے احتجاج کرتے۔ مزیں برآں وہ ان اشعار و اخبار کو ہرگز لائق التفات نہ سمجھتے جو فن حدیث کو جانچنے پرکھنے والے پیمانوں کے مقابلہ میں شکوک وشبہات کا گہوارا ہیں۔"[1]

ہمارے خیال میں احتجاج بالحدیث کے جھگڑے کا منطقی اور مبنی بر عدل و انصاف حل یہ ہے کہ اس کے لئے ایک درست اور پاک از خطاء معیار مقرر کر دیا جائے وہ معیار یہ ہے کہ جو کلام فصاحت و بلاغت کے معیار پر پورا اترتا ہو اور ہر طرح کے لسانی فساد سے پاک ہو اس سے احتجاج کرنا چاہئے (خواہ اس کا متکلم کوئی بھی ہو) نظر بریں جب حدیث میں وارد شدہ عبارت لسانی قواعد پر پوری نہ اترتی ہو۔ اس میں عجمیت کی آمیزش ہو اور اس کے الفاظ رکاکت کے آئینہ دار ہوں تو وہ ناقابل احتجاج ہو گی۔

اگر قدیم لغوی اس معیار و مدار سے آشنا ہوتے تو یہ معیار اس قابل تھا کہ وہ لغت ونحو کے اصول وقواعد کی عمارت اس کے مضبوط و مستحکم ستونوں پر استوار کرتے اور اس کا ثمرہ انہیں نحو کی زبردست پیداوار کی صورت میں ملتا۔ جس طرح متاخرین علماء و ائمہ نحو میں سے ابن مالک اور ابن ہشام نے اس فن کا لازوال اور قابل قدر علمی ذخیرہ باقی چھوڑا ہے۔

---

[1] اصول النحو ص ۴۹

Marfat.com

باب : ۵

طبقات الرواۃ

Marfat.com

فصل : ۱

ابن سعد اور طبقات کا طرز تصنیف

تمہید

حدیث نبوی کی جمع و تدوین' اس کی طلب میں سیر و سیاحت اور تصنیف کتب ابتدائی اسلامی عربی تہذیب و ثقافت کے لئے اولین اساس کی حیثیت رکھتی ہے' وہ تمام علوم جن کا مدار و انحصار نقل و روایت اور اسناد پر ہے حدیث نبوی ہی سے ظہور پذیر ہوئے۔ مثلاً سیرت و تاریخ مغازی و فتوح تراجم و طبقات یہاں تک کہ تفسیر قرآن اور قرأت سے متعلق علوم حدیث نبوی ہی سے پھوٹے اور ترقی پذیر ہوئے۔ ابتداءً یہ سب علوم حدیث میں اس لئے شامل تھے کہ ان سب کو رواۃ و حفاظ کے حافظہ میں جگہ ملی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ جزوی علوم اپنے نام اور موضوعات کے اعتبار سے حدیث سے الگ ہوتے چلے گئے اور بعد میں ہر ایک نے ایک مستقل علم کی حیثیت اختیار کر لی۔

طبقات رواۃ سے متعلق تصانیف حدیث نبوی سے متفرع ہونے والی اولین اسلامی ثقافت کی ایک نوع ہیں ان کے ذریعہ رواۃ حدیث کے احوال و سوانح اور مختلف ادوار و طبقات سے روشناس ہوتے ہیں۔[1] اس فصل میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ طبقات سے آگاہی حاصل کرنا کس حد تک ضروری ہے؟ نیز یہ کہ طبقات کے بنیادی مآخذ و مصادر کیا ہیں اور کن لوگوں نے تاریخ کی اس خاص تنقیدی قسم میں دلچسپی لی اور اس پر کام کرنے کا شرف حاصل کیا ہے؟

طبقات کا ذکر آتے ہی طبقات ابن سعد کا تصور ذہن میں گردش کرنے لگتا ہے اس لئے کہ طبقات ابن سعد اس فن کی جلیل القدر کتاب ہے[2] ہم اس کتاب

۱۔ الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۰۴ ۲۔ مختصر علوم الحدیث ص ۳۰۲

Marfat.com

کا تجزیہ کر کے قارئین کو اس کی حقیقت سے روشناس کرانا چاہتے ہیں نیز یہ کہ طبقات کے مصنفین کے طرق و مناہج کیا تھے۔ پہلے مختصراً ہم صاحب طبقات کا تعارف کراتے ہیں۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سیر و سوانح

ان کا نام ونسب محمد بن سعد بن منیع زہری ہے کیونکہ آپ بنو زہرہ کے موالی میں سے تھے ان کو ہاشمی بھی کہا جاتا ہے ان کے دادا حسین بن عبداللہ بن عبید اللہ بن عباس ہاشمی کے مولیٰ تھے۔ ۱۶۹ھ میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے۔ اس لئے آپ کو بصری بھی کہا جاتا ہے۔ طلب علم میں مدینہ کوفہ اور بغداد کی سیاحت کی۔ جانب مدینہ ان کے سفر کا زمانہ ۲۰۰ھ سے پہلے کا ہے۔ اس لئے کہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۹ھ میں مدینہ کے بعض شیوخ سے استفادہ کیا تھا۔ یہ مدینہ کے مشہور رواۃ حدیث سے بھی ملے تھے۔ اس لئے کہ مدینہ حدیث نبوی کا اصلی منبع اور پہلا شہر تھا جہاں سے مختلف بلاد و امصار میں حدیث کا چرچا ہوا۔ ابن سعد پھر بغداد گئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ۲۳۰ھ میں بغداد ہی میں وفات پائی اس طرح ان کی عمر کل ۶۲ سال بنتی ہے۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں پہنچ کر وہاں کے مشہور مورخ صاحب طبقات و مغازی' واقدی کے وابستۂ دامن ہو گئے۔ ابن سعد واقدی کی کتابیں لکھتے رہے حتیٰ کہ "کاتب الواقدی" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مورخین نے ابن سعد کو واقدی کی ابدی و دائمی روح قرار دیا ہے۔ (یعنی جس کی بدولت واقدی کو بقا و دوام حاصل ہوا وہ ابن سعد ہی تھے) جن کتب میں ابن سعد کا تعارف و ترجمہ مذکور ہے ان میں ابن سعد کی صرف تین کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

① الطبقات الکبریٰ
② الطبقات الصغیر
③ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت' ابن الندیم نے الفہرست میں ابن سعد کی صرف اسی تصنیف کا ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

بعض محققین کا خیال ہے .... اور ہم بھی ان کے ساتھ متفق ہیں...... کہ یہ تینوں کتابیں دراصل ایک ہی ہیں اس لئے کہ ''الطبقات الصغیر'' اور کتاب ''اخبار النبی'' کے مندرجات الطبقات الکبریٰ کی ابتدائی دو جلدوں میں شامل ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابن سعد نے اور کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ کتب تراجم میں ابن سعد رحمہ اللہ اور ان کی تصانیف کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا ہم نے اس کا خلاصہ تحریر کر دیا ہے۔ بالفرض اگر ابن سعد کی کوئی دوسری کتاب نہ بھی ہو تو صرف یہی کتاب ابن سعد کے علم کثیر قوت حافظہ مصادر و مآخذ سے پوری واقفیت اور اپنے عصر و عہد کی تاریخ سے مکمل آگاہی کی زندہ دلیل ہے۔

ابن سعد کے بنیادی مصادر و مآخذ

طبقات ابن سعد کے مصادر کی دو قسمیں ہیں:

① پہلا مآخذ یہ ہے کہ ابن سعد اپنے عہد کے محدثین و مورخین کی طرح بالمشافہہ اساتذہ سے سن کر روایت کرتے ہیں۔

② ابن سعد کا دوسرا مآخذ کتابیں ہیں یہ مآخذ بڑی حد تک محدود ہے۔

طبقات ابن سعد کا تجزیہ کرتے ہوئے علمی امانت و دیانت ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ ابن سعد نے زیادہ تر ان روایات پر اعتماد کیا ہے جو براہ راست شیوخ و اساتذہ سے سنیں۔ اسی طرح ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنے استاد واقدی سے وہ روایتیں براہ راست سنی تھیں جو واقدی نے اپنی کتاب طبقات میں ذکر کی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض روایتیں واقدی کی کتاب سے بھی اخذ کی تھیں۔ علمی دیانت کی بناء پر ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ ابن سعد سے پہلے صرف واقدی ہی نے طبقات کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ اس ضمن میں اور کسی مصنف کا نام نہیں سنا گیا۔

ابن سعد اپنے عہد کے مشہور محدثین سے مل کر استفادہ کر چکے تھے ذیل میں ہم نے ابن سعد کے جن شیوخ و اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ابن سعد کے زمانہ میں کس قسم کا علمی ماحول پایا جاتا تھا۔ ابن سعد رحمہ اللہ نے حسب

Marfat.com

ذیل اساتذہ سے استفادہ کیا تھا:

وکیع بن الجراح، سلیمان بن حرب، ہشیم بن بشیر، ابو نعیم فضل بن دکین، سفیان بن عیینہ، ولید بن مسلم، ابوالولید طیالسی، محمد بن سعدان۔

یہی وجہ ہے کہ ابن سعد کے بعد آنے والے ناقدین حدیث ہمیشہ موصوف کی مدح وستائش میں رطب اللسان رہے اور ان کی تعدیل کرتے ہوئے ان کو صدوق اور ثقہ راوی قرار دیا اس کی حد یہ ہے کہ بعض علماء نے ابن سعد کو ان کے استاد واقدی پر ترجیح دی۔

امام سخاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''ابن سعد ثقہ راوی ہیں مگر ان کا استاد واقدی ضعیف ہے۔''

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے استاد واقدی کے بارے میں اظہار خیال

اب ہمارے لئے ابن سعد کے استاد واقدی کے بارے میں اظہار خیال ناگزیر ہے جس کو لوگ عموماً ضعیف راوی تصور کرتے ہیں واقدی کا نام ونسب محمد بن عمر بن واقد الواقدی ہے۔ یہ بنی ہاشم کے موالی میں سے تھے۔ مدینہ میں ۱۳۰ھ میں مروان بن محمد کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ جب خلیفہ ہارون الرشید نے ۱۷۰ھ میں سفر حج کیا اور پھر مدینہ کی زیارت کی تو واقدی اس کے ہمراہ تھا واقدی نے خلیفہ کو وہ مقامات دکھائے جہاں اسلامی لڑائیاں لڑی گئی تھیں۔ ہارون بہت خوش ہوا۔ بعد ازاں ہارون کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی نے واقدی کو عراق بلا لیا جہاں اسے بہت اعزاز واحترام کے ساتھ رکھا۔ پھر وہ شام اور رقہ کی طرف چلا گیا۔ جب دوبارہ واقدی وارد بغداد ہوا تو خلیفہ مامون نے اسے قاضی کے منصب پر فائز کیا۔ واقدی آخری دم تک اس عہدہ پر فائز رہا اور ۲۰۷ھ یا ۲۰۹ھ میں وفات پائی۔

واقدی کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس نے اولین رواۃ حدیث سے بلاواسطہ براہ راست استفادہ کیا مثلاً امام اہل مدینہ مالک بن انس، سفیان ثوری اور معمر بن راشد۔ واقدی مشہور سیرت نولیس محمد بن اسحاق کا معاصر تھا مگر موصوف سے عمر میں چھوٹا تھا۔

Marfat.com

واقدی کو وسعت علم تاریخ دانی اور مغازی وفتوحات کے علوم میں ابن اسحاق کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے۔ واقدی کے مغازی سے متعلق معلومات کا بڑا ماخذ نجیح سندھی ہے جو ابو معشر سندھی کے نام سے معروف تھا اور بغداد میں ۱۷۰ھ میں فوت ہوا۔ جب خلیفہ مہدی مدینہ منورہ آیا اور ابو معشر کے علم وفضل کا چرچا سنا تو اسے اپنے ساتھ بغداد لے گیا۔

اگرچہ حفاظ حدیث منکر حدیثیں روایت کرنے کی بناء پر ابو معشر کی بعض روایات پر لے دے کرتے ہیں۔ تاہم وہ اس بات پر متفق ہیں کہ ابو معشر مغازی وفتوح اور سیرت النبی کا منفرد عالم تھا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ابو معشر مغازی میں بڑی مہارت رکھتے ہیں''

بقول خطیب بغدادی اگر طبقات ومغازی اور تاریخ میں واقدی کی تصانیف نے مشرق ومغرب کو معمور کر دیا تھا تو اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ واقدی نے اسلامی غزوات سے متعلق جملہ تفصیلات اور جزئیات صحابہ کرام وشہداء کے بیٹوں نیز موالی اور رواۃ وعلماء اور ابو معشر سندھی سے براہ راست حاصل کی تھیں اس پر مزید یہ کہ جہاں اسلامی لڑائیاں لڑی تھیں وہاں وہ خود جاتا اور بچشم خود وہ مواقع دیکھ کر ان کی پوری پوری تفصیلات بیان کرتا۔

ہمیں واقدی کی ان کتابوں سے کوئی غرض نہیں جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ چھ صد الماریوں پر مشتمل تھیں اور ایک سو بیس اونٹوں پر لادی جاتی تھیں ہمیں اس کی کتاب ''التاریخ الکبیر'' سے بھی کوئی سروکار نہیں جو اس نے سن وار واقعات کی ترتیب کے پیش نظر مرتب کی تھی اور جس سے طبری نے بھی اپنی تاریخ میں فائدہ اٹھایا ہے۔ واقدی نے کتاب مذکور کو ۱۷۹ھ کے واقعات پر ختم کیا۔ واقدی کی کتاب ''الردہ'' بھی ہماری نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی جس میں اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین سے منحرف ہونے والوں کے واقعات قلم بند کیے ہیں۔ ہمیں واقدی کی مشہور کتاب ''المغازی'' سے بھی کوئی غرض نہیں جو اس کی صحیح ترین کتاب ہے اور واقدی کی تصانیف

Marfat.com

میں سے صرف وہی کتاب ہم تک پہنچی ہے۔

ہمیں واقدی کی جس کتاب سے سردست بحث مطلوب ہے وہ اس کی کتاب ''الطبقات'' ہے جو ہم تک نہ پہنچ سکی اس کتاب میں واقدی نے صحابہ و تابعین کے سیر و سوانح ان کے طبقات کے پیش نظر بیان کئے ہیں اوراس کے ساتھ ساتھ اسلامی اور اموی دور میں پیش آمدہ واقعات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ان واقعات کے ذکر و بیان میں واقدی نے حدیث وسنت کے اولین مرکز و مامن مدینہ منورہ کے پچیس (۲۵) شیوخ پر اعتماد کیا ہے۔ یہ وہی راویانِ حدیث ہیں جن سے واقدی نے مغازی کے واقعات اخذ کئے۔ جیسا کہ اس نے خود کتاب المغازی کے شروع میں اعتراف کیا ہے۔ واقدی کی کتاب الطبقات اس کی اپنی ترتیب وتہذیب کے مطابق اگرچہ ہم تک نہیں پہنچی۔ مگر اس کے تلمیذ کی نقل و روایت سے یہ کتاب نہایت صحت وصفائی کے ساتھ ہمارے ہاتھوں تک پہنچ گئی اور یاد رہے کہ وہ نقل کرنے والا تلمیذ محمد بن سعد صاحب طبقات ہی تھا نہ کہ اور کوئی شخص!

شیخ وتلمیذ کے مابین فرق و امتیاز

بعض ناقدین حدیث نے ابن سعد کے استاد واقدی پر جرح وقدح کی ہے اور اسے سہل انگاری بلکہ وضع احادیث کا مرتکب ٹھہرایا ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

''واقدی سندیں خود بنالیا کرتا تھا''

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''واقدی نے خود بیس ہزار حدیثیں گھڑ کر رسول کریم ﷺ کی جانب منسوب کردی تھیں۔''

محدثین کا قول ہے کہ واقدی مختلف اسانید کو جمع کرکے ایک ہی متن ذکر کردیا کرتا تھا حالانکہ متن کے مختلف اجزاء مختلف راویان حدیث کے ذکر کردہ ہوتے تھے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ کتب و رسائل سے دیکھ کر حدیثیں روایت کیا کرتا تھا حالانکہ محدثین صرف اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ راوی اپنے کان سے سن کر حدیثیں روایت کرے

Marfat.com

تاکہ تحریف و تصحیف سے محفوظ رہ سکے۔

بعض علماء واقدی سے حسن ظن بھی رکھتے تھے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ اس کی روایت کو ابن اسحاق کی روایت کے مقابلہ میں ترجیح دیتے تھے مشہور لغوی ابو عبید قاسم بن سلام اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے ساتھ حسن ظن رکھنے والوں میں شامل تھے مگر جمہور محدثین اس کے بارے میں متردد تھے جس کی بڑی وجہ واقدی کے عباسی خلفاء کے ساتھ گہرے تعلقات تھے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ واقدی نے بنی عباس کے بعض افراد کو خوش کرنے کے لئے حدیثیں وضع کر دیں۔ واقدی نے اُساریٰ بدر کی فہرست سے آنحضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نام خارج کر دیا تھا۔ اسے یہ بات سخت ناگوار تھی کہ آنحضور ﷺ کے چچا کو گرفتار کر لیا جائے۔ اس کی بڑی وجہ عباسیوں کے جانب اس کا خصوصی میلان تھا۔ مگر قبول روایت میں تردد و شک کا ابن سعد کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ اکثر محدثین ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ابن سعد ثقہ ہیں اور ان کا استاد واقدی ضعیف ہے۔

بقول ابن الندیم اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ ابن سعد نے اپنی کتب واقدی کی تصانیف سے مرتب کی تھیں ابن سعد نے جن لوگوں کا تعارف کرایا ہے ان میں واقدی کا نام بھی شامل ہے وہ جب بھی اسلامی غزوات میں سے کسی غزوہ کا عنوان باندھتا ہے تو سلسلہ سند میں واقدی کو فراموش نہیں کرتا۔ البتہ ابن سعد جب بھی واقدی کی کوئی روایت ذکر کرتا ہے تو اُس کی خوب چھان بین کرتا ہے یا اس کی تائید میں دیگر اصحاب مغازی و انساب کی روایت لاتا ہے۔ مثلاً ابن سعد جب ان وفود کا ذکر کرتا ہے جو آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے تو صرف واقدی کی روایت پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ ہشام بن محمد بن سائب کلبی کی روایت بھی ذکر کرتا ہے۔ بعض دفعہ ابن سعد ایسے مسائل و واقعات بھی بیان کرتا ہے جو اس کے ساتھ واقدی نے نظر انداز کر دیے تھے۔ مثلاً نبی ﷺ کی کنیت کا مسئلہ یا وہ کلمات جو جبرائیل علیہ السلام آنحضور ﷺ کو آفات و بلیات وغیرہ سے پناہ دلانے کے لئے پڑھا

Marfat.com

کرتے تھے نیز جاہل عربوں کے انساب اور انبیاء و امم سابقہ کے سیر و احوال جن کے ساتھ واقدی زیادہ اعتناء نہیں کیا کرتا تھا۔

طبقات ابن سعد کے اہم مندرجات

طبقات ابن سعد ایک کبیر الحجم اور علمی مواد سے بھرپور کتاب ہے اور پندرہ مجلدات پر مشتمل ہے ابن سعد نے طبقات میں ان محدثین مورخین اور ماہر انساب علماء کے حالات رقم کیے ہیں جو عہد رسالت و صحابہ و تابعین اور خود ان کے زمانہ میں بقید حیات تھے۔ طبقات کی روایت ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حارث بن ابی اسامہ نے کی ہے یہی وجہ ہے کہ طبقات میں کہیں کہیں اس قسم کی عبارت ملتی ہے:

''یہ روایت ہمیں محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے سنائی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت کا روایت کنندہ ابن سعد نہیں بلکہ ان کا شاگرد ہے ابن سعد اکثر اخبار و واقعات کو جس باریک بینی کے ساتھ بیان کرتے ہیں مگر اس پر نقد و تبصرہ شاذ و نادر ہی کرتے ہیں اس کی بڑی وجہ ہمارے نزدیک یہی ہے کہ یہ روایات ان کے تلمیذ نے نقل کی ہیں بذات خود ان کی بیان کردہ نہیں ہیں کتاب کا کچھ حصہ ابن سعد کے شاگرد حسین بن فہم کی روایت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے گویا ان دونوں شاگردوں نے مل کر طبقات ابن سعد کو روایت کیا ہے۔

طبقات ابن سعد کی پہلی دو جلدیں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں تمہید کے طور پر ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اجداد کرام کا بھی ذکر کیا ہے جو انبیاء علیہم السلام میں سے تھے اور اس کے پہلو بہ پہلو حوا' ادریس' نوح' ابراہیم' اسماعیل اور حضرت آدم و محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی سنین و ازمنہ کا ذکر بھی کیا ہے علاوہ ازیں ابن سعد نے حضرات انبیاء کے اسماء و انساب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد مثلاً قصی و عبد مناف و ہاشم و عبد المطلب نیز آپ کے والد ماجد اور محترمہ والدہ آمنہ بنت وہب کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے اس کے بعد انہوں نے بعثت نبوی نزول وحی ہجرت اور ایک ایک کر کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کا ذکر کیا ہے پھر عہد

Marfat.com

رسالت میں مفتیان مدینہ اور دیگر صحابہ و تابعین کے سیر و سوانح سے طبقات کے باقی ماندہ اجزاء کو بھر دیا ہے طبقات کی آخری جلد کو انہوں نے مستورات کے لئے وقف کر دیا ہے۔

طبقات ابن سعد کا اسلوب و انداز

طبقات میں تقدم زمانی کے عنصر کو اولین اہمیت حاصل ہے ابن سعد اس سے خوب آگاہ تھے موصوف نے تقدم زمانی میں سبقت فی الاسلام کو ملحوظ رکھا ہے اور اسی اعتبار سے مہاجرین حبشہ بدری صحابہ یا فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والوں کا ذکر کیا ہے۔ اس ترتیب کے پیش نظر وہ پہلے بدری مہاجرین پھر بدری انصار اور پھر ان صحابہ کا ذکر کرتے ہیں جو بدر سے پہلے اسلام لا چکے تھے مگر اس میں شرکت کرنے سے قاصر رہے کیونکہ وہ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے ان میں سے بعض کو بدر میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل بھی ہوئی پھر فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والوں کا ذکر کیا ہے ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طرز عمل حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے طریق کار سے ملتا جلتا ہے جب آپ نے صحابہ کے ناموں کی فہرست مرتب کی تھی۔ کچھ بعید نہیں کہ ابن سعد نے اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کی ہو۔

ترتیب زمانی کے پہلو بہ پہلو ابن سعد نے مکان کی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا چنانچہ انہوں نے ان بلاد و دیار کے پیش نظر رضی اللہ عنہم کی فہرست مرتب کی ہے جن میں وہ سکونت گزین تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے علیحدہ علیحدہ مدینہ' مکہ' طائف' یمن' یمامہ' کوفہ' بصرہ اور شام و مصر میں توطن پذیر صحابہ کا تذکرہ کیا ہے طبقات تابعین کا ذکر کرتے ہوئے بھی ابن سعد نے ترتیب زمانی و مکانی کو فراموش نہیں ہونے دیا اور اسی ترتیب کے پیش نظر ان کا تعارف کرایا ہے ایک طبقہ کی مدت قول راجح کے پیش نظر ابن سعد کے نزدیک بیس سال ہے اکثر اصحاب طبقات اور تراجم و سیر پر لکھنے والوں کا یہی نظریہ ہے۔

طبقات ابن سعد کی خاص چیز صحابہ و تابعین کا تراجم و تعارف ہے اس لئے کہ ان

Marfat.com

کو قرب رسول کا فخر حاصل ہے بنا بریں ان سے جو دینی و تاریخی معلومات مروی و منقول ہیں ان کو بلا چون و چرا تسلیم کرنا پڑتا ہے ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے:

① بدری مہاجرین۔

② بدری انصار۔

③ وہ صحابہ جو شروع ہی میں مشرف باسلام ہو کر حبشہ کو ہجرت کر گئے یا غزوہ احد میں شریک ہوئے مگر غزوہ بدر میں شمولیت سے قاصر ہے۔

④ وہ صحابہ جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔

⑤ وہ صحابہ جو فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

ابن سعد نے جس طبقاتی تقسیم کو اپنایا اور پھر دیگر اصحاب طبقات نے اس کو اور آگے بڑھایا ہے اس میں ایک کھلا ہوا مگر ناگزیر نقص ہے جس سے احتراز ممکن نہیں اور وہ یہ ہے کہ اس طبقاتی تقسیم کے مطابق بعض طبقات کے اشخاص میں تداخل ہو جاتا ہے۔ (یعنی ایک شخص ایک طبقہ میں داخل ہوتا ہے اور پھر دوسرے طبقہ کے اوصاف بھی اس پر منطبق ہوتے ہیں) مثلاً ایک صحابی بدری مہاجرین کے طبقہ میں شمار ہوتا ہے پھر اسلامی فتوحات کے زمانہ میں وہ کسی اور شہر میں سکونت گزین ہو جاتا ہے بعد ازاں مدینہ طیبہ میں طویل اقامت کر کے وہاں کے مفتیوں میں شمار ہونے لگتا ہے طبقاتی تقسیم کے مطابق ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ ایسے صحابی کا تعارف اس کے اصلی طبقہ یعنی بدری مہاجرین میں کرائیں گے پھر دو جگہ اور ان کے تعارف کی ضرورت محسوس ہو گی چونکہ ابن سعد اس اشکال سے آگاہ تھے اس لئے وہ ایسے شخص کا ایک ہی جگہ تفصیلی تعارف کرا دیتے ہیں اور اس کی دیگر خصوصیات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی نسب دانی

چونکہ ابن سعد کی کتاب ''طبقات'' کے نام سے موسوم ہے اس لئے اس میں طبقاتی تقسیم کے سوا دوسری کوئی چیز متوقع نہ تھی مگر ابن سعد نے اپنے استاد واقدی کے

Marfat.com

بالکل برعکس جاہلی تاریخ کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اس ضمن میں ابن سعد نے ہشام بن محمد بن سائب کلبی پر زیادہ اعتماد کیا ہے۔ ہشام اپنے والد کی طرح بڑا ماہر انساب تھا اور پرانے عربوں کے انساب خوب جانتا تھا۔ اسی طرح ابن سعد بھی نسب دانی میں بڑی مہارت رکھتا تھا اور اس نے اس فن کو براہ راست بڑے بڑے علماء سے سیکھا تھا ہشام کلبی مہارت انساب میں اپنے والد کی طرح بے نظیر تھا۔ اور نسب دانی کے ساتھ ساتھ عربوں کے اخبار و ایام اور احوال و واقعات سے بخوبی آگاہ تھا۔

ہشام کلبی نے اسلامی واقعات احوال بلاد اور تاریخ سے متعلق ۱۴۰ کتب تصنیف کی تھیں اس نے اموی عہد کے واقعات بالمشافہہ اپنے والد سے اخذ کئے تھے۔ ہشام کے والد محمد بن سائب نے اموی خلافت میں بڑا طویل عرصہ گزارا تھا وہ عبدالرحمٰن بن اشعث کے ساتھ دیر جماجم کے واقعہ میں شریک تھا اور بنوامیہ کو پسند نہیں کرتا تھا۔

طبقات ابن سعد میں ایک نسب دان کا ذکر ملتا ہے جو اگرچہ عہد رسالت میں بقید حیات تھا مگر صحابی نہ تھا...... وہ دغفل بن حنظلہ شیبانی ہے...... یہ وہی شخص ہے جس نے انساب العرب کے موضوع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مناظرہ بھی کیا تھا کہا جاتا ہے کہ دغفل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملا تھا اور آپ ان کے علم وفضل سے بڑے خوش ہوئے تھے اس نے اپنے زمانہ میں انساب سے متعلق بہت سی روایات بیان کی ہیں۔

ابن سعد سے معرفت انساب سے جو معلومات رہ گئے تھے وہ بلاذری نے اپنی دونوں کتب (۱) انساب الاشراف (۲) فتوح البلدان میں جمع کر دیئے ہیں بلاذری بڑی حد تک ابن سعد کی خوشہ چینی کرتا اور اس کے نصوص و الفاظ ذکر کر دیتا ہے۔ نسب دانی کے فن میں ابن سعد جس دقت آفرینی اور باریک بینی کا ثبوت دیتے ہیں شاید اسی کے باعث وہ ان غلطیوں سے محفوظ رہے جن کا ارتکاب ان کے بعد آنے والے مصنفین انساب وطبقات نے کیا ہے۔ مثلاً بعض صحابہ کو تابعین خیال کیا گیا جیسے نعمان وسوید کے بارے میں یہ غلط فہمی ہوئی ہے یہ دونوں مقرن مزنی کے بیٹے تھے اور صحابہ میں سے تھے۔ بعض تابعین کو غلطی سے صحابہ کے زمرہ میں شمار کیا گیا مثلاً عبدالرحمٰن بن غنم کو محمود

Marfat.com

بن ربیع نے صحابی خیال کیا۔ اسی طرح ابراہیم بن عبد الرحمٰن العذری کے بارے میں مشہور محدث ابن مندہ کو اسی قسم کی غلط فہمی ہوئی۔

محدثین کے طریقہ پر روایت کرنے والا

اگرچہ طبقات ابن سعد روایات پر مشتمل کتاب ہے جس میں مولف کی شخصیت نمایاں نہیں ہے اس میں نقد و تبصرہ کا بھی وجود نہیں مگر کہیں کہیں تنقیدی توضیحات بھی نظر آتی ہیں۔ مثلاً ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت ذکر کرتے ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ اپنی والدہ کی قبر دیکھ کر رو پڑے۔ ابن سعد اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"یہ غلط ہے کیونکہ آنحضور ﷺ کی والدہ کی قبر مکہ میں نہیں بلکہ ابواء میں ہے۔"

ابن سعد نے ہشام کلبی کا قول نقل کیا ہے کہ:

"بدر میں سائب بن مظعون نے شرکت کی تھی نہ کہ سائب بن عثمان بن مظعون نے۔"

ابن سعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس جگہ کلبی سے غلطی سرزد ہوئی ہے سیرت دان جو مغازی سے بھی آشنا ہیں جانتے ہیں کہ ابن عثمان بن مظعون نے بدر و احد بلکہ تمام غزوات میں شرکت کی تھی۔"

طبقات ابن سعد میں زیادہ اشعار نہیں نقل کیے گئے البتہ خطبات میں کچھ اشعار منقول ہیں خصوصاً وہ خطبات جو آپؐ نے مختلف مواقع پر دیئے۔ طبقات میں جو اشعار ہیں وہ زیادہ تر جاہلی دور کے ہیں اور آنحضور ﷺ کے اجداد اور سادات قریش سے متعلق ہیں بعض اشعار اسلامی دور کے ہیں اور ان کا تعلق غزوات کے ساتھ ہے۔ واقدی کی مغازی اور سیرت ابن اسحاق میں طبقات کی نسبت زیادہ اشعار پائے جاتے ہیں خلاصہ کلام یہ کہ ابن سعد بطریق محدثین روایت کرنے والا شخص ہے اور ادباء کی طرح تنقید کا خوگر نہیں ہے۔

Marfat.com

فصل : ۴

طبقات رواۃ

راویوں کے طبقات اور ان کی اصطلاحی تقسیم

اس بات پر محدثین کا اتفاق ہے کہ طبقہ کا اطلاق ان لوگوں پر کیا جاتا ہے جن کی عمر ملتی جلتی ہو اور وہ شیوخ و اساتذہ سے استفادہ کرنے میں بھی باہم یکساں ہوں[۱] جب محدثین نے راویوں کو طبقات میں تقسیم کیا تو یہ تقسیم ایک اصطلاح کی حیثیت اختیار کر گئی[۲] چنانچہ بعض علماء نے صحابہ کو ایک طبقہ اور تابعین کو طبقہ ثانی قرار دیا پھر اتباع تابعین کو تیسرا طبقہ ٹھہرایا اس تقسیم کے جواز پر وہ مذکورہ ذیل حدیث نبوی سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"سب سے افضل میرا زمانہ ہے پھر میرے بعد والوں کا اور پھر ان لوگوں کا زمانہ جو ان کے بعد آئیں گے۔"[۳]

سرور کائنات ﷺ نے اس حدیث میں عہد رسالت کے بعد دو یا تین زمانوں کا ذکر کیا ہے۔

بعض محدثین صحابہ کو کئی طبقات میں تقسیم کرتے ہیں اسی طرح وہ تابعین اور اتباع تابعین کو بھی متعدد طبقات میں تقسیم کرتے ہیں۔[۴]

---

۱ المختصر فی علم رجال الاثر۔ ص ۱۸

۲ مختصر علوم الحدیث لابن کثیر ص ۳۰۲

۳ یہ حدیث بخاری و مسلم میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۴ سب علماء اس ضمن میں متحد الخیال نہیں ہیں کہ قرن سو سال کا ہوتا ہے۔ بخلاف ازیں بعض کے نزدیک قرن پچیس سال کے عرصہ کو کہتے ہیں۔ [مختصر علوم الحدیث ص ۳۰۲]

Marfat.com

اس تقسیم کا ضابطہ یہ ہے کہ ایک طبقہ کے سب لوگوں میں ایک صفت مشترکہ طور پر پائی جاتی ہو۔ مثلاً صحابہ کے طبقہ میں سابق الاسلام ہونے میں لوگوں کی کئی جماعتیں شریک تھیں۔ علاوہ ازیں مہاجرین بھی بہت سے تھے۔ اسی طرح ایسے صحابہ کی بھی کمی نہ تھی جو سب غزوات میں شرکت کر چکے تھے۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ طبقہ صحابہ میں بھی شامل تھے اور سابقین مبشرین بالجنۃ اور مہاجرین کے طبقہ میں بھی شمار کیے جاتے تھے اب جو شخص ان میں سے کسی وصف میں بھی ان کے ساتھ شریک ہو گا وہ ان کے طبقہ میں شمار کیا جائے گا۔[1] نظر بریں صحابہ کے متعدد طبقات بنا دیئے گئے ہیں اور اس کے پیش نظر تابعین کو بھی کئی طبقات میں تقسیم کر دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ تقسیم میں مختلف اعتبارات ونظریات کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تقسیم کے مطابق راویوں کے طبقات

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے عہد صحابہ سے لے کر عصر روایت کے آخر تک راویوں کے طبقات شمار کرنے کی کوشش کی ہے موصوف نے راویوں کے کل بارہ طبقات بنائے ہیں اور صرف اسی راوی کو ان کے زمرہ میں شمار کیا ہے جس کی روایت صحاح ستہ کی کسی کتاب میں موجود ہو۔ طبقات حسب ذیل ہیں:

پہلا طبقہ: اس میں صحابہ کرام علی اختلاف مراتب شامل ہیں۔

دوسرا طبقہ: کبار تابعین مثلاً سعید بن مسیب کا طبقہ۔

تیسرا طبقہ: تابعین کا درمیانہ طبقہ مثلاً حسن بصری اور ابن سیرین

چوتھا طبقہ: ان تابعین کا طبقہ جو درمیانہ طبقہ سے ملتے جلتے تھے اور انہوں نے زیادہ تر تابعین سے ہی روایتیں کی ہیں مثلاً زہری وقتادہ۔

پانچواں طبقہ: ایسے کم عمر تابعین کا طبقہ جن میں سے بعض کا سماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں مثلاً اعمش۔

---

[1] المختصر۔ ص ۱۹

Marfat.com

چھٹا طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین شامل ہیں جو پانچویں طبقہ والوں سے مل چکے تھے اور ان میں سے کسی کا بھی سماع صحابہ سے ثابت نہیں۔ مثلاً ابن جُریج۔

ساتواں طبقہ: کبار اتباع تابعین کا طبقہ مثلاً مالک بن انس وسفیان ثوری۔

آٹھواں طبقہ: متوسط اتباع تابعین کا طبقہ۔ جیسے ابن عیینہ وابن عُلَیَّہ۔

نواں طبقہ: اس طبقہ میں کم عمر اتباع تابعین شامل ہیں۔ مثلاً ابوداؤد طیالسی وشافعی۔

دسواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ بڑی عمر کے لوگ شامل ہیں جو اتباع تابعین کے بعد آئے اور تابعین سے نہ مل سکے مثلاً احمد بن حنبل۔

گیارھواں طبقہ: اتباع تابعین کے بعد آنے والوں کا درمیانہ طبقہ' مثلاً امام ذہلی و بخاری۔

بارھواں طبقہ: وہ کم عمر لوگ جنہوں نے اتباع تابعین سے استفادہ کیا مثلاً ترمذی [1]

راویوں کے طبقات کی پہچان سے وہ التباس دور ہو جاتا ہے جو بعض راویوں کے ملتے جلتے ناموں اور کنیتوں کے مابین پیدا ہو جاتا ہے علم حدیث میں بحث وتمحیص کرنے والے کے لئے یہ سہولت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بہت جلد تدلیس انقطاع اور ارسال کی صورتوں سے آگاہ ہو جاتا ہے اس لئے ہم طبقات کا ذکر کر کے بیان کریں گے کہ اس میں مشہور راوی کون کون سے تھے چنانچہ اب ہم طبقہ صحابہ تابعین اور اتباع تابعین کا ذکر کرتے ہیں۔

طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابی کی تعریف

اصطلاحاً صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جو حالت ایمان میں نبی کریم ﷺ سے ملا ہو' اور اسلام پر ہی اس کی موت واقع ہوئی ہو۔

اس تعریف سے آشکارا ہوتا ہے کہ صحابی کے لئے آنحضور ﷺ کی ملاقات شرط

---

[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مولفین صحاح ستہ کے ان شیوخ کو بھی اسی طبقہ میں شامل کر دیا ہے جن کی وفات کچھ عرصہ بعد ہوئی تھی۔ مثلاً امام نسائی کے بعض اساتذہ۔

Marfat.com

ہے اگرچہ ملاقات ایک لمحہ کے لئے بھی ہوئی ہو۔[1] اسی لئے اصحمہ نجاشی کو صحابہ میں شمار نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ آپ پر ایمان لایا تھا مگر ملاقات کرنے سے قاصر رہا۔ سن تمیز میں آنحضور ﷺ کی ملاقات صحابی ہونے کے لئے کافی ہے۔ امام نووی وعراقی کا قول ہے کہ جو بچہ بات سمجھتا اور جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کو صحابی کہہ سکتے ہیں: مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت حسن وحسین اور محمود بن ربیع رضی اللہ عنہم۔

علماء نے تصریح کی ہے کہ جب کسی شخص میں مندرجہ ذیل میں سے کوئی بات پائی جاتی ہو تو اس کو صحابی کہہ سکتے ہیں۔ ان میں سے اہم امور مندرجہ ذیل ہیں:[2]

1. جس شخص کے بارے میں تواتر سے معلوم ہو کہ وہ صحابی ہے مثلاً حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کا صحابی ہونا۔ ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت سعید بن زیدؓ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ حضرت زبیر بن عوامؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہم۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے..... قرآن کریم میں فرمایا:

﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾[3]

''جب اپنے ساتھی سے کہتے تھے غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

2. اس شخص کا صحابی ہونا مشہور ہو اگرچہ تواتر کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔ مثلاً ضمام بن ثعلبہ وعکاشہ بن محصن۔

3. کوئی مشہور صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہادت دے۔ جیسے ابوموسیٰ اشعری نے کہا تھا کہ حممہ بن ابی حممہ دوسی صحابی ہے۔[4]

---

[1] الکفایہ ص ۵۱ نیز الاصابہ ج ۱۔ ص ۴۔۵

[2] اختصار علوم الحدیث ص ۲۳۱

[3] سورہ التوبہ آیت نمبر ۴۰

[4] الباعث الحثیث ص ۲۳۱

Marfat.com

۴ کوئی امانت و دیانت میں معروف شخص ایسے زمانہ تک صحابی ہونے کا دعوے دار ہو جب اس کے صحابی ہونے کا امکان بھی ہو۔ علماء نے یہ زمانہ ۱۱۰ھ تک مقرر کیا ہے اس کے بعد کوئی شخص صحابی ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

اس میں علماء صحیح مسلم و ترمذی کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''کوئی ذی روح ایسا نہیں کہ آج سے سو سال گزر جانے کے بعد بھی وہ زندہ ہو۔''[1]

اسی کے پیش نظر علماء نے جعفر بن نسطور رومی کے صحابی ہونے کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا اس نے ۲۰۰ھ کے بعد یہ دعویٰ کیا تھا اسی طرح سرباتک ہندی متوفی ۳۳۳ھ نے بھی صحابی ہونے کا دعویٰ کیا تھا مگر اسے رد کر دیا گیا۔

اگرچہ علماء نے صراحۃً یہ بات ذکر نہیں کی مگر صحبت کے اثبات کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ قبیلہ اوس و خزرج کے سب لوگ عہد رسالت میں مشرف باسلام ہو چکے تھے اس لئے ان میں سے جس کو بھی آنحضور ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا وہ صحابی ہے اسی طرح ہجرت کے دسویں سال مدینہ و طائف کے جو لوگ مشرف باسلام ہو کر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے وہ سب صحابی ہیں۔ غزوات میں آپ نے صرف ان لوگوں کو امیر بنایا تھا جو صحبت کا شرف حاصل کر چکے تھے اس لئے اسلامی لڑائیوں کے تمام قائدین صحابہ میں شامل تھے۔[2]

محدث ابن الصلاح ابن عبدالبر اور امام نووی نے تمام صحابہ کی عدالت پر اجماع نقل کیا ہے۔ قرآن و حدیث میں بھی صحابہ کی فضیلت و عدالت کے اشارے ملتے ہیں...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾[3]

---

۱ الاصابہ۔ ج ۱، ص ۶

۲ المختصر۔ ص ۲۷

۳ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۱۰

Marfat.com

''تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے (فائدہ کے) لئے ظاہر کیا گیا ہے''

نیز فرمایا:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾[1]

''اور اسی طرح تم کو متوسط امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو''

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

''وہ آدمی خوش نصیب ہے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔''

آپؐ نے فرمایا:

''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔''

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

''میرے صحابہ کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ میرے بعد انہیں نشانہ مت بناؤ۔ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری وجہ سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے عداوت رکھنے کی بناء پر ان سے بغض رکھا۔ جس نے ان کو دکھ دیا' اس نے مجھے دکھ دیا۔ اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے خدا کو تکلیف پہنچائی اور جس نے خدا کو دکھ پہنچایا کچھ بعید نہیں کہ وہ اسے پکڑ لے۔''[2]

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا شرف علی الاطلاق سب سے پہلے آنحضور ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا۔ عمر رسیدہ لوگوں میں سے یہ سعادت حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کو حاصل ہوئی آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ آزاد کردہ غلاموں میں سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ' بچوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ' غلاموں میں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور اہل فارس میں سے سب

---

[1] سورہ البقرۃ آیت نمبر ۱۴۳

[2] المختصر ص ۲۹

Marfat.com

سے پہلے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔[1]

چونکہ صحابہ مختلف بلاد وامصار میں پھیل گئے تھے اس لیے ان کا شمار دشوار ہے۔[2]

محدث ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ موجود تھے عصر صحابہ کا اختتام اس وقت ہوا جب آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثی کنانی نے بقول راجح ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔''[3]

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جس کی مرویات ایک ہزار سے زائد ہوں اسے کثیر الروایہ خیال کیا جاتا ہے کثیر الروایہ صحابہ اور ان کی مرویات کی تعداد حسب ذیل ہے:

	صحابی	مرویات کی تعداد
۱	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	۵۳۷۴
۲	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۲۶۳۰
۳	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ	۲۲۸۶
۴	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	۲۲۱۰
۵	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	۱۶۶۰
۶	حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	۱۵۴۰
۷	حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ	۱۱۷۰

ہم کثیر الروایہ صحابہ کا مفصل تعارف کرائیں گے۔ پھر قلیل الروایہ صحابہ کا مختصر حال بیان کریں گے۔

ابن سعد نے اپنی کتاب میں صحابہ کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ بخلاف ازیں بعض علماء نے زیادہ تفصیل وتوضیح سے کام لے کر سبقت اسلام ہجرت اور غزوات میں

---

۱ علوم الحدیث لابن الصلاح ۲۲۶

۲ اختصار علوم الحدیث ص ۲۲۴

۳ تلقیح فہوم اہل الاثر لابن الجوزی طبع ہند ص ۱۸۴

Marfat.com

شرکت کے اعتبار سے ان کے بارہ طبقات بنائے ہیں۔[1] وہ بارہ طبقات حسب ذیل ہیں۔

1. وہ اصحاب جو مکہ میں اسلام لائے' مثلاً عشرہ مبشرہ اور حضرت خدیجہ و بلال رضی اللہ عنہم۔
2. اصحاب دار الندوہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشرف باسلام ہونے کے بعد مسلمان ہوئے۔
3. وہ صحابہ جو بعثت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے پانچویں سال ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ یہ گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ حضرت عثمان بن عفان' زبیر بن عوام' جعفر بن ابی طالب' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ زوجہ عثمان' ابو حذیفہ کی بیوی سہلہ بنت سہل بھی انہی لوگوں میں شامل تھے۔ اس طبقہ میں وہ لوگ بھی شمار ہوتے ہیں جنہوں نے دوسری مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ وہ ۸۳ افراد تھے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس' عبید اللہ بن جحش' ان کی بیوی ام حبیبہ اور ان کے بھائی عبد اللہ' نیز ابو موسیٰ اور ابن مسعود بھی ان کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)
4. چوتھے طبقہ میں وہ صحابہ شمار ہوتے ہیں جو عقبہ اولیٰ میں شریک تھے ان میں بارہ انصاری تھے حضرت جابر بن عبد اللہ' عقبہ بن عامر' اسعد بن زرارہ اور عبادہ بن صامت بھی اسی طبقہ میں شامل ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)
5. پانچویں طبقہ میں وہ صحابہ شامل ہیں جو عقبہ ثانیہ میں شریک تھے اور جو عقبہ اولیٰ کے بعد اسلام لائے۔ یہ ستر انصاری تھے ان کے ہمراہ دو عورتیں بھی تھیں۔ حضرت براء بن معرور سعد بن عبادہ اور کعب بن مالک بھی ان میں شامل تھے۔ (رضی اللہ عنہم)
6. چھٹے طبقہ میں وہ صحابہ شمار ہوتے ہیں جو مدینہ میں اس وقت پہنچے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی قباء میں تھے اور وارد مدینہ نہیں ہوئے تھے۔

---

[1] التدریب الراوی ص ۲۰۷

Marfat.com

۷ ساتویں طبقہ میں اہل بدر کو شمار کیا جاتا ہے جن کے بارے میں آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا ''اللہ تعالیٰ نے بدر والوں پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی'' (ابوداؤد) ان کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر تھی۔

۸ اس طبقہ میں وہ صحابہ شمار ہوتے ہیں جنہوں نے غزوہ بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی سعادت حاصل کی۔

۹ اس میں وہ صحابی شامل ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان میں حصہ لیا آنحضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا ''جس نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی وہ دوزخ میں نہیں جائے گا''

۱۰ وہ صحابہ جنہوں نے حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔

۱۱ اس طبقہ میں وہ صحابہ شامل ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے۔ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ حضرت ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما اسی طبقہ میں شامل ہیں۔

۱۲ اس طبقہ میں وہ کم عمر صحابہ شامل ہیں جنہوں نے فتح مکہ یا حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی زیارت کی تھی۔ حضرت حسن وحسین، سائب بن یزید کلبی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم انہی کم سن صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔

طبقہ تابعین

تابعی کی تعریف

تابعی وہ ہے جو کسی صحابی کو مومن ہونے کی حالت میں ملا ہو اور اس کی موت بھی ایمان دار ہونے کی حالت میں واقع ہوئی ہو۔

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تابعی کے لئے صرف صحابی کی ملاقات کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ صحابی کی صحبت و رفاقت کو بھی شرط ٹھہراتے ہیں[1] کتاب و سنت میں تابعین

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۲۳۲

Marfat.com

کی مدح وستائش مذکور ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

''اور مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین' اور وہ لوگ جو بھلائی کرنے میں ان کے بعد تھے (تابعین) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔''

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

''اس شخص کو خوش خبری سنا دو جس نے مجھے دیکھا یا مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا۔''

نیز فرمایا:

''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا جو ان سے قریب ہوں گے۔''

محدث حاکم کی رائے میں تابعین کے آخری طبقہ میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے سب صحابہ کے بعد فوت ہونے والے صحابی سے ملاقات کی ہو۔ بنا بریں آخری تابعی وہ ہے جس نے مکہ میں ابوالطفیل سے ملاقات کی ہو' یا مدینہ میں سائب' شام میں ابو امامہ' کوفہ میں عبید اللہ بن ابی اوفیٰ اور بصرہ میں انس بن مالک کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہو[1] (رضی اللہ عنہم)

خلف بن خلیفہ متوفی ۱۸۱ھ کو آخری تابعی تصور کیا جاتا ہے کیونکہ موصوف نے آخری صحابی ابوالطفیل عامر بن واثلہ سے مکہ میں ملاقات کی تھی اسی لئے کہا گیا ہے' کہ تابعین کا عہد ۱۸۱ھ میں ختم ہو گیا تھا۔

---

[1] حوالہ مذکور ص ۴۳۰

Marfat.com

اتباع تابعین کا طبقہ

تعریف

تابع تابعی وہ ہے جو مومن ہوتے ہوئے کسی تابعی سے ملا ہو اور اس کی موت بھی حالت اسلام میں واقع ہوئی ہو۔ امام مالک و شافعی رحمۃ اللہ علیہما کو بھی اسی طبقہ میں شمار کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے بارے میں قول راجح یہ ہے کہ آپ تابعی تھے کیونکہ آپ انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن جزء زبیدی، عبداللہ بن انیس اور عائشہ بنت عجرہ رضی اللہ عنہم سے مل کر ان سے روایت کر چکے تھے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں شامل ہیں جو اتباع تابعین کے بعد آئے۔ کیونکہ آپ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی اور اتباع تابعین کا عہد ۲۲۰ھ پر ختم ہو گیا تھا[1]

---

[1] المختصر ص ۴۴۔ ۴۵

Marfat.com

فصل : ۳

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعارف وترجمہ

سات کثیر الروایت صحابہ

ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ جس صحابی کی مرویات کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہو اس کو کثیر الروایہ تصور کیا جاتا ہے کثیر الروایہ صحابہ سات تھے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

ابوہریرہ' عبداللہ بن عمر' انس بن مالک' عائشہ صدیقہ' عبداللہ بن عباس' جابر بن عبداللہ' ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم۔

مندرجہ بالا ترتیب کے مطابق ان کا تعارف حسب ذیل ہے۔

۱ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات سب سے زیادہ ہے۔ بقی بن مخلد نے مسند میں ان سے ۵۳۷۴ حدیثیں روایت کی ہیں [۱]

ایک روز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک بلی اٹھائے ہوئے دیکھا تو ان کی کنیت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (بلی کا باپ) رکھ دی یہ کنیت اس قدر مشہور ہوئی کہ ان کا اصلی نام عبدالرحمٰن بن صخر بالکل فراموش ہی کر دیا گیا آپ قبیلہ ازد کی ایک شاخ بنو دوس بن عدنان

[۱] مسند بقی بن مخلد حدیث نبوی کے اہم مصادر میں سے ہے اس میں تیرہ صد سے زائد صحابہ کی مرویات جمع کی گئی ہیں۔ ہر صحابی کی مرویات کو فقہی ترتیب کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مسند و مصنف دونوں کی حیثیت رکھتی ہے کسی سابق کتاب کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہو سکا۔
[نفح الطیب ج۔ا ص ۵۸۱]

Marfat.com

سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں غزوہ خیبر والے سال مشرف باسلام ہوئے اور بقول راجح موضع عقیق میں ۵۷ھ میں فوت ہوئے۔ آپ اہل صفہ کے سربراہ تھے جو مسجد نبوی میں محو عبادت رہا کرتے تھے صفہ مسجد نبوی میں ایک سائبان تھا جس میں عابد و زاہد قسم کے لوگ پناہ گزیں رہ کر عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی قوت حافظہ میں اضافہ کے لئے دعا کی تھی جو بارگاہ ربانی میں مقبول ہوئی۔ بخاری مسلم اور ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ:

''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے کئی باتیں سنتا ہوں اور وہ مجھے بھول جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا ذرا چادر بچھاؤ! میں نے بچھادی۔ اس کے بعد میں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنیں اور وہ مجھے کبھی نہیں بھولیں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ زہد و تقویٰ کے باوصف خوش طبع اور ملنسار تھے جب بچوں سے ملتے تو خوب ہنساتے۔ جب لوگوں سے بازار میں ملتے تو کہانیاں سنا کر انہیں تسلی دلاتے جب تنہا ہوتے تو رات بھر بڑے خشوع و خضوع سے تہجد پڑھتے۔

خلاف فاروقی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین کے عامل تھے بعد ازاں حضرت عمر نے ان کو معزول کر دیا۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو عامل بنانا چاہا تھا مگر انہوں نے تسلیم نہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا امیر مقرر کیا۔ کچھ یوں نظر آتا ہے کہ حضرت عمر تشدد فی الروایہ کے خوگر ہونے کی بناء پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت روایات پر معترض ہوئے اور انہیں مخاطب کر کے کہا تھا:

''یا تو روایت احادیث کو ترک کر دو ورنہ میں تمہیں قبیلہ دوس کی سرزمین میں پہنچا کے چھوڑوں گا۔''

جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ ''جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا گھر دوزخ میں بنا لے'' تو حضرت عمر نے حدیثیں روایت کرنے کی اجازت دے

Marfat.com

دی اور کہا ''اب جایئے اور حدیثیں روایت کیجئے۔''

شعبہ بن حجاج کہا کرتے تھے کہ ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بھی روایت کرتے ہیں اور کعب الاحبار سے بھی اور دونوں میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھتے'' تو گویا شعبہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو تدلیس کا مرتکب قرار دیا مگر بشیر بن سعید شعبہ کے اس اتہام کو تسلیم نہیں کرتے تھے وہ اس کی پرزور تردید کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

''خدا سے ڈرو اور احادیث کو یاد کیا کرو۔ بخدا ہم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے وہ ہمیں آنحضور ﷺ اور کعب الاحبار سے سن کر حدیثیں بیان کرتے پھر کھڑے ہو کر لوگوں کو اچھی طرح تنبیہ کرتے جو حدیث رسول کو کعب کی روایت اور کعب کے قول کو حدیث رسول قرار دیا کرتے تھے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہاں اگر تدلیس کا کوئی احتمال ہے تو وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فعل نہیں ہے بلکہ اس کا ارتکاب وہ لوگ کرتے تھے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیثیں روایت کرتے تھے ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جملہ راویان حدیث سے بڑے حافظ تھے۔''

مروان کا کاتب سالم روایت کرتا ہے کہ مروان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ایک چارپائی کے پیچھے بٹھا دیا۔ مروان ابو ہریرہ سے پوچھتا جاتا تھا اور میں لکھتا جاتا تھا جب ایک سال گزرا تو ابو ہریرہ کو پردہ کے پیچھے بٹھا کر انہی حدیثوں کے بارے میں سوال کرنے لگا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہ سب حدیثیں بلا کمی و بیشی و بلا تقدیم و تاخیر بیان کر دیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و ابی بن کعب و اسامہ بن زید و عائشہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کی ہیں جن راویوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیثیں روایت کی ہیں ان کی تعداد آٹھ سو سے بھی متجاوز ہے۔ ان روایت کنندگان میں اہل علم صحابہ میں سے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک جیسے اکابر شامل تھے علمائے تابعین میں سے سعید بن مسیب،

Marfat.com

ابن سیرین، عکرمہ، عطاء، مجاہد اور شعبی نے آپ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک جو صحیح ترین سند پہنچتی ہے وہ یہ ہے۔

''ابن شہاب زہری از سعید بن مسیب از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ''

ضعیف ترین سند یہ ہے:

''سری بن سلیمان از داؤد بن یزید اودی از والد خود یزید از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ''[1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ کثرت روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لگ بھگ تھے ان کی مرویات کی تعداد ۲۶۳۰ ہے۔

یہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لخت جگر اور حضرت حفصہ ام المومنین کے حقیقی بھائی تھے یہ ان چار عبادلہ میں سے ایک تھے جو فتویٰ دینے میں مشہور تھے ان چاروں صحابہ کا نام عبداللہ تھا ابن عمر کے علاوہ باقی تین عبداللہ بن عباس عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم تھے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر بعثت نبوی کے تھوڑا عرصہ بعد پیدا ہوئے جب اپنے والد کے ہمراہ اسلام لائے تو ان کی عمر اس وقت دس سال تھی۔ پھر اپنے والد سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ غزوہ احد میں صغیر السن تھے۔ اس لئے آپ نے شرکت کی اجازت نہ دی۔ غزوہ احد کے بعد بہت سی لڑائیوں میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ چنانچہ آپ کو جنگ قادسیہ یرموک اور افریقہ نیز مصر و فارس کی فتوحات میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی آپ بصرہ اور مدائن میں بھی گئے تھے۔

امام زہری رحمہ اللہ اپنی رائے پر کسی اور کی رائے کو ترجیح نہیں دیتے تھے امام مالک

---

[1] دیکھیے ترجمہ ابو ہریرہ الاصابہ نمبر ۱۱۷۹ (باب الکنی) نیز تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۲۷۰ نیز حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۷۶

[2] عبداللہ بن مسعود عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے اس لئے وہ فتویٰ دینے میں مشہور نہ تھے یہ ان سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ [الباعث الحثیث ص ۲۹۹]

Marfat.com

اور زہری کا قول ہے۔

"حضرت عبداللہ بن عمر پر رسول کریم ﷺ اور صحابہ کے امور میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی۔"

حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و عائشہ و عبداللہ بن مسعود اور اپنی ہمشیرہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کی تھیں۔ آپ سے بھی بہت سے لوگوں نے روایت کی مثلاً سعید بن مسیب حسن بصری ابن شہاب زہری ابن سیرین نافع مجاہد طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ۷۳ھ میں وفات پائی ایک قول یہ بھی ہے کہ حجاج نے خفیہ ایک آدمی کو بھیجا جس نے اپنے نیزے کے بھالے کو زہر آلود کر کے آپ کے پاؤں پر مارا اور اسی چوٹ سے آپ نے وفات پائی۔ ممکن ہے یہ خبر صحیح نہ ہو اور آپ طبعی موت مرے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح ترین سند کو "سلسلۃ الذہب" (سونے کی کڑی) کہتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

"امام مالک از نافع از عبداللہ بن عمر"

عبداللہ بن عمر کی ضعیف ترین سند یہ ہے۔

"محمد بن عبداللہ بن قاسم اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے اور وہ عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں۔"[1]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ

کثیر الروایہ صحابہ میں ان کا تیسرا نمبر ہے ان کی مرویات کی تعداد ۲۲۸۶ ہے یہ رسول کریم ﷺ کے خادم تھے ان کی والدہ ام سلیم جب ان کو آنحضور ﷺ کی خدمت کے لئے لائیں تو اس وقت ان کی عمر دس سال تھی ان کے والد کا نام مالک بن نضر ہے

[1] دیکھئے ترجمہ ابن عمر الاصابہ نمبر ۴۸۲۵ و تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۲۷۸ نیز طبقات ابن سعد ج ص ۱۰۵

Marfat.com

ان کا نسب ابن عدی بن نجار تک پہنچ جاتا ہے۔

آپ ﷺ انس سے خوش طبعی کے انداز میں کہا کرتے تھے یا ذا الاذنین (اے دو کانوں والے) آپ ﷺ نے ان سے کبھی وہ برتاؤ نہ کیا جو ایک آقا اپنے غلام سے کرتا ہے۔ حضرت انس اسی لیے کہا کرتے تھے:

''آنحضور ﷺ نے مجھ سے کبھی دریافت نہ کیا کہ یہ کام تو نے کیوں کیا یا کیوں نہ کیا؟ بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے جو اللہ نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا؟''

غزوہ بدر کے زمانہ میں حضرت انس چھوٹے تھے اس لئے شرکت سے قاصر رہے اس کے بعد بہت سی لڑائیوں میں شریک ہوئے۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جناب عمر فاروق سے انس کو بحرین کا عامل بنانے کے بارے میں مشورہ پوچھا تو آپ نے انس کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

''انس ایک دانا اور لکھا پڑھا نوجوان ہے۔ آنحضور ﷺ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے اس میں زہد و تقویٰ کے اوصاف پیدا ہو گئے ہیں۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں:

''میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس کی نماز ام سلیم کے بیٹے (انس) سے زیادہ آنحضور ﷺ کی نماز کے ساتھ ملتی جلتی ہو۔''

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس کے بارے میں فرماتے ہیں:

''انس حضر و سفر میں سب لوگوں سے بہتر نماز پڑھا کرتے تھے۔''

حضرت انس اپنی زندگی کے آخری ایام میں بصرہ چلے گئے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ابن اشعث کے فتنہ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ حجاج نے جب ان کو تکلیف دینا شروع کی تو مجبوراً آپ بصرہ چلے گئے آپ وہاں آخری صحابی تھے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ حضرت انس آخری صحابی تھے جو بصرہ میں فوت ہوئے ایک شخص نے آپ کی وفات کے موقع پر کہا تھا۔

Marfat.com

"آج آدھا علم رخصت ہو گیا جب کوئی بدعقیدہ آدمی ہماری مخالفت کرتا تو ہم اسے کہتے آؤ اس شخص کے پاس چلیں جس نے براہ راست آنحضور ﷺ سے حدیثیں سنی ہیں۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ تک جو صحیح ترین سند پہنچتی ہے وہ یہ ہے۔

"مالک از زہری از انس"

ضعیف ترین سند درج ذیل ہے۔

"داؤد بن محبر از محبر از ابان بن ابی عیاش از انس۔"[1]

۱۷ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ آنحضور ﷺ کی زوجہ محترمہ اور آپ کے عزیز ترین دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دختر اطہر تھیں بہت چھوٹی عمر میں اسلام لائیں۔ آپ سے پہلے صرف اٹھارہ آدمی اسلام لائے تھے آپ ؐ نے ہجرت کے دوسرے سال ان سے نکاح کیا۔ ان کے سوا دوسری کوئی دوشیزہ خاتون آپ کے نکاح میں نہ تھی۔ حضرت عائشہ تمام ازواج میں آپ کی محبوب ترین بیوی تھیں۔ نبی ﷺ ان کی ہر خواہش کو پورا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو اوصاف حضرت عائشہ میں جمع ہو گئے تھے۔ وہ ازواج مطہرات میں سے کسی دوسری خاتون میں یکجا نہ تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شعر و لغت طب و انساب اور ایام العرب کی زبردست عالمہ تھیں۔

امام زہری فرماتے ہیں:

"اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کا تقابل ازواج مطہرات اور دیگر خواتین کے علم کے ساتھ کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان پر فوقیت لے جائے گا۔"

عروہ کا قول ہے:

---

[1] دیکھئے ترجمہ انس طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۰ و تہذیب ابن عساکر ج ۳ ص ۱۳۹۔

Marfat.com

"میں نے کسی کو طب و شعر اور فقہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔"

حضرت عائشہ بھی کثیر الروایہ صحابہ میں شمار کی جاتی ہیں اور روایت حدیث میں ان کا پایہ انس بن مالک کے لگ بھگ ہے۔ ان کی مرویات کی تعداد ۲۲۱۰ ہے۔ آپ کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ آپ بعض مسائل کے استنباط میں بالکل منفرد تھیں اس ضمن میں ان کا خصوصی اجتہاد دیگر صحابہ سے بالکل الگ تھا۔

علامہ زرکشی نے حضرت عائشہ کے اجتہادات سے متعلق ایک کتاب "الاجابة لایرادما استدرکته عائشه علی الصحابة" نامی تصنیف کی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جو یہ قول منسوب ہے کہ "آدھا دین اس گوری (حضرت عائشہ) سے سیکھ لو" یہ ایک بے سند حدیث ہے۔ اس میں الحمیراء (سرخ رنگ والی) سے البیضاء (گوری) مراد ہے۔ عرب لوگ ابیض (گورے آدمی) کو احمر (سرخ) کہا کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر المزی ذہبی اور ابن کثیر رحمہم اللہ نے اس کو جھوٹی اور مصنوعی حدیث قرار دیا ہے۔ البتہ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ "اس کا مفہوم صحیح ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد حضرت ابوبکر نیز حضرت عمر سعد بن ابی وقاص اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل صحابہ شامل ہیں۔

ابوہریرہ' ابوموسیٰ اشعری' زید بن خالد الجہنی اور صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہم۔

مندرجہ ذیل کبار تابعین نے حضرت عائشہ سے حدیثیں روایت کیں۔

سعید بن مسیب' علقمہ بن قیس' مسروق بن اجدع' عائشہ بنت طلحہ' عمرہ بنت عبد الرحمٰن' حفصہ بنت سیرین۔

یہ تینوں خواتین علم دین اور فقہ میں خصوصی شہرت کی حامل تھیں۔

حضرت عائشہ کے لئے یہی فخر کافی ہے کہ واقعہ افک کے بعد ان کی برأت ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں۔ حضرت حسان بن ثابت واقعہ

Marfat.com

افک میں خود بھی ملوث ہو گئے تھے۔ برأت نازل ہونے کے بعد انہوں نے یہ شعر کہا

حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِيبَةٍ
وَ تُصْبِحُ غَرْثَىٰ مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ

حالانکہ حسان افک پردازوں میں شامل تھے اس کے باوصف جب کوئی انہیں برا کہتا تو حضرت عائشہ ناراض ہوا کرتی اور فرماتی تھیں کیا حسان نے مندرجہ ذیل شعر نہیں کہا؟

فَإِنَّ أَبِي وَ وَالِدَهٗ وَ أُمِّي
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بقول صحیح ۵۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔[1]

حضرت عائشہ تک پہنچنے والی صحیح ترین سند یہ ہے۔

"یحییٰ بن سعید از عبید اللہ بن عمر بن حفص از قاسم بن محمد از عائشہ"

نیز مندرجہ ذیل سند

"زہری یا ہشام بن عروہ از عروہ بن زبیر از عائشہ"

ضعیف ترین سند یہ ہے:

"حارث بن شبل از ام نعمان از عائشہ"

۵ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

یہ پانچویں کثیر الروایہ صحابی ہیں۔ کثرت روایات میں حضرت عائشہ کے لگ بھگ ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد ۱۶۶۰ ہے۔

حضرت عبد اللہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور حضرت عباس بن عبد المطلب کے بیٹے تھے ان کے حق میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ:

[1] دیکھئے ترجمہ عائشہ الاصابہ کتاب النساء نمبر ۷۰۱ وطبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۹ و تاریخ طبری ج ۳ ص ۶۷ و حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۳ نیز کتاب "عائشہ والسیاسۃ" از سعید افغانی

Marfat.com

''اے اللہ اس کو دین کا فہم اور تفسیر قرآن میں بصیرت عطا کر۔''

اس دعا کے نتیجہ میں عبداللہ بن عباس کو کثرت علم اور فقہ دانی میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ لوگ دور دراز سے مسائل پوچھنے اور حدیثیں روایت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد ۳۵ برس تک لوگوں کو فتویٰ دیتے رہے عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو احادیث رسول فتاویٰ ابوبکر و عمر و عثمان نیز تفسیر و فقہ شعر و عربیت اور حساب و فرائض میں حضرت عبداللہ بن عباس سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ آپ نے ایک دن تفسیر قرآن کے لئے ایک دن فقہ کے لئے اور ایک ایک دن مغازی اشعار اور ایام العرب کی تدریس و تعلیم کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔ جو عالم بھی آپ کے پاس آیا اس کو آپ کے علم سے مرعوب ہونا پڑا۔ جس سائل نے بھی آپ سے کوئی بات پوچھی ان کے پاس اس کا جواب پایا۔''

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس تک پہنچنے والی صحیح ترین سند یہ ہے۔

''زہری از عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما''

ضعیف ترین سند یہ ہے۔

''محمد بن مروان السدی الصغیر از کلبی از ابوصالح''

مذکورہ بالا سند کو سلسلۃ الکذب (جھوٹ کی کڑی) کہا جاتا ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ''ترجمان القرآن'' (مفسر قرآن) کا لقب عطا کیا تھا۔

لوگ آپ کی تفسیر پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

''اگر روم اور دیلم کے رہنے والے آپ کی تفسیر کو سن لیتے تو اسلام لے آتے۔''

Marfat.com

مگر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ آپ سے روایت کرنے والوں نے اپنی طرف سے اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ علماء کا قول یہ ہے کہ ابن عباس کی تفسیری روایات کی ضعیف ترین سند وہی ہے جس کو "سلسلۃ الکذب" کہا گیا ہے۔ اور جس کی طرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اشارہ کیا۔ اس کے بعد دوسرے درجے کی ضعیف سند وہ ہے جس میں ضحاک بن مزاحم ہے۔ یہ سند منقطع ہے کیونکہ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا۔ جب جویبر بلخی ضحاک بن مزاحم سے روایت کرتا ہے تو یہ سند ضعیف تر ہو جاتی ہے۔

تفسیر قرآن میں ابن عباس تک پہنچنے والی قابل اعتماد اسانید یہ ہیں۔

1. وہ سند جو بطریق علی بن ابی طلحہ ہاشمی مذکور ہے۔ امام بخاری نے تعلیقات ابن عباس کا ذکر کرتے ہوئے اسی طریق پر اعتماد کیا ہے۔ تفسیر قرآن کا جو نسخہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ امام لیث مصری کے کاتب ابو صالح کے پاس اسی سند سے مروی ہے۔ معاویہ بن صالح اس کو علی بن ابی طلحہ سے روایت کرتے ہیں پھر معاویہ سے لیث کے کاتب نے روایت کی۔ اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "مصر میں تفسیر قرآن پر مشتمل ایک رسالہ ہے جس کے راوی علی بن ابی طلحہ ہیں اگر کوئی شخص اس کو حاصل کرنے کے لئے عازم مصر ہو تو یہ کچھ زیادہ نہ ہوگا۔"

علی بن ابی طلحہ نے یہ صحیفہ حضرت ابن عباس سے براہ راست نہیں بلکہ مجاہد یا ابن جبیر کے واسطہ سے سنا تھا۔ یہ دونوں ثقہ راوی ہیں۔ اس اعتبار سے گویا ابن ابی طلحہ نے براہ راست یہ صحیفہ ابن عباس سے سنا۔

2. دوسری سند میں قیس عطاء بن سائب سے وہ سعید بن جبیر سے اور وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں یہ سند بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ حاکم نے مستدرک میں متعدد احادیث اسی سند سے روایت کی ہیں۔

3. تیسری سند میں ابن اسحاق محمد بن ابی محمد سے اور وہ عکرمہ یا ابن جبیر سے اور وہ

Marfat.com

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں بہت سی روایات اسی سند سے نقل کی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ نے علم کیسے حاصل کیا؟ تو جواباً فرمایا میں نے سوال کرنے والی زبان اور سمجھنے سوچنے والے دل سے سب کچھ سیکھا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ صرف مذہبی احکام و مسائل ہی کے عالم نہ تھے بلکہ عربی زبان وادب میں بھی ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے اور خالص جاہلی اشعار سے اسلوب قرآن پر استشہاد فرمایا کرتے تھے۔

روایات میں منقول ہے کہ نافع بن ازرق اور نجدہ بن عویمر چند خوارج کی معیت میں طلب علم کے لئے نکلے اور مکہ پہنچے۔ چاہ زمزم کے نزدیک عبداللہ بن عباس سے ملاقات ہوئی۔ لوگ ان سے تفسیر قرآن سے متعلق سوالات کر رہے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ نافع نے ابن عباس سے چند الفاظ کے معانی پوچھے۔ نافع نے سوال کیا' کیا عرب نزول قرآن سے پہلے بھی اس سے آشنا تھے؟ ابن عباس نے کہا ہاں! پھر اس کی تائید میں ایک شعر پڑھا۔ نافع اور اس کے رفقاء ابن عباس کے علم و فضل کی تعریف کرنے لگے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی و عمر اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ معمر کا قول ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا علم ان تینوں سے ماخوذ ہے۔ ابن عباس نے معاذ بن جبل اور ابوذر غفاری سے بھی روایت کی ہے۔ ابن عباس سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن عمر' انس بن مالک' سہل بن حنیف اور ان کے آزاد کردہ غلام عکرمہ جیسے اکابر شامل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس کو حنین طائف فتح مکہ اور حجۃ الوداع میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی معیت میں آپ نے افریقہ کی فتوحات میں حصہ لیا۔ جنگ جمل و صفین میں ابن عباس حضرت علی کے حامیوں کے ساتھ شریک تھے۔ حضرت علی نے ابن عباس کو بصرہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔

Marfat.com

زندگی کے آخری دور میں ان کی بصارت جاتی رہی ان کے باپ اوردادا کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا آپ نے ۶۸ھ میں طائف میں وفات پائی محمد بن حنفیہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی [1]

۶ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

یہ چھٹے کثیر الروایہ صحابی ہیں ان کی مرویات کی تعداد ۱۵۴۰ ہے۔ ان کے والد کا نام ونسب عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری ہے۔ بنوسلمہ انصار کی ایک شاخ تھی۔ اس کی طرف نسبت کرکے ان کے والد کو سلمیٰ کہا جاتا ہے حضرت جابر نے اپنے والد اور ماموں کے ہمراہ ان ستر انصار کے ساتھ عقبہ ثانیہ میں شرکت کی تھی جنہوں نے آنحضور ﷺ کی نصرت و رفاقت اور دین اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی بیعت کی تھی۔

جابر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر واحد کے سوا سب غزوات میں شریک ہوئے تھے وہ خود فرماتے ہیں:

> "میں نے انیس لڑائیوں میں آنحضور ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ غزوہ احد و بدر میں اس لئے شریک نہ ہوسکا کہ میرے والد نے مجھے روک دیا تھا۔ جب والد شہید ہوگئے تو میں کسی لڑائی میں آپ سے پیچھے نہ رہا۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ دیار مصر و شام بھی گئے تھے۔ لوگوں نے وہاں ان سے خوب استفادہ کیا۔ مسجد نبوی میں ان کا ایک خاص حلقہ ہوتا تھا جس میں لوگ جمع ہوتے اور ان کے علم وتقویٰ سے مستفید ہوتے تھے۔ آپ مدینہ میں ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ اس وقت کے والی مدینہ ابان بن عثمان نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

مشہور یہ ہے کہ حضرت جابر تک پہنچنے والی صحیح ترین سند وہ ہے جس کو اہل مکہ بطریق سفیان بن عیینہ از عمرو بن دینار از جابر روایت کرتے ہیں [2]

۷ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

یہ ساتویں کثیر الروایہ صحابی ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد ۱۱۷۰ ہے۔ جب لوگ

---

[1] دیکھئے ترجمہ ابن عباس الاصابہ نمبر ۴۷۷۲ نیز حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۴ ونکت الہمیان ص ۱۸۰

[2] ترجمہ جابر الاصابہ ج ۱ ص ۲۱۳ وتہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۴۲

Marfat.com

ان سے حدیثیں پوچھ کر لکھنا چاہتے تو یہ ان سے کہتے ''حدیثیں مت لکھو اور ان کو قرآن نہ بناؤ۔ البتہ ہم سے سن کر یاد کر لو جس طرح ہم نے یاد کی ہیں۔'' یہ نام کے بجائے اپنی کنیت سے زیادہ مشہور تھے۔ ان کا نام ونسب سعد بن سنان اور کنیت ابوسعید ہے۔ ان کے والد مالک بن سنان غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ ان کو خدری اس لئے کہتے ہیں کہ ان کا نسب خدرہ بن عوف بن حارث بن خزرج سے جا ملتا ہے خزرج کو ابجر بھی کہا جاتا ہے۔

ابوسعید کے والد نے غزوہ احد کے دن ان کو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ ان کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی ابوسعید کی قوت و طاقت کی تعریف کرتے ہوئے ان کے والد نے کہا حضور! ابوسعید جسیم اور فربہ اندام ہے مگر آپ نے کم عمر سمجھ کر واپس کر دیا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں شامل تھے جنہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ دینی امور میں وہ کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔ اس بیعت میں حضرت ابوذر غفاری سہل بن سعد عبادہ بن صامت اور محمد بن مسلمہ شریک تھے ابوسعید خدری نے غزوہ بنی المصطلق اور غزوہ خندق میں شرکت کی تھی۔ اس کے بعد وہ بارہ لڑائیوں میں شریک ہوئے۔

ابوسعید خدری نے متعدد صحابہ سے روایت کی ہے۔ صحابہ میں ان کے مشہور ترین اساتذہ میں ان کے والد مالک بن سنان ان کے بھائی قتادہ نیز حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وابوموسیٰ اشعری وزید بن ثابت وعبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم جیسے اکابر شامل ہیں۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسماء قابل ذکر ہیں:

ابوسعید کے بیٹے عبدالرحمٰن، ان کی بیوی زینب بنت کعب وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس وابوالطفیل ونافع وعکرمہ۔

ایک روز ابوسعید خدری اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کا ہاتھ پکڑ کر بقیع کی طرف لے گئے اور وصیت کرتے ہوئے کہا:

Marfat.com

''میرے بیٹے جب میں مر جاؤں تو مجھے یہاں دفن کر دینا۔ میری قبر پر خیمہ نہ بنانا۔ جنازہ کے ہمراہ قبرستان میں آگ نہ لے جانا۔ نوحہ گر عورتوں کو مجھ پر رونے نہ دینا کسی کو میری موت کی اطلاع نہ دینا۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جیسے عابد وزاہد اور عالم باعمل نے ۷۴ھ میں وفات پائی۔[1]

مشاہیر صحابہ

۸ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

آپ کا نام ونسب عبداللہ بن مسعود بن غافل ہذلی اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ان کا چھٹا نمبر تھا۔ آپ نے دو دفعہ ہجرت حبشہ کی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شامل ہوئے غزوہ بدر میں ابوجہل پر فوراً جھپٹے اور اسے قتل کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے جنتی ہونے کی شہادت دی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''چار صحابہ سے قرآن سیکھو۔ یعنی عبداللہ بن مسعودؓ سالم مولیٰ ابوحذیفہؓ معاذ بن جبل اور ابی بن کعب سے''

محدثین جب عبداللہ کا لفظ علی الاطلاق بولتے ہیں تو اس سے عبداللہ بن مسعود مراد لیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پنڈلیاں بہت دبلی پتلی تھیں اس لئے صحابہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو فرمایا:

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ پنڈلیاں میزان میں احد کے پہاڑ سے زیادہ وزنی ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ کا قاضی اور خازن مقرر کیا۔ آپ تقویٰ اور زہد و عفت کی زندہ تصویر تھے۔

---

[1] دیکھئے ترجمہ ابی سعید خدری تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۷۹ وحلیۃ الاولیاء ج ۱۔ ص ۳۶۹ نیز صفۃ الصفوہ ج ۱ ص ۲۹۹

Marfat.com

آپ تک پہنچنے والی صحیح ترین سند مندرجہ ذیل ہے۔

''سفیان ثوری از منصور بن معتمر از ابراہیم از علقمہ از ابن مسعود''

ضعیف ترین سند یہ ہے۔

''شریک از ابی فزارہ از ابی زید از ابن مسعود''

حضرت عبداللہ بن مسعود نے حضرت عمرؓ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما سے حدیثیں روایت کیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں۔

عبادلہ اربعہ' انس بن مالک' جابر بن عبداللہ' ابوموسیٰ اشعری' علقمہ' مسروق' قاضی شریح وعلاوہ ازیں۔ آپ کی مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے۔

آپ مدینہ میں آ کر بیمار پڑے اور ۳۲ھ میں وفات پائی بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئے عثمان بن عفان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔[۱]

۹ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

یہ فقہاء عبادلہ (عبداللہ کی جمع) میں سے ایک تھے اپنے والد سے پہلے اسلام لائے اور فتح مکہ سے پہلے عازم مدینہ ہوئے۔ یہ بڑے عابد و زاہد اور نماز روزہ کے پابند تھے۔ حدیث نبوی سے والہانہ شغف رکھتے تھے آپ نے ۷۰۰ حدیثیں روایت کیں۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حدیثیں لکھنے کی اجازت عطا فرمائی تو آپ سے حدیثیں سن کر انہوں نے جمع کرنا شروع کیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اصحاب رسول میں عبداللہ بن عمرو کے سوا مجھ سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔''

حضرت عبداللہ نے عمر فاروق' ابوالدرداء' معاذ بن جبل' عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم

---

[۱] دیکھئے ترجمہ عبداللہ بن مسعود الاصابہ نمبر ۴۹۴۵ نیز طبقات القراء ج ۱ ص ۴۵۸ و حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۲۴

Marfat.com

اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل اکابر قابل ذکر ہیں۔

عبداللہ بن عمرؓ سائب بن یزید سعید بن مسیب طاؤس عکرمہ وعلاوہ ازیں۔

ان کی صحیح ترین سند وہ ہے جس کو عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ ان کے داد عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن عمروؓ نے ۴۳ھ میں فسطاط کے محاصرہ کے زمانہ میں وفات پائی۔[1]

۱۵ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

ابوذر کنیت اور نام جندب بن جنادہ تھا جنادہ ان کے دادا کا نام ہے جو قبیلہ غفار و کنانہ سے تعلق رکھتے تھے یہ بعثت نبوی سے قبل بھی کثرت عبادت میں مشہور تھے۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر تھا۔ غزوہ خندق کے بعد ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ یہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے آنحضور ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی کہ پوری بے باکی سے حق بیان کریں گے اور اس ضمن میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بڑے زاہد مرتاض تھے۔ توکل کا یہ عالم تھا کہ کل کا خرچ بھی اپنے پاس نہ رکھتے۔ خلافت عثمانی میں حضرت ابوذر نے اپنے حد سے بڑھے ہوئے زہد وتقویٰ اور انسانیت نوازی کے پیش نظر ایک خاص نقطہ نظر کی دعوت دینی شروع کی۔ یہ زاویہ نگاہ بڑی حد تک اشتراکیت سے ملتا جلتا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی یہ ادا پسند نہ آئی اور ان کو ربذہ نامی مقام کی طرف جلاوطن کر دیا۔

ابوذر نے ۳۲ھ میں ربذہ ہی میں وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے پڑھائی جو اتفاقاً ربذہ سے گزر رہے تھے۔

ابو ذر غفاری نے حضرت عمرؓ ابن عباسؓ ابن عمر رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ سے

---

[1] دیکھئے ترجمہ عبداللہ بن عمرو الاصابہ نمبر ۴۸۳۸ وطبقات ابن سعد ج ۴ ق ۲ ص ۱۳۸ نیز حلیۃ الاولیاء ج اص ۲۲۸۔

Marfat.com

حدیثیں روایت کیں۔ آپ سے احنف بن قیس عبدالرحمٰن بن غنم عطاء اور دوسرے لوگوں نے روایت کی۔

ابوذر غفاری تک پہنچنے والی صحیح ترین سند وہ ہے جو اہل شام بطریق سعید بن عبدالعزیز از ربیعہ بن یزید از ابی ادریس خولانی از ابوذر روایت کرتے ہیں۔ مرویات کی تعداد ۲۸۱ ہے۔[۱]

III سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

نام ونسب سعد بن ابی وقاص بن اہیب زہری اور کنیت ابواسحاق ہے آپ عشرہ مبشرہ میں شامل تھے آپ وہ اولین شخص ہیں جس کو سب سے پہلے خدا کی راہ میں تیر لگنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جن لوگوں کو اسلام میں سبقت کرنے کا فخر حاصل ہوا ان میں آپ کا چوتھا نمبر تھا۔ آپ سترہ سال کی عمر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ مشرف باسلام ہوئے۔

آنحضور ﷺ کی رفاقت میں تمام غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں نمایاں جوہر دکھائے۔ آپ بنو زہرہ کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی والدہ محترمہ بھی اسی قبیلہ سے تھیں نبی کریم ﷺ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

"یہ میرے ماموں ہیں کوئی مجھے ایسا ماموں دکھائے تو"

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا تھا جس کو فتح ایران کے لئے بھیجا تھا چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ میں ایرانیوں کو قادسیہ کے مقام پر شکست فاش دی پھر ۱۶ھ میں جلولا کے مقام پر ایرانیوں کو بھگایا۔ ۱۷ھ میں مدائن فتح کیا اور کوفہ کا شہر آباد کیا۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد ہائے خلافت میں عراق کے والی تھے۔ حضرت سعد ان چھ بزرگوں میں شامل تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ حضرت عثمان کی شہادت کے نتیجہ میں جن فتنوں

---

۱ دیکھئے ترجمہ ابوذر غفاری الاصابۃ ج ۷ ص ۶۰ وطبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۶۱۔ ۱۷۵ نیز حلیۃ الاولیاء ج۔ ۱ ص ۱۵۶

Marfat.com

نے سر نکالا آپ ان سے الگ رہے اور اپنے گھر سے باہر تک نہ نکلے۔ یہاں تک کہ ۵۵ھ میں بمقام عقیق وفات پائی اور بقیع کے قبرستان میں دفن کئے گئے جن دس صحابہ کو آپ نے جنت کی بشارت دی تھی حضرت سعد ان سب کے آخر میں فوت ہوئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس عبداللہ بن عمر اور خولہ بنت حکیم سے حدیثیں روایت کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل اکابر کے نام قابل ذکر ہیں۔

مجاہد، علقمہ بن قیس، سائب بن یزید۔

ان کی صحیح ترین سند وہ ہے جو علی بن حسین بن علی (زین العابدین) نے سعید بن مسیب سے اور انہوں نے سعد سے روایت کی ہے۔

آپ کی مرویات کی تعداد ۲۷۰ ہے۔[۱]

۱۲ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

یہ صحابہ میں فقیہ کے طور سے مشہور تھے ان کا نام و نسب معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس خزرجی اور کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام لائے۔ عقبہ ثانیہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئے اور تمام غزوات میں شرکت کی۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن کریم اور دینی تعلیم دینے کے لئے یمن بھیجا حضرت معاذ سوار تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاپیادہ ان کو الوداع کہنے گئے آپ فرماتے جاتے تھے "مجھے تم سے محبت ہے" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ خلافت صدیقی تک یمن میں لوگوں کو تعلیم دیتے رہے۔ پھر ہجرت کر کے شام چلے گئے۔

حضرت معاذ ان صحابہ میں شامل تھے جنہوں نے عہد رسالت میں قرآن کریم جمع کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

۱۔ دیکھئے ترجمہ سعد رضی اللہ عنہ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۸۳ وحلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۹۲ وصفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۳۸ عبدالحمید السحار نے حضرت سعد کے بارے میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔

Marfat.com

''معاذ حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم ہیں۔''

حضرت معاذ نے عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر سے حدیثیں روایت کیں آپ سے انس بن مالک مسروق اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ نے روایت کی جب ۱۸ھ میں اردن میں طاعون عمواس پھیلا تو اس میں حضرت معاذ نے وفات پائی' ان کی عمر اس وقت بتیس برس تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

''عورتیں معاذ سا فرزند جننے سے قاصر ہیں۔ اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر تباہ ہو جاتا۔'' [۱]

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

نام ونسب عویمر بن زید بن قیس ہے۔ آپ کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور تھے۔ آپ انصاری تھے اور خزرج کے قبیلہ سے وابستہ تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر قرآن یاد کیا۔ غزوہ احد میں شہسواری کے خوب جوہر دکھائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا:

((نِعْمَ الْفَارِسُ عُوَيْمِرٌ))

''عویمر بہت عمدہ سوار ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالدرداء اور سلمان فارسی کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ خلافت عثمانی میں ابوالدرداء شام کے قاضی مقرر کیے گئے آپ اہل شام کے مفتی اور اہل فلسطین کے فقیہ تھے۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ اور زید بن ثابت سے حدیثیں روایت کیں۔ ان سے ان کے بیٹے بلال اور بیوی ام الدرداء نے روایت کی۔ مرویات کی تعداد ۱۷۹ تک پہنچتی ہے مسروق رحمہ اللہ ان کے بارے میں کہتے ہیں۔

''میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو چھ آدمیوں کے پاس پایا ان میں سے ایک ابوالدرداء تھے''

آپ نے ۳۲ھ میں بمقام دمشق وفات پائی۔ [۲]

۱۔ دیکھیے ترجمہ معاذ الاصابہ نمبر ۸۰۳۹ واسد الغابہ ج ۴ ص ۳۷۶ وطبقات ابن سعد ج ۳ ق ۲ ص ۱۲۰

۲۔ دیکھیے ترجمہ ابوالدرداء الاصابہ نمبر ۶۱۱۹ نیز الاستیعاب ج ۳ ص ۱۵ وطبقات القراء ج ۱ ص ۶۰۶

Marfat.com

فصل : ۴

بعض کبار تابعین کا تعارف

① سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ

بقول امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سعید بن مسیب افضل التابعین تھے۔ آپ کا نام و نسب سعید بن مسیب ابن حزن قرشی مخزومی ہے۔ آپ کا باپ اور دادا دونوں صحابی تھے۔ آپ خلافت فاروقی کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں طلب حدیث کا شوق پڑ گیا۔ اور اس دھن میں سفر و سیاحت کا آغاز کر دیا۔

مکحول ان کے بارے میں کہتے ہیں:

''میں نے علم کی تلاش میں زمین کا چپہ چپہ چھان مارا مگر سعید بن مسیب سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پایا''

علی بن مدینی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک تابعین میں سعید سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ جب سعید کسی بات کو سنت قرار دیں تو اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ سعید سب تابعین سے بزرگ تر ہیں۔''

سعید بن مسیب کے زہد و تقویٰ کے بارے میں مشہور ہے کہ دو درہم مہر کے عوض اپنی بیٹی کثیر بن ابی وداعہ کے نکاح میں دے دی اور عبدالملک بن مروان کی یہ درخواست ٹھکرا دی کہ اس کے بیٹے ولید کو شرف دامادی بخشا جائے جب عبدالملک نے اپنے بیٹے ولید کی بیعت لینا چاہی تو عامل مدینہ نے عبدالملک کے حکم سے آپ کو پیٹا اور تلوار دکھا کر بیعت پر راضی کرنا چاہا مگر آپ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔

Marfat.com

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مرسلاً اور حضرت عمر و عثمان ابوہریرہ زید بن ثابت و حضرت عائشہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے براہ راست سن کر روایت کرتے ہیں۔ آپ سے سالم بن عبداللہ زہری قتادہ شریک ابوالزناد اور بہت سے لوگوں نے حدیثیں روایت کیں۔ آپ نے ۹۴ھ میں وفات پائی۔[1]

۲ نافع مولیٰ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ

یہ بڑے قابل اعتماد فقیہ تھے ان کا نام ونسب نافع بن ہرمز اور بعض کے نزدیک بن کاؤس ہے۔ کنیت ابوعبداللہ اور نسبت مدنی ہے یہ کسی لڑائی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مل گئے تھے جب حضرت عبداللہ نے ان کا علمی ذوق وشوق اور روایت کرنے کی استعداد ملاحظہ کی تو فرمایا:

''نافع عنایت کر کے اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا کرم فرمایا''

نافع بڑے خلوص کے ساتھ تیس سال تک حضرت ابن عمر کی خدمت کرتے رہے ، بعض کے نزدیک نافع نیسابور کے رہنے والے تھے بعض ان کو کابلی الاصل بتاتے ہیں۔

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

''نافع دیلمی ہیں اور ان میں تتلاپن پایا جاتا ہے۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نافع کے شاگرد رشید تھے بلکہ بقول امام نسائی آپ نافع کے ثقہ ترین تلمیذ تھے۔

امام بخاری نے اسی کے پیش نظر فیصلہ کیا ہے کہ:

''صحیح ترین سند مالک از نافع از ابن عمر ہے۔''

نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ ابوسعید خدری' حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم سے مرسلاً روایت کی ہے۔ نافع سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن دینار زہری اوزاعی ابن اسحاق صالح بن کیسان اور ابن جریج کے نام قابل ذکر ہیں۔

---

[1] دیکھیے ترجمہ ابن المسیب در طبقات ابن سعد ج ۵۔ ص ۸۸ و حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۶۱ نیز ابن خلکان۔ ج ۱۔ ص ۲۰۶

Marfat.com

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نافع کو بہت چاہتے تھے ایک شخص نے نافع کے عوض ان کو تیس ہزار (درہم یا دینار) کی پیشکش کی تھی مگر آپ نے اسے ٹھکرا دیا اور رضائے الٰہی کے لئے آزاد کر دیا۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث وفقہ کی تعلیم دینے کے لئے ان کو مصر بھیجا تھا۔ نافع ۱۱۷ھ میں فوت ہوئے [1]

۴۳ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ

یہ بڑے عابد وزاہد اور فقیہ تھے ان کے والد سیرین انس بن مالک کے آزاد کردہ غلام تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا۔ حضرت خالد نے سرزمین عراق کے شہر ''عین التمر'' میں مقام انبار کے نزدیک ان کو قیدی بنایا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سیرین کو کچھ مال کے عوض آزاد کرنے کی پیشکش کی جو انہوں نے ادا کر کے آزادی حاصل کر لی۔ محمد بن سیرین کی والدہ کا نام صفیہ تھا جو حضرت ابو بکر کی آزاد کردہ تھیں۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ خلافت عثمانی کے آخری دو سالوں میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ یہ تیس صحابہ سے مل چکے تھے۔ مگر حضرت ابو بکر اور ابوذر غفاری سے نہ مل سکے۔ موصوف نے بلا واسطہ ابن عباس' ابوالدرداء' عمران بن حصین اور حضرت عائشہ سے حدیثیں نہیں سنیں۔ یہ ان سب سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ البتہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ زید بن ثابت' انس بن مالک' ابو ہریرہ' حذیفہ بن یمان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے براہ راست سن کر مسنداً روایت کرتے ہیں۔

محمد بن سیرین سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل نام قابل ذکر ہیں:
شعبی' اوزاعی' عاصم الاحول' مالک بن دینار' خالد الحذاء۔

ہشام بن حسانؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں جن لوگوں سے ملا ہوں محمد بن سیرین ان میں سب سے زیادہ سچے تھے۔''

---

[1] دیکھئے ترجمہ نافع در تہذیب الاسماء۔ ج ۱۰۔ ص ۴۱۲ نیز الوفیات۔ ج ۲۔ ص ۱۵۰

Marfat.com

ابوعوالہ کہتے ہیں:

''میں نے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ہے انہیں دیکھ کر خدا یاد آ جاتا ہے۔''

ابن سعد فرماتے ہیں:

''محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بڑے ثقہ قابل اعتماد بلند قدر امام اور کثیر العلم تھے۔''[1]

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ

زہری بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ نام ونسب محمد بن مسلم بن عبداللہ ہے لیث بن سعد ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں نے زہری سے زیادہ جامع عالم اور کوئی نہیں دیکھا جب فضائل اعمال کی حدیثیں بیان کرتے تو یوں نظر آتا کہ آپ اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ جب قرآن و حدیث سے متعلق باتیں کرتے تو آپ کی گفتگو میں بڑی جامعیت ہوتی تھی۔''

زہری حجاز وشام کے وسط میں ''ایلہ'' نامی گاؤں میں سکونت گزیں تھے۔ مگر آپ کی شہرت دور دور پہنچی ہوئی تھی۔ آپ علماء حجاز وشام کا مرکز و مرجع تھے آپ نے سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں شام کے ایک سرحدی گاؤں ''شعبدا'' میں آٹھ سال گزارے اور اسی جگہ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ بعض علماء کے نزدیک آپ ۱۲۵ھ میں فوت ہوئے۔

زہری جو حدیثیں سنا کرتے تھے ان کو جمع کرتے جاتے تھے صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''میں اور زہری دونوں اکٹھے پڑھا کرتے تھے' زہری کہنے لگے آؤ ہم حدیثیں لکھ لیا کریں۔ پھر کہنے لگے آؤ ہم اقوال صحابہ بھی لکھ لیں چنانچہ زہری نے یہ سب کچھ لکھ لیا اور میں نے نہ لکھا' اس لئے وہ کامیاب رہے اور ہم نے سب کچھ ضائع کر دیا۔''

---

[1] دیکھئے ترجمہ ابن سیرین تہذیب التہذیب ج ۹۔ ص ۲۱۴ نیز الوفیات ج ۱۔ ص ۴۵۳ و تاریخ بغداد ج ۵۔ ص ۳۳۱

Marfat.com

امام زہری رحمہ اللہ کی قوت حافظہ کے سلسلہ میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے زہری سے کہا کہ میرے ایک بچے کو کچھ املاء کرائیں امام زہری نے اس کو چار سو حدیثیں لکھوا دیں اور چلے گئے۔ ہشام نے محدثین کو بلا کر وہ چار صد حدیثیں لکھوا دیں۔ ایک ماہ بعد زہری ہشام سے ملے تو ہشام نے کہا وہ کتاب جس میں حدیثیں درج تھیں مجھ سے ضائع ہو گئی زہری نے وہ حدیثیں پھر لکھوا دیں۔ ہشام نے جب ان کا تقابل سابقہ کتاب کے ساتھ کیا تو ایک حرف کا بھی فرق نہ پایا۔ ہشام ان کے علم سے اس قدر متاثر ہوا کہ انہیں اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کیا۔

حدیث نبوی کے حفظ و ضبط میں اسی توجہ اور اعتناء کے پیش نظر عمرو بن دینار زہری کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں نے حدیث نبوی کی روایت باللفظ کا زہری سے زیادہ اہتمام کرنے والا نہیں دیکھا''

زہری اس بات کے ہمیشہ حریص ہوا کرتے تھے کہ حدیث کے الفاظ میں ادنیٰ تغیر بھی رونما نہ ہو۔ آپ کی مرویات کی تعداد تقریباً ۱۲۰۰ ہے جس میں نصف مسند ہیں زہری نے عبداللہ بن عمر عبداللہ بن جعفر، سہل بن سعد، عروہ بن زبیر اور عطاء بن ابی رباح سے حدیثیں روایت کی ہیں آپ عبادہ بن صامت، ابوہریرہ، رافع بن خدیج اور دیگر صحابہ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک زہری کی صحیح ترین سند ''زہری از سالم از والد خود ہے۔'' ابوبکر ابن ابی شیبہ کے نزدیک ان کی صحیح ترین سند یہ ہے:

''زہری علی بن حسین سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے۔''[1]

۵ سعید بن جبیر رحمہ اللہ

یہ بڑے فقیہ قاری اور عابد شب زندہ دار تھے نام و نسب سعید بن جبیر اسدی کوفی

[1] دیکھیے ترجمہ زہری تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۵۔ نیز حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۶۰ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۲۔

Marfat.com

اور کنیت ابو عبداللہ ہے سفیان ثوری ان کو ابراہیم نخعی پر ترجیح دیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ:

''تفسیر کا علم سعید بن جبیر مجاہد عکرمہ اور ضحاک چار آدمیوں سے حاصل کرو۔''

جب عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کوفہ کے قاضی بنائے گئے تو سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ان کے کاتب تھے پھر ابو بردہ بن ابی موسیٰ کے کاتب مقرر ہوئے۔ ابن الاشعث کی بغاوت میں حصہ لینے کے جرم میں حجاج نے ۹۵ھ میں ان کو قتل کر دیا۔

سعید بن جبیر نے عبداللہ بن زبیر' انس بن مالک اور ابو سعید خدری سے براہ راست سن کر حدیثیں روایت کی ہیں۔ البتہ ان کا سماع ابو ہریرہ' ابو موسیٰ اشعری' علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں اس لئے سعید جب ان سے روایت کرتے ہیں تو وہ روایت مرسل ہوتی ہے یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ ان کی مرسلات کے بارے میں کہتے ہیں:

''سعید بن جبیر کی مرسلات مجھے عطاء کی مرسل روایات سے زیادہ عزیز ہیں''

سعید بن جبیر سے مندرجہ ذیل اکابر نے حدیثیں روایت کیں:

اعمش' منصور بن معمر' یعلی بن حکیم ثقفی' سماک بن حرب وعلاوہ ازیں۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں:

''سعید بن جبیر نے اس حالت میں وفات پائی کہ ہر شخص ان کے علم کا محتاج تھا۔''[1]

❻ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی نعمان بن ثابت ابن زوطی مولیٰ تیم اللہ بن ثعلبہ کوفی ہے کنیت ابو حنیفہ تھی اور اسی کے ساتھ مشہور تھے آپ فارسی الاصل تھے۔ آپ تابعی تھے کیونکہ آپ نے صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک' سہل بن سعد ساعدی' عبداللہ بن ابی اوفی اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور بعض سے روایت بھی کی تھی بعض علماء کا قول

1. طبقات ابن سعد ج ۶۔ ص ۱۷۸ و تہذیب التہذیب ج ۴۔ ص ۱۱ و طبری ج ۸۔ ص ۹۳

Marfat.com

ہے کہ آپ نے مذکورہ بالا چاروں صحابہ سے روایت کی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء نافع بن ہرمز حماد بن ابی سلیمان عمرو بن دینار رحمہم اللہ اور دیگر اساتذہ سے حدیث وفقہ کا درس لیا۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں امام ابویوسف، زفر، ابو مطیع بلخی، ابن المبارک، حسن بن زیاد، داؤد طائی اور وکیع جیسے اکابر شامل ہیں۔

تمام علماء آپ کی فقاہت کثرت علم وفضل اور زور استدلال کو تسلیم کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''سب لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔''

لیث بن سعد فرماتے ہیں:

''میں مدینہ میں امام مالک سے ملا اور عرض کی کہ آپ پیشانی سے پسینہ کیوں پونچھ رہے ہیں؟ فرمانے لگے ابوحنیفہ سے مل کر (بحث وتمحیص کی وجہ سے) مجھے پسینہ آ گیا۔ اے مصر کے رہنے والے لیث! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابو حنیفہ بڑے فقیہ ہیں۔ پھر میں نے امام ابوحنیفہ سے مل کر کہا کہ مالک آپ کے بارے میں عمدہ رائے کا اظہار کرتے ہیں تو جناب امام نے فرمایا ''میں نے امام مالک سے بڑھ کر جلد اور صحیح جواب دینے اور نقد وتبصرہ کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔''

اس میں شبہ نہیں کہ محدث ہونے کی نسبت آپ میں فقاہت زیادہ تھی مگر آپ حدیث دانی میں اس قدر قلیل الفہم بھی نہ تھے جیسا کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے محمد بن محمود خوارزمی نے آپ کی روایت سے پندرہ مسانید جمع کی ہیں۔ امام محمد بن حسن کی کتاب الآثار میں بہت سی احادیث ہیں جو موصوف نے امام صاحب سے اخذ کیں۔ مگر یہ درست ہے کہ علم فقہ کا آپ پر غلبہ تھا۔ امام صاحب کے لئے یہی فخر کافی ہے کہ آپ حنفی مذہب کے بانی اور امام اہل الرائے تھے یہ فقہی مذہب آپ ہی کے نام سے موسوم ہوا۔

Marfat.com

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے پاک باز اور متقی تھے اپنے ہاتھ سے کماتے اور تحفے تحائف قبول نہیں کرتے تھے ان کے خیال میں علماء کا مقام اس سے کہیں زیادہ اونچا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرتے پھریں۔ ابوجعفر منصور نے جب بزور آپ کو قاضی بنانا چاہا اور آپ نے اسے قبول نہ کیا تو اس نے آپ کو قید کر دیا اور روزانہ دس کوڑے جسد اطہر پر مارنے کا حکم دیا مگر آپ کسی طرح راضی نہ ہوئے اور بغداد میں بحالت قید وحبس ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ افقہ الناس تھے میری آنکھوں نے آپ جیسا فقیہ نہیں دیکھا۔ اگر ابوحنیفہ نہ ہوتے تو میں ایک عامی آدمی ہوتا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے پاک باز سخی اور مسائل کی گہرائی تک پہنچنے والے تھے۔''[1]

---

[1] دیکھئے ترجمہ ابوحنیفہ تاریخ بغداد ج ۱۳، ص ۳۲۳-۴۲۳ نیز الوفیات ج ۲ ص ۱۶۳۔ نیز الجواہر المضیہ ج ۱، ص ۲۶

Marfat.com

فصل : ۵

بعض اتباع تابعین کا تعارف

① امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

آپ امام اہل مدینہ اور امیر المومنین فی الحدیث تھے۔ نام ونسب مالک بن انس بن عامر ہے چونکہ آپ یمنی سلاطین میں سے ایک سلطان ذی اصبح کی نسل سے تعلق رکھتے تھے اس لئے اصبحی کہلاتے تھے آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ امام شافعی آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''مالک تابعین کے بعد خدا کی مخلوق پر حجت ہیں۔''

ابن حبان کا قول ہے:

''مالک تمام فقہاء مدینہ میں علم وفضل عبادت اور تدین کے اعتبار سے ممتاز تھے۔ امام شافعی نے بھی ان ہی سے کسب فیض کیا۔''

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک مالک سے بڑھ کر نہ کوئی زیادہ فصیح تھا نہ وقیع نہ قابل اعتماد اور نہ ایسا کہ علم حدیث میں اس پر بھروسہ کیا جا سکے۔ آپ ضعیف راویوں سے شاذ و نادر ہی روایت کرتے تھے متروک راویوں میں سے آپ صرف عبدالکریم بن ابی مخارق بصری سے روایت کرتے تھے جس نے مکہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ عبدالکریم امام مالک کی طرح مدینہ کا باشندہ نہ تھا وہ بظاہر بڑا بااخلاق اور صاحب عجز و نیاز نظر آتا تھا۔ امام

Marfat.com

صاحب اس کے باطنی احوال سے آگاہ نہ تھے۔ مزید برآں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عبد الکریم سے صرف فضائل اعمال یا کسی حدیث کے متن پر اضافہ سے متعلق احادیث روایت کی ہیں۔"

امام مالک نے جب موطا کو مرتب کیا تو خلیفہ منصور نے جبراً لوگوں سے اس کے مندرجات کی تعمیل کرانا چاہی۔ مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس پر رضامند نہ ہوئے۔ ہم قبل ازیں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ آپ نے موطا کی ترتیب و تہذیب میں چالیس سال کا عرصہ صرف کیا۔ جب فارغ ہوئے تو مدینہ کے ستر فقہاء کو یہ کتاب دکھائی۔ آپ نے ایک لاکھ احادیث سے صحیح حدیثیں منتخب کر کے موطا کو ترتیب دیا تھا ایک ہزار سے زائد تلامذہ نے یہ کتاب آپ سے روایت کی یہی وجہ ہے کہ اس کے نسخوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ تمام نسخوں کی تعداد تیس ہے جن میں سے بیس زیادہ مشہور ہوئے۔ یحییٰ بن یحییٰ لیثی اندلسی مصمودی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت مشہور تر ہے۔

بعض علماء صحاح ستہ کے ساتھ موطا کو شامل کر کے ان سات کتابوں کو حدیث کی اصلی اور بنیادی کتب قرار دیتے ہیں بعض موطا کی جگہ "سنن دارمی" کو رکھتے ہیں۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ موطا کی شان میں فرماتے ہیں:

"موطا حدیث و فقہ دونوں کی کتاب ہے میرے خیال میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔"

موطا میں درج کردہ احادیث سب مسند نہیں بلکہ اس میں مرسل معضل اور منقطع سب قسم کی روایات ہیں بعض علماء کے قول کے مطابق موطا کی احادیث کی تعداد حسب ذیل ہے:

(۱) مسند احادیث ۶۰۰ (۲) مرسل ۲۲۲ (۳) موقوف ۶۱۳ (۴) اقوال تابعین ۲۸۵۔

علماء کا قول ہے کہ امام مالک جہاں "بَلَغَنِیْ" اور "عَنِ الثِّقَۃِ" کہہ کر روایت کرتے ہیں اور کسی کا ذکر نہیں کرتے ایسی روایات موطا میں ۶۱ ہیں مگر اس قسم کی تمام روایات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ کے بغیر مسنداً ذکر کی گئی ہیں (مطلب یہ ہے کہ یہ غیر

Marfat.com

مسند روایات امام مالک کے علاوہ دوسرے محدثین کے نزدیک باسند مذکور و منقول ہیں)
اسی بناء پر امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں موطا کی تمام مرسل معضل اور منقطع روایات کو موصولاً بیان کیا ہے۔

امام مالک کے شیوخ و اساتذہ میں مندرجہ ذیل اکابر شامل ہیں:
نعیم المجمر' زید بن اسلم' نافع' شریک بن عبداللہ' زہری' ابوالزناد' سعید المقبری' حمید الطویل' حذافہ سہمی انصاری۔

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ

آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے بعض اساتذہ بھی شامل تھے۔ مثلاً زہری اور یحییٰ بن سعید۔

اسی طرح آپ کے رفقاء اور معاصرین نے بھی آپ سے کسب فیض کیا۔ مثلاً اوزاعی' ثوری' سفیان بن عیینہ' لیث بن سعد' ابن جریج' شعبہ بن حجاج۔

مندرجہ ذیل مشاہیر نے آپ کے سامنے باقاعدہ زانوئے تلمذ تہہ کیا۔
شافعی' ابن المبارک' ابن وہب' ابن مہدی' قطان' ابواسحاق الفزاری۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔[1]

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام شافعی وہی فاضل یگانہ تھے جس نے کرہ ارضی کو علم سے معمور کر دیا۔ نام و نسب محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہے۔ شافع کی جانب نسبت کر کے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے۔ آپ قرشی مطلبی اور مکی تھے آپ کی والدہ قبیلہ ازد سے تعلق رکھتی تھیں کنیت ابوعبداللہ تھی۔

امام شافعی غزہ کے مقام پر ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے دودھ چھڑانے کے بعد آپ کو مکہ پہنچا دیا گیا چنانچہ مکہ ہی میں آپ نے طلب علم کے مراحل طے کیے سات سال کی عمر

[1] دیکھیے ترجمہ مالک در الدیباج المذہب۔ ص ۱۷۔ ۳۰ و تہذیب التہذیب ۱۰/۵ نیز الوفیات ج ۱۔ ص ۴۳۹

Marfat.com

میں قرآن حفظ کیا پھر مکہ کے ایک قاری اسماعیل بن قسطنطین سے تجوید کا فن سیکھا۔ آپ کے بارے میں منقول ہے کہ رمضان میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔

امام اہل مدینہ مالک بن انس سے حدیث کا درس لیا۔ ابھی تیرہ ہی سال کے تھے کہ چند راتوں میں امام مالک کی کتاب موطا یاد کر کے ان کو سنادی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان بن عیینہ اور عبد الملک بن ماجشون سے بھی حدیثیں روایت کیں۔ فقہ کا درس مسلم بن خالد زنجی سے لیا۔ ابھی آپ کی عمر بیس سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ فقیہ موصوف نے آپ کو فتویٰ نویسی کی اجازت دے دی۔

حدیث و فقہ کے علاوہ امام شافعی بڑے لغوی شاعر اور مناظر بھی تھے چنانچہ علماء عراق و مصر میں سے جو بھی آپ کے سامنے آیا خاموش ہو گیا آپ حجاز و مصر اور عراق کے مختلف فقہی مدرسہ ہائے فکر کی فقہ کے جامع تھے۔

ہارون الرشید کے عہد خلافت میں آپ کو یمن کے علاقہ نجران کا حاکم مقرر کیا گیا بارگاہ خلافت میں یہ شکایت پہنچی کہ امام شافعی خلیفہ بننا چاہتے ہیں چنانچہ آپ کو ۱۸۴ھ میں بغداد میں ہارون کے سامنے پیش کیا گیا۔ خلیفہ کی موجودگی میں آپ نے محمد بن حسن شیبانی سے مناظرہ کیا۔ امام موصوف نے آپ کو بری قرار دیا۔

پھر آپ مکہ پہنچ کر ۱۹۵ھ میں بار دیگر عازم عراق ہوئے۔ اس مرتبہ آپ کی ملاقات امام احمد بن حنبل اور محدث زعفرانی اور کرابیسی سے ہوئی اس کے بعد آپ کبھی مکہ اور کبھی بغداد آتے جاتے رہے اور آخر کار ۱۹۹ھ میں مصر ہی کے ہو کر رہ گئے۔ اور ۲۰۴ھ میں مصر ہی میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۵۴ سال تھی۔ اسحاق بن راہویہ سے دریافت کیا گیا کہ امام شافعی نے اتنی تھوڑی عمر میں اس قدر کتابیں کیسے لکھ ڈالیں؟ موصوف نے جواباً فرمایا:

''چونکہ ان کی عمر تھوڑی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان میں عقل کا جوہر بھر دیا تھا۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف جن کے بارے میں اسحاق بن راہویہ سے پوچھا گیا

Marfat.com

تھا حدیث و تفسیر اور فقہ و ادب سبھی علوم میں ہیں آپ کی مشہور ترین کتاب ''الرسالہ'' ہے جو آپ نے عبدالرحمٰن بن مہدی کی استدعاء پر تحریر کی۔ اس کتاب میں امام شافعی نے تمام بڑے بڑے دینی اصول جمع کر دیئے ہیں ابو عمرو محمد بن جعفر نیسابوری نے امام شافعی کی المبسوط اور کتاب الام میں سے متصل احادیث جمع کر کے ایک مسند ترتیب دی جس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند خیال کیا جاتا ہے ابن الاثیر متوفی ۶۰۶ھ نے مسند مذکور کی ایک شرح تحریر کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ

آپ کے تلامذہ میں مندرجہ ذیل قسم کے اکابر ائمہ شامل ہیں۔

امام احمد بن حنبل' ابو عبید قاسم بن سلام' الحمیدی شیخ البخاری' ابو ثور ابراہیم بن خالد بغدادی' یوسف بن یحییٰ البویطی' حرملہ بن یحییٰ' حسن بن محمد زعفرانی وعلاوہ ازیں۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عظیم حافظ حدیث تھے اور علل حدیث میں ان کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ اسی حدیث کو قبول کرتے جو ان کے نزدیک صحیح ہوتی اور اگر آپ زیادہ عمر پاتے تو ان کے علم میں اور اضافہ ہوتا۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے یہی فخر کافی ہے کہ امام احمد بن حنبل نے ان کی شان میں فرمایا:

''جس شخص نے بھی دوات و قلم سنبھالا امام شافعی کے احسانات اس کے بار گردن ہیں۔''[1]

۴۳ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ عظیم صاحب حفظ و ضبط امام اور حجت تھے نام و نسب سفیان بن سعید بن

[1] دیکھئے ترجمہ شافعی در طبقات الشافعیہ۔ ج ۱۔ ص ۱۸۵ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۹ و تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۲۹ و تاریخ بغداد ۲/ ۵۶۔۷۳

Marfat.com

مسروق کوفی اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ آپ کے والد سعید علماء کوفہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے حدیث نبوی کے ضبط و روایت میں اس حد تک شہرت پائی کہ شعبہ بن حجاج سفیان بن عیینہ اور یحییٰ بن معین ﷭ جیسے محدثین نے آپ کو ''امیر المومنین فی الحدیث'' کے لقب سے سرفراز کیا۔ یہ لقب قبل ازیں امام مالک ﷫ کے حصہ میں آیا تھا۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

''آپ ایک عظیم امام اور دین کے نشانات میں سے ایک نشان کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی امامت پر علماء کا اجماع ہے۔ آپ میں حفظ و اتقان زہد و تقویٰ اور معرفت کے اوصاف اس حد تک موجود تھے کہ اس ضمن میں کسی کی تائید و توثیق کی ضرورت نہیں۔''

سفیان ثوری نے سلیمان بن مہران اعمش، عبداللہ بن دینار، عاصم الاحول، ابن المنکدر اور دیگر محدثین سے حدیثیں روایت کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل اصحاب کے نام قابل ذکر ہیں:

عبدالرحمٰن اوزاعی، مسعر بن کدام، ابان بن عبداللہ احمسی اور علی بن جعد جس نے سب سے آخر میں آپ سے روایت کی۔

عبداللہ بن مبارک ﷫ فرماتے ہیں:

''میں نے گیارہ صد اساتذہ سے حدیثیں روایت کیں مگر کسی کو بھی سفیان سے افضل نہ پایا۔ ایک شخص نے دریافت کیا ابو عبداللہ! آپ نے سعید بن جبیر﷫ جیسے لوگوں کو دیکھا اور تاہم یہ بات کہہ رہے ہیں؟ موصوف نے فرمایا بات وہی ہے جو میں نے کہی۔ میں نے سفیان سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔''

مگر عجیب بات یہ ہے کہ خود عبداللہ بن مبارک ہی کا یہ قول بھی ہے کہ سفیان میں تدلیس کا عیب پایا جاتا تھا چنانچہ فرماتے ہیں:

''میں نے سفیان کو ایک حدیث سنائی جب میں ان کے پاس آیا تو وہ تدلیس (درمیانی واسطہ کو چھوڑ کر اوپر کے اساتذہ کا نام لینا) کے ساتھ حدیث بیان کر

Marfat.com

رہے تھے مجھ کو دیکھ کر شرما گئے اور کہنے لگے ''ہم آپ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔''

اگر مذکورہ بالا روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں اقوال میں جمع و تطبیق کی ضرورت پیش آئے گی۔ اور وہ یوں کہ سفیان جس قسم کی تدلیس کرتے تھے وہ موجب جرح و قدح نہیں ہے۔ مثلاً جب کہ تدلیس کرنے والا صرف ثقہ راویوں سے تدلیساً روایت کرتا ہو۔ اسی لئے انہوں نے ابن مبارک سے کہا تھا ''ہم آپ سے روایت کرتے ہیں'' ان کی مراد اس سے یہ تھی کہ جب اس حدیث کو عبداللہ بن مبارک کی طرف منسوب کر دیا جائے گا تو اس سے اس حدیث کی توثیق ہو جائے گی۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بمقام بصرہ ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے۔[1]

(۴) سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب سفیان بن عیینہ بن میمون ہلالی کوفی اور کنیت ابو محمد ہے۔ ۸۷ تابعین سے ملاقات کی اور ۷۰ سے علمی استفادہ کیا ان کے شیوخ میں جعفر صادق حمید الطویل عبداللہ بن دینار ابو الزناد اور صالح بن کیسان جیسے اکابر علماء شامل تھے ان سے روایت کرنے والوں میں آپ کے شیوخ ہم عصر اور تلامذہ سب شامل تھے۔

مندرجہ ذیل ائمہ قابل ذکر ہیں:

اعمش، مسعر بن کدام، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی رحمہم اللہ۔

سفیان ۱۶۳ھ میں کوفہ سے مکہ منتقل ہو گئے۔ آپ مکہ میں اہل حجاز کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے رہے بڑھاپے میں آپ کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

[1] ترجمہ سفیان ثوری در طبقات ابن سعد۔ ج ۶۔ ص ۲۵۷ و تہذیب التہذیب ج ۴۔ ص ۱۱۱۔ ۱۱۵ نیز الوفیات ج ۱ ص ۲۱۰

Marfat.com

''آپ بڑے حافظ فقیہ امام حجت اور ثقہ راوی تھے آپ کا حافظہ آخری عمر میں بگڑ گیا تھا۔ آپ مدلس تھے مگر آپ کی تدلیس صرف ثقہ راویوں تک محدود تھی۔''

سفیان نے سات ہزار حدیثیں روایت کیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی علمی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر امام مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو اہل حجاز کا علم رخصت ہو گیا ہوتا۔''

امام العجلی ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''سفیان کوفی اور ثقہ راوی ہیں۔''

سفیان بمقام مکہ ۱۶۸ھ میں بعمر ۹۱ سال فوت ہوئے۔[۱]

⑤ لیث بن سعد

آپ دیار مصر کے عظیم محدث تھے نام ونسب لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی اور کنیت ابوالحارث ہے۔ آپ قرقشند میں ۹۴ھ میں پیدا ہوئے آپ بڑے تونگر اور سخی تھے سالانہ آمدن بیس ہزار دینار سے زائد تھی۔ مگر اس کے باوجود آپ کے مال پر کبھی زکوٰۃ فرض نہ ہوئی۔ کیونکہ آپ سب مال خدا کی راہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔

امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے آپ سے بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں۔ امام احمد بن حنبل، شافعی، سفیان ثوری، محدث العجلی اور دیگر علماء نے آپ کو ثقہ راوی قرار دیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لیث امام مالک سے بڑے فقیہ تھے مگر ان کے اصحاب نے ان کو برباد کر دیا۔''

امام مالک اپنی تصانیف میں جہاں یہ فرماتے ہیں کہ ''پسندیدہ اہل علم نے مجھے بتایا'' تو اس سے ان کا اشارہ لیث بن سعد کی جانب ہوتا تھا۔

---

[۱] دیکھئے ترجمہ ابن عیینہ در تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱۔ ص ۲۴۲۔ نیز الوفیات۔ ج ۱ ص ۲۱۰ و میزان الاعتدال ج ۱۔ ص ۳۹۷

Marfat.com

بقول امام نووی لیث تدلیس سے احتراز کیا کرتے تھے مگر اجازہ میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لیث سماع حدیث اور شیوخ کے بارے میں سہل انگاری سے کام لیا کرتے تھے۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''لیث ثقہ ہیں مگر وہ روایت قبول کرنے میں سہل انگاری کا ثبوت دیتے ہیں۔''

علماء نے تصریح کی ہے کہ مصر میں صحیح ترین سند وہ ہے جو لیث بن سعد یزید بن ابی حبیب سے اور وہ ابوالخیر سے اور وہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

لیث نے نافع زہری سعید المقبری اور یزید بن ابی حبیب سے حدیثیں روایت کیں۔ اور ان سے عبداللہ بن مبارک عبداللہ بن وہب اور دیگر راویوں نے استفادہ کیا۔

لیث نے ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔[1]

---

[1] دیکھئے ترجمہ لیث در تاریخ بغداد ج ۱۳۔ ص ۳ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱۔ ص ۲۰۷۔ و تہذیب التہذیب ج ۸۔ ص ۴۵۹ نیز الوفیات ج ۱۔ ص ۴۳۸

Marfat.com

فصل : ٦

اتباع تابعین کے اتباع وتلامذہ کا تعارف

۱ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

آپ بڑے جلیل القدر امام تھے نام ونسب احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال شیبانی مروزی بغدادی اور کنیت ابو عبداللہ ہے جب شکم مادر میں تھے تو والدہ محترمہ مرو میں تھیں پھر بغداد منتقل ہو گئیں اور وہیں ۱۶۴ھ میں آپ پیدا ہوئے آپ کی طالب علمی کا زمانہ زیادہ تر بغداد میں گزرا۔ تاہم اقوال صحابہ وتابعین کی طلب وتلاش میں آپ نے بہت سفر کئے یہاں تک کہ حفظ وضبط میں آپ نے منفرد حیثیت حاصل کر لی۔ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں

کتاب العلل، کتاب الزہد، کتاب التفسیر، الناسخ والمنسوخ، کتاب فضائل الصحابہ، کتاب الاشربہ وعلاوہ ازیں۔

آپ کی عظیم ومشہور ترین تصنیف ''المسند'' ہے اس میں اٹھارہ مسانید شامل ہیں۔ پہلی مسند عشرہ مبشرہ کی روایات پر مشتمل ہے ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند کا دفاع کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اس میں موضوعات نہیں ہیں مزید برآں ابن حجر اپنی کتاب ''تعجیل المنفعہ برجال الاربعہ'' میں لکھتے ہیں کہ مسند میں صرف تین یا چار حدیثیں ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسند ابن حنبل میں چالیس ہزار مرفوع احادیث ہیں۔ مکررات کی تعداد دس ہزار ہے امام احمد کے بیٹے عبداللہ نے اس پر دس ہزار کا اضافہ کیا اسی طرح عبداللہ سے

Marfat.com

روایت کرنے والے احمد بن جعفر القطیعی نے بھی مسند میں اضافہ کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے عبداللہ نے مسند کو مرتب کیا تھا اس لئے اس میں اختلاط ہو گیا اور جناب امام اس کی کانٹ چھانٹ سے قبل فوت ہو گئے۔ حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ مقدسی حنبلی نے مسند کو حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا۔

امام احمد حفظ وضبط کا زندہ پیکر تھے امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ ان کی شان میں فرماتے ہیں:

"آپ کو ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور آپ اپنی یاد سے یہ سب حدیثیں املاء کراتے تھے اس لئے ان کو امیر المومنین کہنے میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔"

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

"آپ عظیم فقیہ اور زبردست حافظ حدیث تھے آپ میں ورع وتقویٰ کے اوصاف پنہاں تھے ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے آپ نے کوڑے کھانے گوارا کئے مگر بدعت سے آلودہ نہ ہوئے اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک قابل اقتداء امام اور مرکز وملجا بنا دیا جس کی جانب رجوع کیا جاتا ہے۔"

جس بدعت کا ذکر محدث ابن حبان نے کیا ہے اس سے فتنہ خلق قرآن مراد ہے۔ آپ نے قرآن کو مخلوق قرار دینے سے انکار کر دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو پیٹا اور قید کیا گیا۔

مشہور عارف وبزرگ بشر بن حارث الحافی فرمایا کرتے تھے:

"امام احمد بھٹی میں داخل ہوئے اور کندن بن کر نکلے۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ پہلے قاضی ابو یوسف کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے پھر امام شافعی سے حدیث وفقہ اور انساب کی تحصیل کرنے لگے۔ عبد الرزاق سے حدیثیں سننے کے لئے یمن کا سفر کیا۔ طلب حدیث میں کوفہ بصرہ جزیرہ مکہ مدینہ اور شام کے دیار وامصار کی خاک چھانی۔

Marfat.com

تلامذہ و اساتذہ

آپ کے اساتذہ میں مندرجہ ذیل اکابر کے نام قابل ذکر ہیں
بشر المفضل رقاشی' سفیان بن عیینہ' یحییٰ بن سعید قطان' عبد الرزاق بن ہمام صنعانی' سلیمان بن داؤد طیالسی' اسماعیل بن علیہ' معتمر بن سلیمان بصری وعلاوہ ازیں۔

آپ کے مشہور تلامذہ حسب ذیل ہیں۔
بخاری' مسلم' ابوداؤد' وکیع بن الجراح' یحییٰ بن آدم کوفی' علی بن المدینی' ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہم۔

آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے اساتذہ تلامذہ اور معاصرین سب شامل تھے۔

آپ نے ۷۷ سال کی عمر میں ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ آپ لاتعداد اوصاف اخلاق کے مالک تھے۔[1]

۴ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاری وہ عظیم امام ہیں حفظ و ضبط میں جن کا کوئی ثانی نہ تھا نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم اور کنیت ابوعبداللہ تھی ابھی دس سال کی عمر کو نہیں پہنچے تھے کہ حدیثیں یاد کرنا شروع کر دیں۔ آپ نے ایک ہزار شیوخ سے حدیثیں لکھیں۔ آپ کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد تھیں آپ نے وہ عظیم کتاب (الجامع الصحیح) مرتب کی جو قرآن کریم کے بعد دنیا میں صحیح ترین کتاب ہے ستر ہزار طلبہ نے آپ سے بخاری شریف کا درس لیا۔ صحیح بخاری کی جمع و تالیف میں آپ نے سولہ سال صرف کئے۔ حفاظ حدیث نے بخاری کی بعض احادیث پر نقد و جرح کی ہے۔ جن احادیث پر تنقید کی گئی ہے ان کی تعداد ۱۱۰ ہے ان میں سے صحیح مسلم میں ۳۲ حدیثیں موجود ہیں علاوہ ازیں ۷۸ احادیث روایت کرنے میں بخاری منفرد ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] ترجمہ امام احمد بن حنبل در تاریخ بغداد ص۔ ۴۱۲ نیز الوفیات ج ا۔ ص ۱۷ و حلیۃ الاولیاء ج ۹۔ ص ۱۶۱

Marfat.com

"جن احادیث پر جرح کی گئی ہے ان میں کوئی ایسی علت قادحہ نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے حدیث کو مجروح قرار دیا جائے ان میں سے اکثر احادیث پر جو اعتراضات وارد کئے گئے ہیں ان کا جواب ممکن ہے احادیث منتقدہ میں بہت کم ایسی ہیں جن کا جواب دینے میں تکلف سے کام لینا پڑتا ہے۔"

صحیح بخاری کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں صاحب کشف الظنون نے بیاسی شروح کا ذکر کیا ہے سب سے افضل حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح الباری ہے قسطلانی کی شرح ارشاد الساری اور علامہ عینی کی شرح عمدۃ القاری کا درجہ فتح الباری کے بعد ہے۔

تصانیف بخاری

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں تاریخ صغیر، تاریخ اوسط، تاریخ کبیر، کتاب الکنیٰ، کتاب الوحدان، کتاب الادب المفرد، کتاب الضعفاء۔

امام ترمذی آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"میں نے علل ورجال کے فن میں بخاری سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔"

محدث ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نیلی چھت کے نیچے میں نے بخاری سے بڑھ کر کسی کو حدیث نبوی کا عالم نہیں پایا۔"

صحیح مسلم کے مولف امام مسلم بن حجاج نے امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی پیشانی چومی اور کہا:

"یا استاذ الاساتذہ! یا سید المحدثین وطبیب الحدیث! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے پاؤں چوم لوں۔"

ہم قبل ازیں یہ واقعہ بیان کر چکے ہیں کہ جب امام بخاری وارد بغداد ہوئے تو وہاں کے علماء نے سو حدیثوں کے متن واسناد کو باہم مخلوط کر دیا تھا امام بخاری نے ہر متن

Marfat.com

کو اس کی سند کے ساتھ لگا دیا۔ علمائے بغداد آپ کے حفظ و ضبط کو دیکھ کر حیران رہ گئے امام موصوف نے طلب حدیث کے سلسلہ میں شام مصر بغداد کوفہ جزیرہ اور بصرہ کے دور دراز سفر کیے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل اکابر علماء سے استفادہ کیا ہے:

ضحاک بن مخلد' مکی بن ابراہیم حنظلی' عبیداللہ بن موسیٰ عبسی' عبدالقدوس بن حجاج' محمد بن عبداللہ انصاری وغیرہم۔

آپ کے تلامذہ میں درج ذیل محدثین کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں

ترمذی' مسلم' نسائی' ابراہیم بن اسحاق' محمد بن احمد دولابی رحمہم اللہ۔

آخری شخص جس نے آپ سے صحیح بخاری روایت کی منصور بن محمد بزدوی متوفی ۳۲۹ھ ہے۔

امام موصوف ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں سمرقند کے قریب ایک گاؤں ''خرتنک'' میں وفات پائی۔[1]

۴ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

آپ اہل الحدیث کے عظیم امام تھے۔ نام و نسب مسلم بن حجاج بن مسلم' نسبت قشیری نیسا بوری اور کنیت ابو الحسین ہے بنو قشیر ایک معروف عربی قبیلے کا نام ہے اس بات پر سب علماء کا اجماع ہے کہ آپ فن روایت اور حدیث میں امامت کے درجہ پر فائز تھے آپ نے طلب حدیث کی راہ میں بڑے سفر کیے چنانچہ خراسان میں یحییٰ بن یحییٰ اسحاق بن راہویہ اور دیگر علماء سے استفادہ کیا۔ رے کے شہر میں محمد بن مہران اور ابوغسان سے حدیثیں سنیں۔ حجاز میں سعد بن منصور و ابو مصعب اور عراق میں امام احمد بن حنبل عبداللہ بن مسلمہ و دیگر محدثین اور مصر میں عمرو بن سواد حرملہ بن یحییٰ اور دیگر اکابر کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔

---

[1] دیکھیے ترجمہ بخاری در تاریخ بغداد ۲/۴۔ ۳۶ و تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۲۔ ص ۲۲ و تہذیب التہذیب ج ۹۔ ص ۴۷ نیز الوفیات ج ۱۔ ص ۴۵۵

Marfat.com

تلامذہ

آپ کے اصحاب و تلامذہ میں مندرجہ ذیل اکابر قابل ذکر ہیں:

امام ترمذی' ابو حاتم رازی' احمد بن سلمہ' موسیٰ بن ہارون' یحییٰ بن صاعد' محمد بن مخلد' ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق' محمد بن عبدالوہاب الفراء' علی بن حسین' حسین بن محمد بن زیاد' ابراہیم بن محمد بن سفیان رحمۃ اللہ علیہم۔

صحیح مسلم مذکورہ اکابر میں سے آخری بزرگ یعنی ابراہیم بن محمد ہی نے روایت کی ہے۔

تصانیف

امام مسلم کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

صحیح مسلم' کتاب العلل' کتاب اوہام المحدثین' کتاب من لیس لہ الا راو واحد' طبقات التابعین' کتاب المخضرمین' کتاب المسند الکبیر علیٰ اسماء الرجال' کتاب الجامع الکبیر۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم اس کائنات ارضی پر قرآن کریم کے بعد صحیح ترین کتب ہیں ان کو قبول عام کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ اکثر محدثین کے نزدیک صحیح بخاری دونوں میں صحیح تر ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو بجا طور پر اپنی تالیف صحیح مسلم پر بڑا فخر تھا کیونکہ اس کی جمع و تالیف میں انہوں نے حد درجہ کاوش اور عرق ریزی سے کام لیا تھا موصوف نے تین لاکھ احادیث سن کر ان میں سے صحیح مسلم کو مرتب کیا تھا آپ فرمایا کرتے تھے۔

"اگر محدثین دو سو سال تک بھی حدیثیں لکھتے رہیں تو ان کا انحصار و مدار صحیح مسلم پر ہی ہوگا۔"

امام مسلم نے پچپن سال کی عمر میں ۲۶۱ھ میں بمقام نیسابور وفات پائی۔[1]

---

[1] دیکھئے ترجمہ مسلم در تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔ ص ۱۵۰ و تہذیب الاسماء ج ۱۰ ص ۱۲۶ نیز الوفیات ج ۲ ص ۹۱

Marfat.com

۴ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام و نسب محمد بن عیسیٰ بن سَورہ ترمذی اور کنیت ابو عیسیٰ ہے ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے بخارا میں اقامت گزین رہ کر حدیثیں بیان کیا کرتے تھے طلب حدیث میں مختلف دیار و امصار کی خاک چھانی' چنانچہ آپ نے خراسانی حجازی اور عراقی علماء سے برابر استفادہ کیا۔ آپ نے امام بخاری مسلم اور اسماعیل بن موسیٰ سدی رحمہم اللہ سے حدیثیں روایت کیں۔

آپ سے روایت کرنے والوں میں ہیثم بن کلیب شاشی مکحول بن فضل محمد بن محبوب محبوبی مروزی راوی سنن ترمذی جیسے اکابر علماء شامل ہیں آپ کی تصانیف میں سے مندرجہ ذیل مشہور ہیں:

کتاب العلل' کتاب الشمائل' کتاب اسماء الصحابہ' کتاب الاسماء والکنیٰ' سنن ترمذی۔

آپ کی مشہور ترین تصنیف جامع ترمذی ہے جس کو سنن ترمذی بھی کہتے ہیں ہم قبل ازیں "حدیث حسن" کی بحث میں واضح کر چکے ہیں کہ سنن ترمذی حدیث حسن کے ضمن میں اصل و اساس کی حیثیت رکھتی ہے ترمذی میں چار قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں:

1. وہ حدیثیں جن کی صحت قطعی و حتمی ہے۔
2. وہ احادیث جو ابوداؤد و نسائی کی شرط کے مطابق ہیں۔
3. وہ حدیث جس کی علت خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کر دی ہو۔
4. چوتھی قسم کے بارے میں ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں وہی احادیث درج کی ہیں جن پر فقہاء نے عمل کیا ہے۔

عبداللہ بن محمد انصاری نے سنن ترمذی کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"سنن ترمذی میرے نزدیک صحیح بخاری سے بھی افضل ہے یہ سن کر محمد بن طاہر مقدسی نے اس کی وجہ پوچھی تو موصوف نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان

Marfat.com

دونوں کتاب سے وہی شخص مستفید ہو سکتا ہے جو فن حدیث سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ ترمذی کی خصوصیت یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی احادیث کی وضاحت کر دی ہے اور ہر چیز کو تفصیلاً بیان کر دیا ہے۔ اس لیے فقہاء و محدثین میں سے ہر شخص اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔''

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کی قدر و قیمت سے بخوبی آگاہ تھے چنانچہ فرمایا کرتے تھے:

''میں نے اس کتاب کو تصنیف کر کے جب علماء حجاز و عراق و خراسان پر پیش کیا تو انہوں نے اس کو پسند کیا جس کے گھر میں یہ کتاب (ترمذی) موجود ہو وہ یوں سمجھے کہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اس کے گھر میں گفتگو فرما رہے ہیں۔''

زندگی کے آخری دور میں آپ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ آپ نے ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔[1]

مترجم:

غلام احمد حریری عفی اللہ عنہ

ڈی......۶۱ پیپلز کالونی فیصل آباد۔

[1] ملاحظہ کیجئے ترجمۂ ترمذی در تہذیب الاسماء ج ۹ ص ۳۸۷ و تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸۷ نیز نکت الھمیان ص ۲۶۴۔

Marfat.com

مآخذ و مصادر

بترتیب حروف تہجی

علی حُرُوف المعجم

[ا] باللغة العَرَبيّة

(۱) الابریز (للسید احمد المبارک) طبع حجر ۱۲۷۸ ھ۔

(۲) الاحکام (للآمدی) مطبعة المعارف ۱۳۳۲ھ۔ ۱۹۱۴م۔

(۳) الاحکام فی اصول الاحکام (لابن حزم) بتحقیق احمد محمد شاکر، ط۔ الخانجی بالقاهرة ۱۳۴۵ ھ۔

(۴) احکام القرآن (لابن العربی) مطبعة السعادة، القاهرة ۱۳۳۱ ھ۔

(۵) اختصار علوم الحدیث لابن کثیر وبهامشه شرحه المسمی (الباعث الحثیث) لاحمد محمد شاکر، القاهرة ۱۳۷۰ ھ۔ ۱۹۵۱ م۔ط ثانیة

(۶) الاستیعاب فی اسمآء الاصحاب (لابن عبدالبر) هامش الاصابة لابن حجر۔ ط۔ مصطفی محمد بالقاهرة ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ م۔

(۷) اسد الغابة فی معرفة الصحابة (لابن الاثیر) القاهرة ۱۲۸۶ ھ فی ۵ مجلدات۔

(۸) الاشباه والنظائر (للسیوطی) الهند ۱۳۵۹ ھ

(۹) الاصابة فی تمییز الصحابة (لابن حجر) بهامشه (الاستیعاب لابن عبد البر) ط۔ مصطفی بالقاهرة ۱۳۵۸ ھ ۔ ۱۹۳۹ م

(۱۰) اصُول السرخسی، القاهرة

(۱۱) اصُول النحو (لسعید الافغانی) مطبعة جامعة دمشق ۱۳۷۶ ھ

Marfat.com

⑫ الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الاٰثار (لابی بکر محمد بن موسٰی الحازمی) القاهرۃ' الطباعة المنیریة ۱۳۴۶ھ۔ الطبعة الاولٰی۔

⑬ اعلام الموقعین عن ربّ العٰلمین (لابن القیم) مطبعة النیل ۱۳۲۵ ھ۔

⑭ اغاثة الهفان لابن القیم' ط۔ المیمنیة بالقاهرۃ۔

⑮ الاغانی (لابی الفرج الاصفهانی) ط۔ بولاق ۱۲۸۵ھ۔ ۲۰ مجلداً

⑯ الف باء ((للبوی) المطبعة الوهبیة بمصر ۱۲۸۷ ھ۔

⑰ الفیة السّیوطی فی مصطلح الحدیث (بشرح محمد محی الدین عبدالحمید) ط۔ مصطفٰی محمد بالقاهره' والیها رجعنا غالبًا (ورجعنا ایضًا الٰی شرح شاکر لهٰذه الالفیه ط۔ القاهرۃ ۱۳۵۳ھ)

⑱ الاقتراح (للسیوطی) مطبعة دائرۃ المعارف بحیدر اٰباد ۱۳۱۰ ھ

⑲ الالماع فی اصول السماع (للقاضی عیاض) مخطوطة الظاهریة حدیث ۴۰۶۔

⑳ الاموال (لابی عبید' القاسم بن سلام) القاهرۃ ۱۳۵۳ ھ

㉑ ایقاظ الهمم (لعلم الدین الفلانی) مطبعة ریاض الهند ۱۲۹۸ ھ۔

㉒ الباعث الحثیث (شرح اختصار علوم الحدیث) تالیف احمد محمد شاکر۔ ط۔ ثانیة' القاهرۃ ۱۳۷۰ ھ۔ ۱۹۵۱ م۔

㉓ تاریخ بغداد (للخطیب البغدادی) ط' الخانجی بالقاهرۃ ۱۳۳۹ ھ ۱۹۳۱ ھ

㉔ التاریخ الصغیر (للامام البخاری) ط۔ الهند ۱۳۲۵ ھ۔

㉕ تاریخ طبری (تاریخ الامم والملوک) ط۔ دی غویه ۱۸۷۹...... ۱۹۰۱م' لیدن۔

㉖ تاریخ الکامل (لابن الاثیر) انظر الکامل۔

㉗ التاریخ الکبیر (للامام البخاری) ط۔ حیدر اٰباد ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱ ھ۔

Marfat.com

(۲۸) تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ، مصر ۱۳۲٦ ھ۔

(۲۹) التدریب: تدریب الراوی شرح "تقریب" النواوی (للسیوطی) ط۔ مصر ۱۳۰۷ ھ۔

(۳۰) تذکرۃ الحفاظ (لشمس الدین الذہبی) ط (۱۳۷۵ ھ۔ ۱۹۵۵ م حیدر آباد)۔ (وانظر ایضًا ط ۱۳۳۴ ھ، وقد استعملناها خاصۃ من اول الکتاب حتی ص ۸۷)۔

(۳۱) تذکرۃ الموضوعات والضعفاء (للعلامۃ المذکور) الطباعۃ المنیریۃ بالقاہرۃ۔

(۳۲) التصحیف والتحریف، وشرح ما یقع فیہ (لابی احمد العسکری) طبعۃ ناقصۃ (نصف الکتاب) القاہرۃ ۱۳۲٦ ھ۔

(۳۳) تفسیر الطبری (جامع البیان فی تفسیر القرآن) القاہرۃ ۱۳۲۱ ھ۔ ۱۹۰۳ م۔ ۳۰ جزءًا فی ۱۰ مجلدات

(۳۴) تفسیر ابن کثیر، مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرۃ، الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۷۳ھ۔

(۳۵) تقریب التہذیب (لابن حجر) طبع حجربدہلی ۱۳۲۰ ھ۔

(۳٦) تقیید العلم (للخطیب البغدادی) بتحقیق الدکتور یوسف العش، دمشق ۱۹۳۹ م۔

(۳۷) تلقیح فہوم اہل الاثر (لابن الجوزی) طبعۃ الہند۔

(۳۸) التہذیب: تہذیب التہذیب (لابن حجر) حیدر آباد ۱۳۲۷ ھ۔

(۳۹) تہذیب الاسماء (للنووی) طبع مصر، اربعۃ اجزاء۔

(۴۰) تہذیب ابن عساکر (لعبد القادر بدران) طبع منہ سبعۃ اجزاء بدمشق ۱۳۲۹ ھ۔ ۱۳۵۱ ھ۔

(۴۱) التوضیح: توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار (لمحمد بن اسماعیل الامیر الحسنی الصنعانی) بتحقیق محمد بن محی الدین

Marfat.com

عبد الحمید، جزء ان، القاهرة، ط ا، ١٣٦٦ هـ۔

۴۲ جامع بيان العلم (لابن عبدالبر) القاهرة، ادارة الطباعة المنيرية، بلا تاريخ۔

۴۳ جامع الترمذی: انظر سنن الترمذی۔

۴۴ الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع (للخطیب البغدادی)۔ مخطوطة البلدية بالاسكندرية (برقم ۳۷۱۱ ج)۔ وقد رجعنا الى النسخة المصورة عن هٰذه المخطوطة التي تفضل باعارتنا اياها الدکتور یوسف العش۔

۴۵ الجرح والتعديل (لابن ابی حاتم) طبع من الجزء الثالث فی مجلدين حيدر آباد ١٣٦٠ هـ۔

۴٦ جمع الجوامع (للسیوطی) مخطوطة الظاهریه، حديث ١٩٦، والموجود منه الجزء ۳۔

۴۷ الجواهر المضية فی طبقات الحنفية (لعبدالقادر بن محمد القرشی) مجلدان۔ طبع حيدر آباد ١٣٣٢ هـ۔

۴۸ حاشية لقط الدرر، بشرح متن نخبة الفكر (لعبد الله بن حسين خاطر السمين العدوی) ط ا، مصطفٰی البابی الحلبی ١٣٥٦ هـ۔ ١٩٣٨م

۴۹ حجة الله البالغة (لولی الله الدهلوی) القاهرة، المطبعة الخيرية ١٣٢٢ هـ (وانظر ایضًا طبعة ١٣۲١ هـ)

۵۰ حصول المأمول من علم الاصول (لصديق حسن خان) مطبع الجوائب بالقسطنطینية ١٢٩٦ هـ۔

۵۱ الحفاظ: انظر تذكرة الحفاظ للذهبی۔

۵۲ حلية الاولياء (لابی نعيم) ١٠ مجلدات طبع بمصر ١٣٥١ هـ۔

۵۳ خزانة الادب (للبغدادی) المطبعة السلفية بالقاهرة ١٣۴٨ هـ۔

Marfat.com

(٥٤) خصائص المسند (لابی موسٰی المدینی) فی مقدمة طبعة احمد محمد شاکر لمسند احمد ج ۱، ص ۱۹ـ ۲۷: انظر مسند احمد۔

(٥٥) خطط المقریزی، بولاق، ۱۲۷۰ھ۔

(٥٦) دلیل الفالحین (لمحمد بن علان الصدیقی) البابی الحلبی بمصر ۱۳۷۴ھ۔ ط ۳۔

(٥٧) الدیباج المذهب فی معرفة اعیان علماء المذهب (المالکی) لابن فرحون، طبع مصر ۱۳۲۹ھ و ۱۳۵۱ھ۔

(٥٨) ذم الکلام (للهروی) مخطوطة الظاهریة، حدیث ۲۳۷۔

(٥٩) الرسالة (للامام الشافعی) طبعة القاهرة۔

(٦٠) الرسالة المستطرفة لبیان مشهور کتب السنة المشرفة (لمحمد بن جعفر الکتانی) ط ۱ـ۱۳۳۲ھ (عنیت بنشرها مکتبة عرفة بدمشق وطبعت فی بیروت)

(٦١) ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین (للنووی) بتعلیق رضوان محمد رضوان، مطبعة الاستقامة بالقاهرة، ط ۳ بدون تاریخ۔

(٦٢) سبل السلام (شرح بلوغ المرام) لمحمد بن اسماعیل الصنعانی طبعة البابی الحلبی ۱۳۶۹ھ۔

(٦٣) السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی (للدکتور مصطفی السباعی) دار العروبة بالقاهرة ۱۳۸۰ھ۔

(٦٤) سنن الترمذی، طبعة بولاق ۱۲۹۲ھ (وانظر هذه السنن بشرح احمد محمد شاکر، صدر منه جزء ان فقط، ط، الحلبی سنة ۱۳۵٦ھ۔

(٦٥) سنن الدارمی، دمشق ۱۳۴۹ھ۔

(٦٦) سنن ابی داؤد، ط ۲ (بتحقیق محمد محی الدین عبدالحمید ۱۳۶۹ھ) ۴ اجزاء۔

Marfat.com

۶۷ سنن ابن ماجه (بتحقیق محمد فواد عبد الباقی) ۱۳۷۳ ھ۔
۶۸ سنن النسائی (بشرح السیوطی وحاشیة السندی) المطبعة المصریة بالازھر۔
۶۹ السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث (لمحمد زبیر الصدیقی) حیدر اباد ۱۳۵۸ ھ۔
۷۰ شذرات الذھب (لابن العماد الحنبلی) ط۔ القدسی ۱۳۵۰ھ وما بعدھا۔
۷۱ شرح الدیباج المذھب فی مصطلح الحدیث (لملا حنفی) بتصحیح علی محفوظ، ط۔ صبیح بالقاھرة۔
۷۲ شرح العراقی علی علوم الحدیث: انظر علوم الحدیث لابن الصلاح۔
۷۳ شرح النخبة: شرح نخبة الفکر فی مصطلح اھل الاثر (لابن حجر) القاھرة ۱۳۵۲ ھ۔ ۱۹۳۴ م۔
۷۴ شرح نھج البلاغة لابن ابی الحدید، طبعة القاھرة۔
۷۵ صحیح البخاری، الطبعة السلطانیة ببولاق ۱۳۱۳ ھ۔
۷۶ صحیح مسلم، دار الطباعة العامرة ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۲ھ، وانظر ایضًا ھذا الصحیح بشرح النووی، مطبعة حجازی بالقاھرة۔
۷۷ صحیفه ھمام بن منبه (بتحقیق الدکتور محمد حمید الله)۔ (من مطبوعات المجمع العلمی العربی بد مشق ۱۳۷۲ھ۔ ۱۹۵۳م۔
۷۸ صفة الصفوة (لابن الجوزی) جزء ان، طبع حیدر آباد ۱۳۵۵ ھ۔
۷۹ ضحی الاسلام (لاحمد امین) ۳ اجزاء، القاھرة ۱۹۳۳۔ ۱۹۳۶ م۔
۸۰ طبقات الحفاظ: انظر تذکرة الحفاظ للذھبی۔
۸۱ طبقات الحنابلة (لابن ابی یعلی) مطبعة الاعتدال، بدمشق، ۱۳۵۰ھ

Marfat.com

(صححها وعلق علیها احمد عبید)

(۸۲) طبقات الزبیدی: طبقات النحویین واللغویین۔

(۸۳) طبقات ابن سعد: انظر الطبقات الکبیر۔

(۸۴) طبقات الشافعیة الکبری (لابن السبکی) القاهرة۔ طبعة الحسینیة، ۱۳۲۴ھ۔

(۸۵) طبقات القراء: انظر غایة النهایة۔

(۸۶) الطبقات الکبیر (لابن سعد) لیدن ۱۹۲۵م۔ ۱۵ مجلدًا (وانظر مقدمة الدکتور احسان عباس لطبعة دار صادر فی بیروت)

(۸۷) عائشة والسیاسة (لسعید الافغانی) التالیف والترجمة والنشر بالقاهرة ۱۹۵۷م ط۲۔

(۸۸) عرض الانوار المعروف بتاریخ القرآن (للاستاذ عبد الصمد صارم) بالهندیة۔ ط۔ دهلی ۱۳۵۹ھ۔

(۸۹) علل الحدیث (للامام احمد بن حنبل) مخطوطة الظاهریة، مجموعة ۴۰۔

(۹۰) علوم الحدیث (لابی عمرو بن الصلاح) بشرح العراقی، المطبعة العلمیة بحلب ۱۳۵۰ھ۔ ۱۹۳۱م۔

(۹۱) غایة النهایة فی طبقات القراء (لابن الجزری) مجلدان۔ طبع بمصر ۱۳۵۱ھ۔

(۹۲) فتح الباری (شرح ابن حجر علی صحیح البخاری) بولاق ۱۳۰۱ھ۔

(۹۳) فتح المغیث (شرح السخاوی علی الفیة العراقی فی مصطلح الحدیث) طبع حجربدهلی۔

(۹۴) الفهرست (لابن الندیم) ط۔ فولجل (FULGEL) لیبسیك۔ ۱۸۷۱۔ ۱۸۷۲م۔ جزء ان فی مجلد واحد۔

Marfat.com

(٩٥) قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث (لعلامة الشام السّيّد جمال الدين القاسمى) مطبعة ابن زيدون بدمشق ١٣٥٣ھ۔ ١٩٢٥ م۔

(٩٦) القول المسدد فى الذب عن المسند (لابن حجر) ط۔ حيدر اباد ١٣١٩ھ۔

(٩٧) الكامل لابن الاثير الجزرى، ١٢ جزءًا القاهرة ١٣٠٣ھ۔

(٩٨) كشف الظنون (لحاجى خليفة) مصر ١٢٧٤ھ۔

(٩٩) الكفاية فى علم الرواية (للخطيب البغدادى) ط۔ دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد ١٣٥٧ھ۔

(١٠٠) كليات ابى البقاء، طبعة الاميرية ١٢٨١ھ۔

(١٠١) كنز العمال فى سنن الاقوال والافعال (للمتقى الهندى) ٨ اجزاء فى ٤ مجلدات، ط۔ حيدر آباد ١٣١٣ھ۔

(١٠٢) اللسان: لسان الميزان (لابن حجر) ط۔ حيدر آباد ١٣٣١ھ۔

(١٠٣) لقط الدرر۔ انظر حاشية لقط الدرر۔

(١٠٤) اللؤلؤ المرصوع فيما لا اصل له او باصله موضوع (لابى المحاسن القاوقجى) وبذيله "الموضوعات للصنعانى" و "منظومة البيقونى" القاهرة، المطبعة البارونية۔

(١٠٥) مباحث فى علوم القران (لمؤلف هذا الكتاب) مطبعة جامعة دمشق الطبعة الثانية ١٣٨١ھ۔ ١٩٦٢ م۔ والطبعة الثالثة فى دار العلم للملايين بيروت ١٣٨٣ھ۔ ١٩٦٤ م۔

(١٠٦) مجلة مجمع اللغة العربية (بحث الاستشهاد بالحديث) للسيّد محمد الخضر حسين، المجلد الثالث، المطبعة الاميرية ومطبعة دار الكتب المصرية۔

(١٠٧) مجلة المنار۔ انظر المنار۔

Marfat.com

(۱۰۸) مجمع الزوائد (لابن حجر الهیثمی) ط۔ حسام الدین القدسی ۱۳۵۲ ھ۔

(۱۰۹) المحدث الفاصل بین الراوی والواعی (للرامهرمزی) مخطوطة الظاهریة حدیث ۴۰۰۔

(۱۱۰) المختصر فی علم رجال الاثر (لعبد الوهاب عبد اللطیف) ط ۳ القاهرة ۱۳۸۱ ھ۔ ۱۹۵۲ م۔

(۱۱۱) المستدرك (للحاکم النیسابوری) ط۔ حیدر آباد ۱۳۳۴ ھ۔ وما بعدها۔

(۱۱۲) المستطرفة: انظر الرسالة المستطرفة۔

(۱۱۳) مسند احمد بن حنبل، القاهرة ۱۳۱۳ ھ۔ ۱۸۹۵ م، ٦ اجزاء (ورجعنا ایضًا الٰی شرح احمد محمد شاکر علی المسند، ط ۳ دار المعارف بالقاهرة ۱۳٦۸ ھ۔ ۱۹۳۹ م، وقد اعجلته منیته عن اتمامه رحمه الله)

(۱۱۴) مسند ابی داؤد الطیالسی، ط۔ حیدر آباد ۱۳۲۱ ھ۔

(۱۱۵) المشتبه فی اسماء الرجال (للذهبی) لیدن ۱۸٦۳ م۔

(۱۱۶) مصادر الشعر الجاهلی (للدکتور ناصر الدین الاسد) القاهرة، دار المعارف، ۱۹۵٦ م۔

(۱۱۷) معادن الجوهر (للامین العاملی) دمشق ۱۳۴۷ھ۔

(۱۱۸) معالم السنن (للخطابی البستی) حلب ۱۳۵۱ ھ۔

(۱۱۹) معجم البلدان (لیاقوت الحموی) نشر وستنفلد (WUSTENFELD) لیبسیك ۱۸٦٦ م۔

(۱۲۰) معرفة علوم الحدیث (للحاکم النیسا بوری) نشر الدکتور معظم حسین، القاهرة ۱۹۳۷ م۔

(۱۲۱) مفتاح السنة (لمحمد عبد العزیز الخولی) ط ۳ مطبعة الاستقامة

Marfat.com

بالقاهرة۔
۱۲۲ مقدمة ابن خلدون، ط۔ مصطفی محمد بالقاهرة، بلا تاریخ۔
۱۲۳ المنار (مجلة): المجلد العاشر، بحث للسید الامام محمد رشید رضا حول کتابة الحدیث۔
۱۲۴ المنهل الحدیث فی علوم الحدیث (لمحمد عبد العظیم، الزرقانی) القاهرة ۱۳۶۶ ھ۔ ۱۹۴۷ م۔
۱۲۵ الموافقات فی اصول الشریعة (للشاطبی) القاهرة، مطبعة مصطفی محمد، اربعة اجزاء۔
۱۲۶ الموضوعات (للفتنی): انظر تذکرة الموضوعات۔
۱۲۷ المیزان: میزان الاعتدال (للذهبی) ط، الخانجی ۱۳۶۵ ھ۔
۱۲۸ المیزان (للشعرانی) طبعة القاهرة۔
۱۲۹ نزهة الالباء (لابن الانباری) نشر علی یوسف۔
۱۳۰ نفح الطیب (للمقری) اربعة مجلدات، طبع بمصر ۱۳۰۲ ھ۔
۱۳۱ نکت الهمیان فی نکت العمیان (لصلاح الدین خلیل بن ایبك الصفدی) طبع بمصر ۱۳۲۹ھ۔ ۱۹۱۱ م۔
۱۳۲ نیل الاوطار (للشوکانی) ۸ اجزاء، المطبعة العثمانیة المصریة بالقاهرة ۱۹۵۷ م۔
۱۳۳ الوثائق السیاسیة فی العهد النبوی (لدکتور محمد حمید الله) القاهرة۔

Marfat.com

ہماری مطبوعات
نامور مصنفین کی نادر تصانیف

مستقل اہمیت کی حامل علمی ادبی دینی طبی درسی

کتابوں کا عظیم مرکز

ملک سنز پبلشرز

کارخانہ بازار فیصل آباد فون: 041-2644375 041-2617986 فیکس: 0092-41-2613842

Marfat.com

علوم القرآن

تصنیف: ڈاکٹر صبحی صالح لبنان یونیورسٹی

ترجمہ: پروفیسر غلام احمد حریری ایم، اے

صدر شعبہ اسلامیات زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

دقیق قرآنی مباحث وموضوعات پر آسان علمی زبان میں ایک معیاری تصنیف ہے
۔یہ کتاب فاضل عرب مصنف ڈاکٹر صبحی صالح کی سالہاسال کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔

قرآن پاک کے تاریخی نزول اور اس کے بے پایاں علوم کے بارے میں تفصیلی مباحث کر کے وحی الٰہی کے اسرار ورموز واضح کئے گئے ہیں تفسیر کے عملی اسباق کی کلید ہونے کی وجہ سے محققین اور طلباء کے افادہ کیلئے پروفیسر حریری صاحب نے نہایت ہی آسان اردو میں منتقل کر کے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔

ناشران

ملک سنز ناشران وتاجران کتب

کارخانہ بازار فیصل آباد فون: 041-2644375

Marfat.com

اسلامی مذاہب

تصنیف: ابوزہرہ مصری

ترجمہ: پروفیسر غلام احمد حریری ایم اے

صدر شعبہ اسلامیات زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

شیخ ابوزہرہ مصری کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں المذاہب الاسلامیہ مصر کے اسی مایہ ناز مصنف کی کاوش کا نتیجہ ہے جس کا ترجمہ پروفیسر حریری صاحب نے نہایت شگفتہ انداز میں کیا ہے۔ شیخ ابوزہرہ کی یہ کتاب شہرستانی کی الملل والنحل ابن حزم کی الفصل اور عبدالقادر بغدادی کی الفرق بین الفرق ایسی دقیق کتابوں کا گویا نعم البدل ہے کتاب میں سینکڑوں عنوانات کے تحت مسلمانوں کے تمام فرقوں اور سیاسی مذاہب کے بارے میں نہایت ہی فاضلانہ بحث کی ہے خاص طور پر بہائیوں اور قادیانیوں کے بارے میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ناشران

ملک سنز ناشران وتاجران کتب

کارخانہ بازار فیصل آباد فون: 041-2644375

Marfat.com

فضائل درود شریف

• تصنیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ،

اختلاف مسالک کے باوجود حضرت شیخ الحدیث کی فاضلانہ تصانیف کا تمام مکاتیب فکر کے اہل علم نے نہایت ہی خوش دلی سے خیر مقدم کیا ہے۔

اور علماء اور مشائخ نے خاص طور پر انہیں پسند فرمایا ہے۔

کتاب ہذا کی سطر سطر محبوب خدا ﷺ کے عشق و محبت کی آئینہ دار ہے۔

حیات امام ابو حنیفہؒ:

تصنیف: ابوزہرہ مصری

مترجم: پروفیسر غلام احمد حریری (مرحوم)

ناشران

ملک سنز ناشران و تاجران کتب

کارخانہ بازار فیصل آباد فون: 041-2644375

Marfat.com

تاریخِ تفسیر و مفسّرین

تاریخِ تفسیر ـــــــ اقسامِ تفسیر ـــــــ اہم کتبِ تفسیر

تالیف

غلام احمد حریری مرحوم

ایم۔اے عربی (ا) ایم۔اے علومِ اسلامیات (ا) ایم۔او۔ایل (عربی)

فاضلِ السنۂ شرقیہ ـــــــ فاضلِ درسِ نظامی

صدر شعبہ علوم اسلامیہ
زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

ناشر

ملک سنز پبلشرز

کارخانہ بازار فیصل آباد
2644375:-

Marfat.com

سلسلہ مطبوعات

ملک سنز پبلشر فیصل آباد، پاکستان !

تدوین حدیث کی ایک قدیم ترین کوشش

یعنی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنے شاگرد ابو عقبہ ہمام بن منبہ

ابن کامل بن شیخ الیمانی الصنعانی الانبادی کے لیے مرتب کیا ہوا

"الصحیفۃ الصحیحۃ"

موسوم بہ

صحیفہ ہمام بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ

جو ۵۸ھ سے پہلے کی تالیف ہے اور جسے ایک دیباچے اور حواشی کے ساتھ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

نے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی

بڑا سائز مجلد سنہری قیمت ۵، روپے اعلیٰ کاغذ زیر طبع

اضافی دیباچہ غلام احمد حریری

ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد (پاکستان)

Marfat.com

لنحیینہ حیوۃ طیبۃ

حیات امام احمد بن حنبلؒ

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے حالات و سوانح، امام صاحب کے زمانہ، ان کے افکار اور فقہ اسلامی میں حنبلی فقہ کی امتیازی حیثیت کا تفصیلی تذکرہ

تالیف

محمد ابو زُہرہ

پروفیسر قوانین اسلامی لاء کالج، فواد یونیورسٹی مصر

ترجمہ

سید رئیس احمد جعفری ندوی مرحوم و مغفور

تعلیقات و حواشی

محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

ملک سنز پبلشرز

کارخانہ بازار فیصل آباد

:2644375

Marfat.com

ایمان افروز کتابیں

- ہادیٔ کونین ﷺ (سیرت رسول اکرم ﷺ) ـــــ حکیم محمد اسمٰعیل ظفرآبادی قیمت روپے
- ستر الجمیل (عملیات و تعویذات) ـــــ امام شاذلیؒ ـــــ قیمت روپے
- علوم القرآن ـــــ ڈاکٹر صبحی صالح ـــ ترجمہ پروفیسر حریری ـــ قیمت روپے
- علوم الحدیث ـــ ڈاکٹر صبحی صالح ـــ ترجمہ پروفیسر حریری ـــ قیمت روپے
- تاریخ تفسیر و مفسرین - پروفیسر حریری ـــــ قیمت روپے
- تزکیۂ نفس ـــ مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی ـــ قیمت روپے
- معرکۂ ایمان و مادیت ـــ مولانا ابوالحسن علی ندوی ـــ قیمت روپے
- لسانی عصبیت ـــ مولانا ابوالحسن علی ندوی ـــ قیمت روپے
- اسلامی مذاہب ـــ ابوزہرہ مصری - ترجمہ پروفیسر حریری ـــ قیمت روپے
- حیاتِ امام ابوحنیفہؒ ـ ابوزہرہ مصری ترجمہ پروفیسر حریری تحشیہ عطاءاللہ حنیف قیمت روپے
- حیاتِ امام احمد بن حنبلؒ ابوزہرہ مصری. ترجمہ رئیس احمد جعفری تحشیہ عطاءاللہ حنیف قیمت روپے
- عربی بول چال ـــ سجاد میرٹھی ـــ قیمت روپے
- اُمّ الامراض ـــ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ـــ قیمت روپے
- اکابر علمائے دیوبند شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ـــ قیمت روپے
- سوانح مولانا محمد یوسف - سید محمد ثانی حسنی ـــ قیمت روپے
- لامع الدراری شرح بخاری (عربی) (دس جلدیں) مولانا محمد رشید گنگوہی تعلیقات مولانا محمد زکریا قیمت روپے
- حدیث رسول کا تشریعی مقام ـــ قیمت روپے
- اسماءِ حسنٰی کی برکات ـ مولانا انظر شاہ کاشمیری ـــ قیمت روپے

ملک سنز تاجران و ناشران کتب کارخانہ بازار فیصل آباد

Marfat.com

الامام الربانی شیخ الحدیث علامہ محمد زکریا الکاندھلویؒ

فضائل اعمال (اعلیٰ)

حکایات صحابہؓ

فضائل قرآن

فضائل رمضان

فضائل تبلیغ

فضائل نماز

فضائل ذکر

فضائل درود شریف

مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج

ناشر

ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد

Marfat.com

ملک سنز پبلشرز کی دیگر مشہور اسلامی کتب

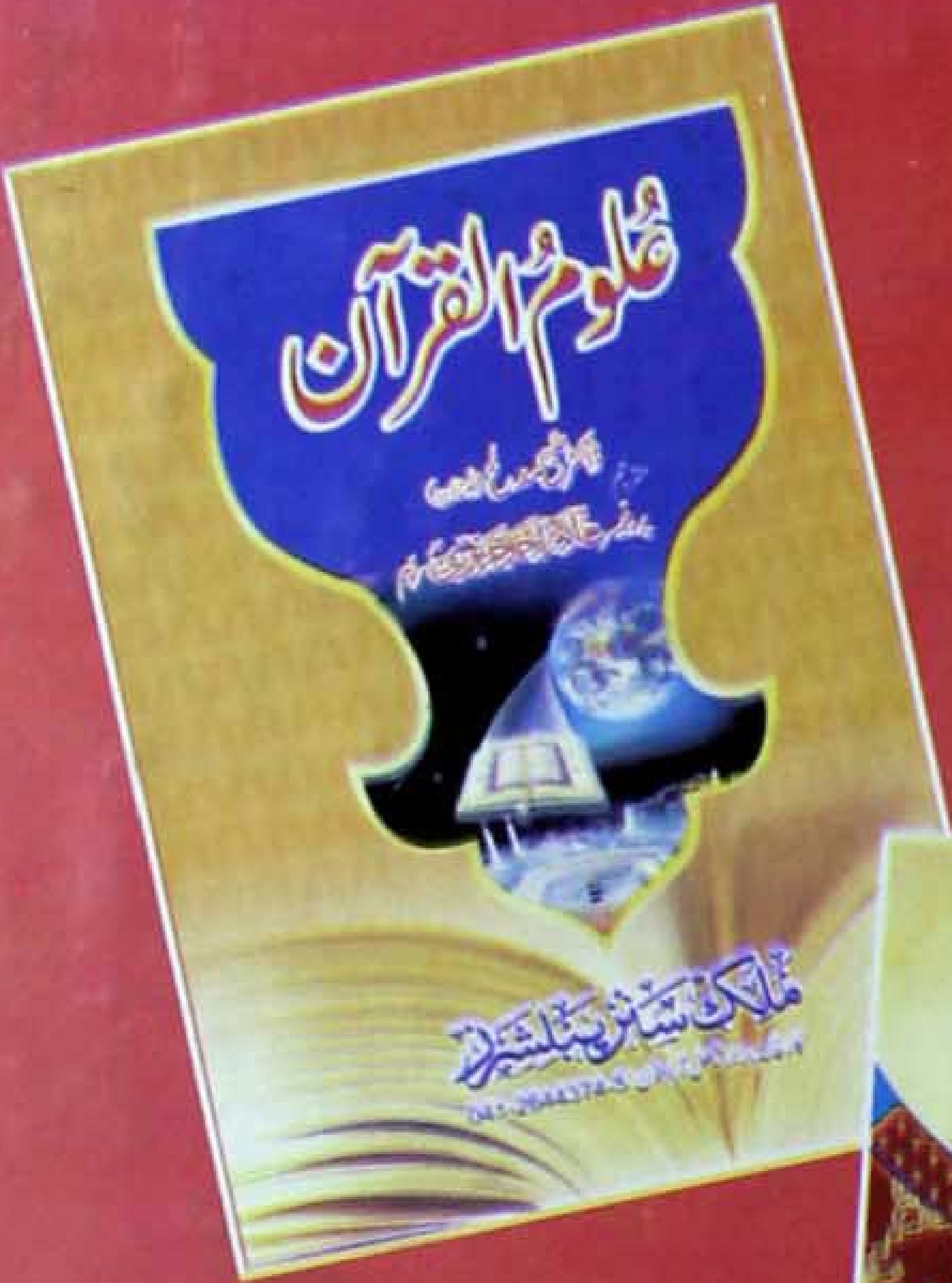

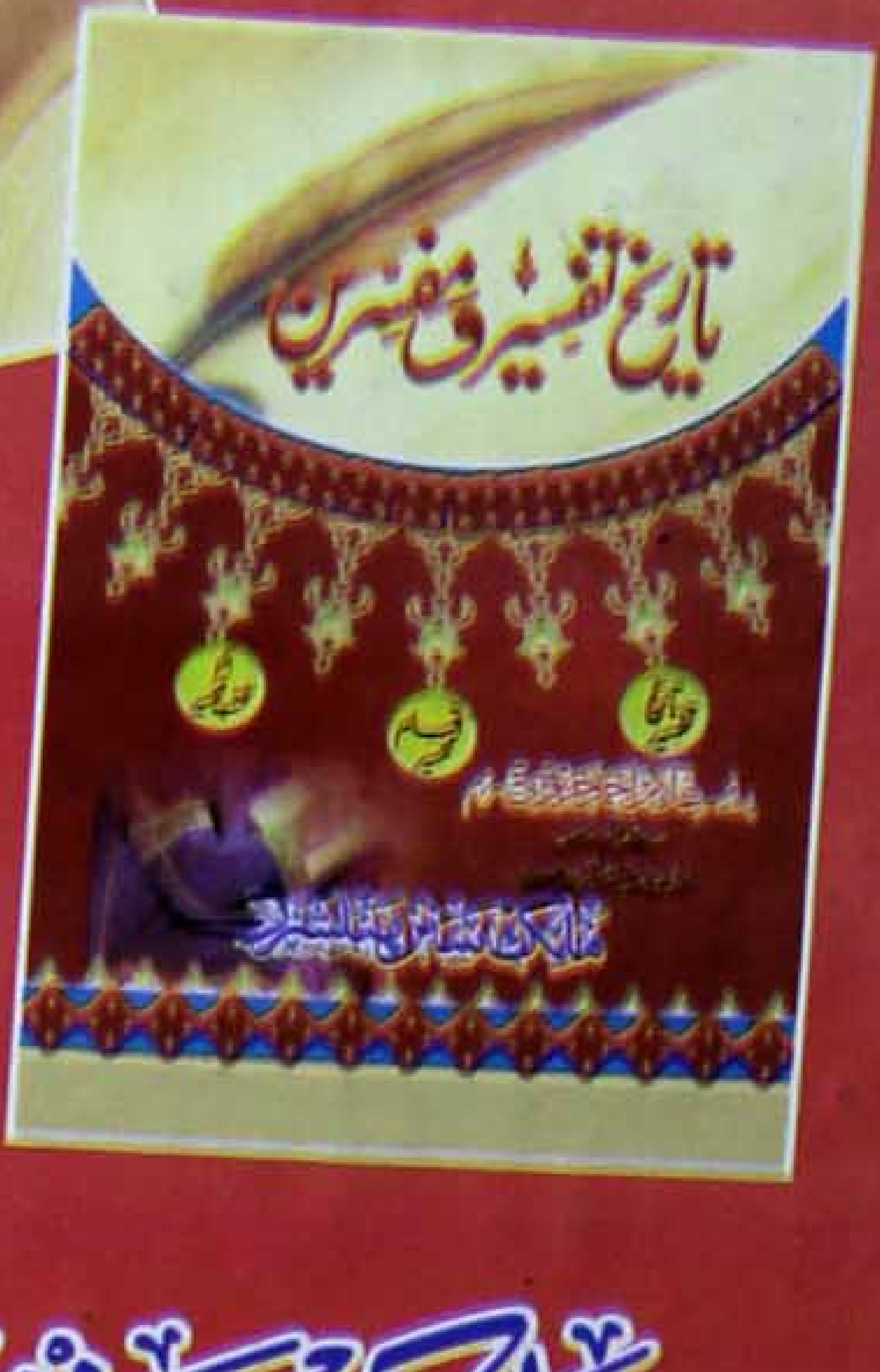

ملک سنز پبلشرز

کارخانہ بازار فیصل آباد فون: 041-2644374-5